راہ نجات

شکوی قرآن - شکوی امام - شکوی مسجد

سماحۃ المرجع الدینی الشیخ محمد الیعقوبی

ترجمہ

مولانا سید محمد عدنان نقوی

راہِ نجات

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : راہِ نجات

خطابات: مرجع عالی قدر شیخ محمد یعقوبی دام ظلہ

ترجمہ : مولانا سید محمد عدنان نقوی

زیر نگرانی: مولانا شیخ ہادی حسین ناصری

پروف ریڈنگ: بادشاہ نقوی صاحبؔ

لے آؤٹ ڈیزائن: سلمان علی

ایڈیشن: سوم (2023)

ناشر: مرکز معارفِ اسلامی

www.facebook.com/maarefislami

@MaarefIslamiOfficial/youtube.com

راہِ نجات

قرآن، مسجد، امامِ زمانہؑ

خطابات

سماحۃ المرجع الدینی الشیخ محمد الیعقوبی

ترجمہ

مولانا سید محمد عدنان نقوی دام عزہ

معارفِ اسلامی اسلام آباد

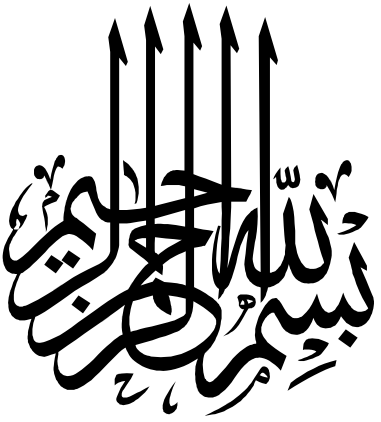
بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

قرآن

- مقدمہ 11
- قرآن از نگاہِ اہل بیتؑ 21
- قرآن کے زیر سایہ زندگی 35
- دورِ جدید کی جاہلیت 41
- قرآن ، کلام معصومینؑ کے آئینے میں 46

مسجد

- مقدمہ 59
- اَوائل اِسلام میں مسجد کا مقام 64
- مسجد اِسلام کی قیادت کا مرکز 66
- مسجد ، اُموی وعباسی ادوار میں 71
- مسجد میں جانے کے دینی ومعاشرتی فوائد 75
- مسجد اور ہماری ذمہ داریاں 83
- مسجد کی فضیلت واداب کے بارے میں 40 اَحادیث 92
- مساجد کے احکام وآداب 99
- فقہی مذاکرہ 104

امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف)

- پہلا باب :امامؑ کی معرفت سے بے خبری 119
- زمانۂ غیبت میں امامؑ کا وجود 130
- قربِ امامؑ حاصل کرنے کے ذرائع 136
- دوسرا باب: سلفِ صالح کے طریقہ سے دوری 143
- مومن کی صفات 148
- قبولیتِ اعمال کی شرط 149
- حدیثِ اعتقاد 152
- تیسرا باب : شرائط کی اہمیت ، اور مغرب کا مادی فتنہ 172
- شرط اور علامت میں فرق 172
- علامات کی اہمیت 185
- حوزہ علمیہ کی ذمہ داری 190
- چوتھا باب: حقوق شرعیہ کو ادا نہ کرنا 191
- خمس کی اہمیت 193
- راہِ خدا میں خرچ کرنے کی برکات 210
- احادیث کا فلسفہ 212
- حوزہ اور بیداریٔ شعور 215
- پانچواں باب :قلبی ہم آہنگی کی ضرورت 217
- مومنین کے باہمی تعلقات 220
- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں آخری خطبہ 227

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

تمام تعریفیں اللہ ربُ العالمین کے لیے ہیں۔جس نے ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ہمارے دلوں میں علومِ اہل بیتؑ کی محبت پیدا کر کے اُنہیں عام کرنے کا جذبہ عنایت کیا۔ بلاشبہ خدا کے بعد محمد و آل محمدؐ ہی وہ ہستیاں ہیں۔جن پر انسانیت کی فلاح اور دین کی بقا کا انحصار ہے۔

پیشِ نظر کتاب مرجع عالی قدر شیخ محمد الیعقوبی (دام ظلہ) کے خطابات کا مجموعہ ہے۔ اِن خطابات میں مرجع عالی قدر نے اِسلامی معاشرے کی تربیت اور اُس کی اصلاح و اِرتقا کے بارے میں گرانقدر نصیحتیں فرمائی ہیں۔آیۃ اللہ یعقوبی نے بیسیوں موضوعات پر متعدد کتابیں تالیف کیں اور دروس و لیکچرز دیے ہیں۔

اِس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہم کس قدر غفلت اور بے توجہی کی زندگی گزار رہے ہیں۔اور اپنے ہدف کو خاطر میں نہیں لا رہے۔ بنیادی طور پر اِس کتاب کا موضوع حدیثِ شکوہ ہے۔جس میں ذکر ہے کہ روزِ قیامت تین چیزیں شکایت کریں گی۔اور وہ تین چیزیں قرآن، مسجد اور عترتِ پیغمبرؐ ہیں۔۔اَب یہ صورتِ حال کافی سنجیدہ اور فکر طلب ہے کہ ہم جن چیزوں سے شفاعت کی اُمید رکھے ہوئے ہیں۔اگر کل وہ خدا کی عدالت میں ہمارے خلاف شکوہ اُٹھاتی ہیں تو ہمارا کیا بنے گا؟! کیونکہ ایک طرف تو ہم خود گناہ گار ہیں۔اور اگر اُس کے ساتھ اِن چیزوں کا شکوہ بھی ہوا تو پھر ہماری نجات مشکل ہو جائے گی۔

لہذا قبل اِس کے کہ وہ وقت آ جائے اور ہمیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے بہتر ہے کہ ہم اپنی غفلت سے بیدار ہوں اور ایسے کام انجام دیں کہ یہ تین چیزیں ہماری شفاعت کریں؟!

اِس کتاب کے تین حصے ہیں۔ایک حصہ قرآن کے بارے میں، ایک حصہ مسجد کے بارے میں اور ایک حصہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں۔

پہلے اَیڈیشن میں قرآن اور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا شکوہ اَلگ اَلگ پرنٹ ہوا تھا۔لیکن اِس دفعہ خدا کی توفیق سے مسجد والے حصے کا ترجمہ بھی مکمل ہو گیا ہے۔اِس لیے تینوں حصوں کو ایک ہی کتاب میں یکجا کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اِس حدیث میں چونکہ پہلے قرآن، پھر مسجد اور اُس کے بعد عترتؑ کا ذکر ہے۔تو ہم نے بھی اِسی

ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ سب سے پہلے قرآن کریم کے متعلق کچھ دروس پیش کیے ہیں۔ پھر مسجد کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور آخر پہ خاتم الاوصیاء عجل اللہ فرجہ الشریف سے متعلقہ مباحث کو حتی المقدور شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب بلا مبالغہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد اور بالخصوص خطباء، اہل منبر اور آئمہ مساجد کے لیے نہایت مفید ہے۔ اِس میں خود سازی اور معاشرہ سازی دونوں حوالوں سے کافی علمی مواد موجود ہے۔

اِس کتاب کو اُردو قالب میں ڈھالنے کا فریضہ سماحۃ السید مولانا محمد عدنان نقوی (دام عزہ) نے انجام دیا ہے۔ جن کا شغف ہی ترجمہ و تالیف ہے اور اِس شعبے میں مالکِ کائنات نے اُنہیں بہت عزت عطا فرمائی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم بصدقہ آل محمدؐ اُن کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔ اُنہوں نے اِس ادارہ کی اور بھی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ جیسے مرجع الشیخ محمد الیعقوبی (دام ظلہ) رسالہ عملیہ بھی اُنہوں نے ترجمہ کیا ہے۔ اِس کے علاوہ اُنہوں نے مذہبِ حقہ کے اَعاظم و مشاہیر کی مختلف النوع کتابوں پر ترجمہ و تحقیق کا کام ہے۔ جن کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے۔ مثلاً قرآن فہمی، تفسیر، حدیث، تاریخ، فضائل و مناقب، مقتل و مصائب، تہذیب و اصلاح اور تحقیق و جدل اَحسن تقریباً سبھی موضوعات اُن کے قلم سے لکھے جا چکے ہیں۔

دفتر آیۃ اللہ یعقوبی سیدِ بزرگوار کی خدمات کا معترف ہے اور خصوصی طور پر اُن کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ ہم نے اِس علمی سعی کو ''راہِ نجات'' کا نام دیا ہے۔ خدائے لم یزل سے دعا ہے کہ وہ اِس عبدِ قائمؑ کو اِسی طرح دینی علوم و معارف کی ترویج کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور ہمارا دفتر ایسے علمی کارناموں کو سامنے لا کر نیاز مندی کا موقع پاتا رہے۔

شکریہ

مرکز معارف اِسلامی

***

قرآن

- قرآن کی اہمیت۔۔
- قرآن کی صفات۔۔
- قرآن کے زیرِ سایہ زندگی۔۔
- دورِ جدید کی جاہلیت
- قرآن از کلامِ معصومینؑ۔۔

مقدمہ

یہ ہمارے اسلامی معاشرے کی ایک اچھی روایت ہے کہ ہم اپنی محافل ومجالس ، بلکہ ہر اچھے کام کی ابتداء قرآن کریم کی تلاوت سے کرتے ہیں۔اور اب تو اس کلام الٰہی کی عظمت ہر دل پر اس قدر غالب آچکی ہے کہ غیر مسلم معاشروں میں بھی اس کی تلاوت کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

لہٰذا ہم طلباء دینی کو بھی چاہیے کہ اپنے دروس کا آغاز تلاوت قرآن سے کریں۔اور ہماری تلاوت فقط حسن قرات یا آواز کی خوبصورتی تک ہی محدود نہ ہو، بلکہ اس میں کامل تدبر ہو اور آیات الٰہی کے ضمن میں اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ کتاب اُمت مسلمہ پر خداوند عالم کی ایک عظیم نعمت ہے۔اگر ہم نے اس کی قدر نہ کی تو روز قیامت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ کتاب جو کہ اپنے قاری کی شفاعت کرنے والی اور اسے جنت میں لے کر جانے والی ہے۔ممکن ہے کل قیامت کے روز یہ بارگاہِ خدا میں ہماری بے توجہی کی شکایت کرے۔جیسا کہ اصول کافی اور خصال وغیرہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

یہ تین چیزیں بارگاہ خداوندی میں شکایت کریں گی:

۱۔غیر آباد اور ویران مسجد جس میں اہل محلہ نماز نہ پڑھتے ہوں۔

۲۔وہ عالم جو جاہلوں کے معاشرے میں موجود ہو، اور وہ اس سے راہنمائی نہ لیں۔

۳۔آویزاں کیا ہوا قرآن کا وہ نسخہ جس پر گرد پڑی ہوئی ہو اور اس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں عالم کا واضح ترین مصداق اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بالخصوص امام زمانہ عَجَّلَ اللہُ فَرَجَہُ الشَّرِیف ہیں۔

اِس حدیث کی روشنی وہ تین چیزیں جو انسان کی غفلت ولا پرا ہی کا شکوہ کریں گی۔وہ قرآن، اہل بیت اطہارؑ اور مسجد ہیں۔اِسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ روزِ قیامت تین چیزیں شکایت کرتی ہوئی آئیں گی: قرآن، مسجد اور عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

قرآن کہے گا: اے خدا! ان لوگوں نے مجھ میں تحریف کی اور مجھے (بند رکھ کر) بوسیدہ کر دیا۔

مسجد کہے گی: خدایا! ان لوگوں نے مجھے بند رکھا اور میری قدر نہ کی۔

عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے گی: اے میرے خدا! ان لوگوں نے ہمیں ناحق قتل کیا، ہمیں ہمارے وطن سے نکالا اور اطرافِ زمین میں منتشر کیا۔

یہ شکوے سن کر میں (محمدؐ) ان لوگوں کے ساتھ نزاع ومخاصمہ کے لیے دوزانو ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ اس وقت ارشاد خدا ہوگا: ''آپؐ سے زیادہ ان لوگوں سے نزاع کرنے کا میں حق رکھتا ہوں۔''

اس حدیث سے بہت سی باتیں سمجھ آتی ہیں۔ مثلاً اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس اُمت کی بنا تین ارکان پر قائم ہے۔ جن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث مبارکہ، حدیث ثقلین کے ہم معنی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں آیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان سے مربوط و متمسک رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ قیامت کے روز میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن دو چیزوں کو گراں قدر کہا وہ قرآن واہل بیتؑ ہیں۔ رہی مسجد، تو وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں یہ ثقلین جمع ہو کر دنیا والوں تک اپنا پیغام پہنچاتی ہیں۔ اور اس کی مقدس فضاؤں میں پوری اُمت مسلمہ کو اکٹھا کرتی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن واہل بیتؑ کے ساتھ کیے جانے والے ناروا سلوک کا پہلے سے ہی علم رکھتے تھے۔ اِسی لیے آپؐ نے ان کے شکوہ وشکایت کی خبر دیتے ہوئے ایسا انداز اختیار فرمایا کہ گویا یہ حقیقت بہت جلد سامنے آنے والی ہے۔ اور آپؐ اپنی اُمت کو اُس سے خبردار کر رہے ہیں۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عدمِ التفات اور مجرمانہ غفلت کی سزا کو بھی صاف الفاظ میں بیان فرما دیا کہ اِس بارے میں خود خداوند عالم محاسبہ کرے گا۔ اور وہ بلاشبہ وہ بہت عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔

لہٰذا جب تک یہ تین ارکان اپنی اپنی جگہ قائم رہیں گے اسلامی معاشرے کا وقار بحال رہے گا۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی خلل پیدا ہوا۔ تو اس کا اثر براہ راست پوری اُمت مسلمہ پر ہوگا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ ان تینوں کے بارے میں مستقل تفصیل کے ساتھ بحث کروں اور اس سلسلے میں اپنی دینی فریضے کی ادائیگی کی پوری کوشش کروں۔

کتابِ خدا قرآن کریم چونکہ ثقلِ اکبر ہے اس لیے میں اپنی گفتگو کا آغاز اسی سے کرتا ہوں۔ یہ کتاب خدا کی وہ رسی ہے جو اس کے اور بندوں کے مابین ربط کا ذریعہ ہے۔ اس کے حق میں کوتاہی کرنے والوں کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح شکوہ کریں گے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا

''اور رسولؐ کہیں گے: اے میرے رب! میری قوم (امت) نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔'' (الفرقان،:۳۰)

اس کتاب میں اُمت مسلمہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ سابقہ امتوں کی تباہی کے اسباب کیا کیا تھے؟ تو سب سے اہم جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ وحی الٰہی کو معاشرے میں رائج نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ

''اے اہلِ کتاب تم کسی راہ (حق) پر نہیں ہو۔ جب تک کہ تورات، انجیل کو اور جو کچھ پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کو قائم نہ رکھو اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے۔''

لہٰذا جو بھی اس ثقل اکبر سے مربوط رہے گا وہ خدا کی طرف جانے والی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ اور جس نے اس سے منہ موڑا تو اس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

واضح رہے کہ قرآن کا یہ شکوہ بجا ہوگا کیونکہ ہم جو کہ ایک اسلامی معاشرے میں رہتے ہیں اس کی طرف توجہ نہیں دیتے تو دوسروں کا کیا کہنا کہ جو غیر اسلامی دنیا میں رہتے ہیں۔ ایسے ماحول میں رہنے والوں سے تو اس کی باقاعدہ تلاوت کی توقع رکھنا بھی ایک امر محال معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ اسے اپنی زندگی کا حصہ بنالیں اور اپنے ہر معاملے میں اس سے راہنمائی لیں۔

افسوس کہ یہ اسلامی دنیا کا المیہ ہے جہاں سوائے ماہ مبارک کے اس کی طرف رجحان بہت کم پایا جاتا ہے۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہم اسے دیگر مہینوں بھی وقت دیں اور اس کتاب ہدایت سے فیض یاب ہوں۔ اور ماہ مبارک میں اس کی تلاوت اور اس کی تعلیم وتدریس کا خصوصی طور پر اہتمام کریں۔ کیونکہ اس کے اور ماہ رمضان کے مابین ایک خاص ربط ہے۔ حتیٰ کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ''ہر چیز کی ایک بہار ہوتی ہے اور قرآن کی بہار ماہ رمضان ہے۔''

یہاں اس حدیث کو موضوعِ بحث بنانے ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آج جو مسلمانوں کی زبوحالی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ وہ انہیں بہت بڑی تباہی کی طرف لے کر جا رہی ہے۔ آج وہ اپنے دشمن ابلیسِ خبیث کے نقش قدم پر چلتے دکھائی دے رہے ہیں اور نفس اَمارہ کی بے مہار سواری پر سوار ہو چکے ہیں۔ مغرب کی تہذیب ان دونوں کا ہی بچھایا ہوا خطرناک جال ہے۔ جس کا بنیادی ہدف مسلمانوں سے ان کی اساسیات پر حملہ کرنا اور ان کی غیرت وحمیت کو سلب کرنا ہے۔

انہی اساسیات میں سے ایک قرآن مجید ہے۔ آج اُمت مسلمہ جس زوال وانحطاط کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کی

بڑی وجہ خدا کی اس رسی کو چھوڑ دینا ہے، جسے تھامنے کا اس نے حکم دیا تھا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

''اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو۔''

اس حبل الٰہی کا بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں ثقل اکبر قرآن ہے اور ثقل اصغر میری عترت اہل بیتؑ ہے۔ یہ دونوں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پھیلی ہوئی رسی ہیں۔ تم جب تک اسے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اس کا ایک سرا خدا کے پاس ہے اور ایک تمہارے پاس۔'' (بحار الانوار: ۹۲/ ۱۰۲)

میں کہتا ہوں کہ جب سے اُمت نے عترت رسولؐ کو اس کے مقام سے ہٹانے کوشش کی تب سے وہ قرآن سے دور ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ انہیں وہ مقام خداوند عالم نے عطا کیا ہے اور اسے ان سے دور کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ ''اور (اے رسولؐ!) آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔'' (القصص: ۶۸)

اور یہاں یہ کہنا کہ فقط قرآن ہی کافی ہے اور اس کے لیے کسی شارح و ترجمان کی ضرورت نہیں۔ بہت ہی غلط خیال اور شیطان مردود کا دھوکہ ہے۔ اور وہ اس کے اظہار کے لیے کسی ایسے فرد کو واسطہ بناتا جس کے ذریعے اسلام کی عمارت کو مخدوش کرنا آسان ہو۔

قرآن و اہل بیتؑ میں جدائی ایک قدیم فتنہ ہے حتیٰ کہ مولا علی علیہ السلام کے دور میں بھی یہ فتنہ موجود تھا کہ جب آپؑ کو تحکیم پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''یہ لکھا ہوا قرآن ہے جو دو گتوں کے درمیان ہے۔ یہ زبان سے بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس کے لیے کسی ترجمان کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی ترجمانی کی (خاص) افراد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں جدائی ممکن ہے اور نہ ان میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ تمسک ممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن خدا تک پہنچنے کا پروانہ ہے تو اہل بیتؑ اس کا دروازہ ہیں۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو کوئی بھی اہل بیتؑ کو چھوڑ کر قرآن سے متمسک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اور جو غیر شیعہ اس کے بارے میں کافی اہتمام کرتے ہیں وہ لاحاصل سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف مخارج الحروف، حسن قرات اور قواعد تجوید کی حد تک ہوتا ہے اور اس کے معانی حقیقیہ کی طرف کوئی

توجہ نہیں دی جاتی اور نہ اس کے حقیقی مفسرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔اور وہ تجویدی قواعد بھی ان کے اپنے وضع کردہ ہوتے ہیں۔اوران میں سے بعض تو شریعت مقدسہ کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔

بہرحال یہ سب وہ چیزیں جو قرآن کے ظاہر سے متعلق ہیں۔حالانکہ مہم یہ ہے کہ اس کے معانی میں غور وتدبر کیا جائے اوراس کے حکم پر عمل کیا جائے۔کیونکہ لفظ تو ایک خول کی مانند ہوتا ہے اوراس کی اصل تو معنی ہوتا ہے۔اور متکلم کا مقصود بھی لفظ نہیں ہوتا معنی ہوتا ہے۔وہ اسے مخاطب کو اپنی بات سمجھانے کا ذریعہ بناتا ہے۔

علاوہ بریں بہت سی احادیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کہ جو قرآن کے الفاظ کی رعایت تو رکھتے ہیں مگر اس کے معانی وحدود کا لحاظ نہیں کرتے۔جیسا کہ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے:کم من قارئ للقرآن والقرآن یلعنہ،'' کتنے ہی ایسے قرآن کے پڑھنے والے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔''

پھر یہی قرآن روز قیامت ایسے شخص کے خلاف کھڑا ہوگا۔کیونکہ وہ اسے پڑھ کر اس کے حکم پر عمل نہیں کرتا۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

قرآن کی تلاوت کرنے والے تین قسم کے افراد ہوتے ہیں :ایک وہ ہوتا ہے جو اسے ذریعہ معاش بناتا ہے اوراسکے ذریعے بااثر لوگوں کی قربت حاصل کرتا ہے اورلوگوں پر تکبر ظاہر کرتا ہے۔ایسا شخص جہنمی ہے۔

ایک وہ ہوتا ہے کہ جو اسکی تلاوت کرتا ہے اوراس کے حروف کو اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے مگر اس کی حدود کو ضائع کرتا ہے۔ایسا شخص بھی جہنمی ہے۔

اورایک وہ ہوتا ہے جو اسے پڑھتا ہے اوراس کی دواء سے اپنے دل کی بیماری کا علاج کرتا ہے۔پس وہ اس کے ساتھ راتوں کو جاگتا ہے،دن کو روزے سے ہوتا ہے،مساجد میں حالت قیام میں اس کی تلاوت کرتا ہے اوراپنے بستر سے جدا رہتا ہے۔

ایسے لوگوں کے ذریعے خداوندمتعال بلاؤں کا خاتمہ کرتا ہے اور انہیں دشمنوں پر غالب کرتا ہے۔اورانہی کے سبب آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔

خدا کی قسم ! ایسے لوگ ہی اس کی صحیح تلاوت کرنے والے ہوتے ہیں ،مگر یہ کبریت احمر سے بھی کم ہیں۔(الخصال:ابواب الثلاثۃ:۱۴۲)

ایک حدیث میں امام حسن مجتبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن کی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو اس پر عمل کرے،اگرچہ وہ اسے یاد نہ رکھ سکے۔اورسب سے زیادہ شقی وبدبخت وہ ہے جو اس پر عمل نہ کرے،خواہ وہ اس کی تلاوت کرتا ہو۔

یہاں سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ قرآن کے معانی وحقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے محض اس کے کلمات کو تحسین وتجوید پر زور دینا ہے ایک پرانا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ معصومینؑ نے بھی اس کے بارے میں متنبہ کیا۔ مثلاً جو شخص یہ آیت پڑھتا ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ

''اور (اے رسولؐ!) آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔'' (القصص:۶۸)

اور پھر خدا کے منتخب کردہ نمائندوں سے منہ موڑ کر ان کے غیروں کو ان پر مقدم کرتا ہے تو اسے اس کے پڑھنے سے کیا فائدہ ملا۔ حالانکہ خداوند عالم نے اس سلسلے کو ایک پلڑے میں اور پورے اسلام کو دوسرے پلڑے میں رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

''اے رسولؐ! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے۔ اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (پھر یہ سمجھا جائے گا کہ) آپ نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ اور اللہ آپ کی لوگوں (کے شر) سے حفاظت کرے گا۔''

اسی طرح وہ شخص قرآن کی کیسی اتباع کرتا ہے؟ جس سے قرآن، اہل بیتؑ کی محبت بطور اجر رسالت طلب کرتا ہے۔ اور وہ اہل بیتؑ کی دشمنی کو اپنے وطیرہ بنائے ہوئے ہے۔ حالانکہ اگر اس میں ذرا بھی عقل وشعور ہوتا تو وہ اس مطالبے کو اس فرمانِ الٰہی کے ضمن میں دیکھتا جس میں بیان ہوا ہے کہ اس اجر کا مطالبہ فقط اسی سے کیا جا رہا ہے جو خدا کی طرف پہنچنا چاہتا ہے۔

نیز اہل بیتؑ وہ راستہ ہیں جو خدا تک راہنمائی کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

''اور (یہ بھی کہو) یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستہ سے جدا کر دیں گے یہ ہے جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔'' (الانعام)

امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں: نحن السبیل فمن

ابی فھذہ السبل فقد کفر ''سبیلِ خدا سے مراد ہم اہل بیتؑ ہیں ۔ جو اِس بات کا نکار کر کے دوسری راہوں پر چلا تو وہ کافر ہوا۔''

میں یہ نہیں کہتا کہ حسبنا کتاب اللہ ایک درست کلمہ ہے، جس سے مراد باطل ہے۔ بلکہ میری نظر میں اس کلمہ کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اس کلمہ کے قائلین گویا لاشعوری طور پر ہی سہی اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کو کافی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بس اب قرآن ہمارے پاس آ گیا اور ہمیں کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں حتی کہ رسول خداؐ کی بھی۔

اس صورت میں تو ہمیں شریعت مقدسہ کی تمام تر تفصیلات سے جاہل ہونا پڑے گا۔ کیونکہ وہ سب قرآن میں نہیں اور رسول وآل رسولؐ نے بیان کی ہیں۔

مثلاً جو شخص طبیب یا انجینئر بننا چاہتا ہو، کیا اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ متعلقہ شعبے کے ماہرین سے تربیت حاصل کیے بغیر اپنے ہدف میں کامیاب ہو جائے؟ اگر جواب نا میں ہے۔ تو بتایئے کہ جب امور دنیا میں کسی ہادی وراہنما کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، تو قرآن مجید کو کسی شارح ومعلم کے بغیر کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ جس میں ہر چیز کا بیان ہے، جس میں پوری بشریت کی اصلاح کا راز چھپا ہوا ہے اور جس کی ہر زمانے میں ضرورت ہے؟!

اسی خطرے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کسی کے پاس میرا پیغام پہنچے جس میں مَیں نے کسی چیز کا حکم دیا ہو یا کسی چیز سے منع کیا ہو، وہ اپنے تکیے کی ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو صرف اسی بات کی اتباع کریں گے جس کتاب خدا میں پائیں گے۔

دشمنوں نے یہ تمام چالیں صرف اس لیے چلی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اس اُمت کے لیے ایک حفاظتی قلعہ ہے جو اسے ہر قسم کی گمراہی سے بچانے والا ہے۔ اور اہل بیتؑ اس کی حدود کے محافظ ونگران ہیں ۔ لہذا انہوں نے پوری کوشش کی کہ قرآن واہل بیتؑ ایک دوسرے سے جدا رہیں اور اہل بیتؑ کو قرآن کی تفسیر وتشریح کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور اس اُمت کا کوئی نگران اور اس کی کوئی جائے پناہ نہ ہو۔ تاکہ وہ دشمنوں کے منہ کا لذیذ لقمہ بن جائے۔ جیسا کہ آج ہماری حالت کچھ ایسی ہی ہے۔

ان کی یہ چال واقعاً کارگر ثابت ہوئی ہے۔ اور اس سے قرآنی علوم اور فکر وتفکیر کی روش کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ اور اس غفلت وصرف نظر کا سب سے بڑا شاہد یہ ہے کہ اہل بیتؑ سے نقل ہونے والی احادیث کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مثلاً جب آپ خلفاء اسلام کے ادوار میں علم حدیث کی حیثیت اور لوگوں کی جستجو کو مدنظر رکھتے ہوئے مولا علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام سے نقل شدہ احادیث کو شمار کریں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

جہاں تک صحابہ کی بات ہے تو انہوں نے تفسیر قرآن کے باب میں مولا علی علیہ السلام سے کوئی قابل ذکر مواد نقل نہیں کیا۔ اور رہی بات تابعین کی، تو انہوں نے پورے قرآن کے بارے میں مولا علی علیہ السلام سے سو روایتیں نقل کی ہیں۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام سے نقل شدہ روایتوں کی تعداد شاید دس بھی نہ ہو۔ اور امام حسین علیہ السلام سے بھی انہوں قابل ذکر روایات نقل نہیں کیں۔ حالانکہ تفسیر کے موضوع پر جمہور کے طریق سے سترہ ہزار روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ جیسا کہ سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے۔ اور جو روایت فقہ کے باب سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی صورت حال بھی یہی ہے۔

قرآن کو اہل بیتؑ سے جدا کرنے کا نقصان

قرآن کو اہل بیتؑ جدا کرنے سے درج ذیل نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہے:

۱۔ اس سے وہ بہت سے علوم غائب ہوئے ہیں کہ جنہیں قرآن سے فقط اہل بیت اطہارؑ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۲۔ قرآن نفس ومعاشرے کی اصلاح عمل انجام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ قرآن وعترت دو متصل چیزیں ہیں۔ اور ان میں سے ایک، دوسرے کے بغیر اُمت کی اصلاح کے فریضے کو انجام نہیں دے سکتا۔

۳۔ اس سے قرآن ارباب ہوس بلکہ دشمنان دین کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اس سے اپنے مطلب کی بات لیے ہوئے ہے۔ حتی کہ خوارج نے بھی جب تحکیم کا اعلان کیا۔ اور ان کے اور جناب عبداللہ بن عباسؓ کے مابین گفتگو ہوئی۔ تو انہوں نے اپنی دلیل قرآن سے پیش کی۔ اس پر مولا علیؑ نے آپؓ کو اس سے منع فرمایا کہ اس کی بہت سی صورتیں بنتی ہیں۔ اس طرح قرآن کے اصلی معانی ان تاویلات کی بھینٹ چڑھ گئے کہ جن کی پیروی سے خداوند عالم نے منع کیا اور بتایا کہ اس کی تاویل کا علم صرف خدا اور راسخین فی العلم کے پاس ہے۔ اور اس کے واضح ترین مصداق اہل بیتؑ ہیں۔

۴۔ قرآن واہل بیتؑ کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کا ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ اُمت تفرقے کا شکار ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس اُمت کو تفرقے اور انتشار سے بچانے کا واحد راستہ قرآن واہل بیتؑ کے ساتھ مربوط کرنا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس آیت: [وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠] کی تفسیر یہی بیان فرمائی کہ حبل خدا سے مراد قرآن واہل بیتؑ ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب سیدہؑ نے اپنے خطبے میں فرمایا: وجعل امامتنا نظاما للملة یعنی خدا نے ہماری امامت کو اس ملت کے منظم ومربوط ہونے ذریعہ

بنایا۔

اوراسی اہل بیتؑ سے دوری نے اس اُمت کو جابروں اور ہوا پرستوں کے ہاتھ کا کھلونا بنادیا کہ جو اس قرآن کے مقدس عناوین کو اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔جیسا کہ وہ آیت میں یہ طرز فکر اپنائے ہوئے ہیں کہ آیت اطاعت کی رو سے لوگوں پر حاکم کی اطاعت فرض ہے،خواہ وہ کیسے ہی کافروں اور بدکاروں والے کام کرے۔

قرآن کا لحاظ کرنے کی وصیت ہے

اے میرے مومن بھائیو! تمہیں ان لوگوں کے اس دعوی سے متاثر اور احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہم سے زیادہ قرآن کے بارے میں اہتمام کرتے ہیں۔ بلکہ تمہیں چاہیے کہ خود اس قرآن کو یاد رکھو، کیونکہ یہ اس قابل ہے۔اور تمہیں چاہیے کہ قرآن سے متعلق مولا علیؑ کی اس وصیت کو پورا کرنے کی کوشش کرو کہ جو انہوں نے شہادت سے وقت پہلے کی تھی: قرآن کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر عمل کرنے میں دوسرے تم پر سبقت لے جائیں۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل عمل کے بارے میں مولا علی علیہ السلام کو چالیس باتوں میں سے ایک اس بات کی وصیت فرمائی: اور قرآن کی تلاوت کثرت کے ساتھ کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔

قرآن، خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے

جو شخص خدا تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو اپنا وسیلہ بنائے۔کیونکہ اس میں خداوند متعال نے اپنی مخلوق کو اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بندے دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔جیسا کہ مولا علی امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔

چنانچہ جو بھی اپنی یا اپنے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتا ہے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب خدا کو اپنا دلیل راہ بنائے۔ بلاشبہ یہ بہت ہی اچھا ہادی ہے۔

مگر واضح رہے کہ جب کوئی چیز خراب ہوجاتی ہے۔تو اس کی خرابی کو دور کرنے کے لیے اس کے بنانے والے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔کیونکہ جو کسی چیز کو بناتا وہ اس کے عوارض کا علم بھی رکھتا ہے اور اس کی خرابیوں کو دور کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے۔اسی طرح جب کسی کی طبیعت ناساز ہوتی ہے تو وہ معالج کے پاس جاتا ہے۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ جب کوئی اپنی ذات کی اصلاح کرنا چاہتا ہے کہ جو خود اس سے بھی مخفی ہوتی ہے یا پھر اپنے معاشرے کو اس نہج پر لے کر جانا چاہتا ہے۔کہ وہ انسانیت کی سعادت وفلاح کا ضامن ہو،تو وہ اس

انسان کے بنانے والے یعنی خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے ہی جیسے ناقص العقل کو آراء حاصل کرتا ہے کہ جو اس کے مسئلے کا حل پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

اور قرآن کی یہ خاصیت مسلم ہے کہ یہ انفرادی واجتماعی ہر دو طرح کی اصلاح کرنے پر قادر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ذریعے ایک مختصر سے عرصے میں مدتوں سے جرائم کی عادی دنیا کی کایا پلٹ دی ۔اور جاہلانہ رسم ورواج کے پابند لوگوں کو فلاح وبہتری کے جدید خطوط پر استوار کیا۔ اور یہ سب اسی کتاب عظیم اور اس کے حامل کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہوا۔

زندگی میں دوبارہ قرآن کو لانے ضرورت ہے

اب بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم قرآن کو دوبارہ مسلمانوں کی زندگی میں لائیں۔ اور اسے بجائے ایصال ثواب کے لیے پڑھنے کے، اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہوں۔

جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ اس اُمت کے آخری زمانے کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز کے ذریعے ہوگی جس سے اس کے پہلے لوگوں کی ہوئی ۔اور یہ واضح ہے کہ اول اُمت کی اصلاح کا دارومدار قرآن کو اپنی زندگیوں میں لانے پر تھا۔ لہذا اب ہمیں ضرورت ہے کہ اس کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو کریں۔ حضرت مقدادؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب تم پر فتنے سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح چھا جائیں تو تم پر لازم ہے کہ قرآن سے تمسک اختیار کرو۔ بلاشبہ یہ ایسا سفارش کرنے والا ہے جس کی سفارش قبول ہوگی اور ایسا منازع ہے جس کے حق پر ہونے کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو اسے اپنے پیشوا بنائے گا یہ اسے جنت کی طرف لے جائے گا اور جو اسے پس پشت ڈالے گا یہ اسے جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے گا۔ اور یہ ایسا راہنما ہے کہ اچھائی کی طرف لے کر جاتا ہے۔

مولا علی علیہ السلام اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: جان لو کہ یہ قرآن ایسا خیر خواہ جو دھوکہ نہیں دیتا، ایسا راہنما ہے جو راستے سے نہیں بھٹکتا اور ایسا بولنے والا ہے جو غلط بیانی نہیں کرتا۔ جو بھی اس کے ساتھ اپنا وقت گزارے گا تو میں کمی یا زیادتی ضرور ہوگی۔ (یعنی اس کی ہدایت میں اضافہ ہوگا اور اس کی گمراہی میں کمی ہوگی۔)

جان لو کہ قرآن کے بعد کسی کی احتیاج باقی نہیں رہتی اور اس سے پہلے کوئی اس سے بے نیاز نہ تھا۔ لہذا تم اس بیماریوں کی شفا حاصل کرو اور اپنی سختیوں کے بارے میں اس سے مدد حاصل کرو۔ اس میں سب سے بڑی بیماریوں کفر ونفاق اور کجی وگمراہی کی شفا موجود ہے۔

لہذا تم خدا کو اس کا واسطہ دے کر سوال کرو اور اس کی محبت کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرو۔ اور اسے اس کی مخلوق کے قریب ہونے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور جیسا اس کے ذریعے خدا کا قرب کا حاصل کرنا ممکن ہے ویسا کسی دوسرے چیز کے ذریعے ممکن نہیں۔ جان لو کہ یہ ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت قبول ہوگی اور ایسے بولنے والا ہے۔ جس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔ بلاشبہ روز قیامت قرآن جس کی شفاعت کرے گا، قبول ہوگی اور جس کے بارے میں بات کرے گا مانی جائے گی۔

قیامت کے دن ایک منادی نداء دے گا: (ہر کوئی اپنے کیے ہوئے عمل اور اپنی بوئی ہوئی فصل کا انجام دیکھ رہا ہے۔ سوائے ان کے کہ جنہوں نے قرآن کی کھیتی کاشت کی۔) تو تم بھی قرآن کی فصل بونے والے اور اس کی اتباع کرنے والے بن جاؤ۔ اس کے ذریعے اپنے رب کی معرفت حاصل کرو۔ اسے اپنا خیر خواہ بناؤ۔ اپنی آراء کو اس پر پرکھو اور اپنی خواہشات کو اس کے میزان میں تولو۔

قرآن از نگاہِ اہل بیتؑ

اہل بیت اطہارؑ قرآن کی تلاوت کو اور اسے زندگی کا معمول کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام علی زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اگر مشرق و مغرب کے مابین سب چیزیں ہلاک ہوجائیں اور میرے پاس صرف قرآن ہو، تو بھی مجھے ہرگز تنہائی محسوس نہ ہوگی۔''

اللہ تعالی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کی تلاوت کا حکم دیا۔ تو آپؐ نے نا صرف یہ کہ اسے نافلہ و فریضہ نمازوں میں اور اس کے علاوہ تلاوت کیا، بلکہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ وہ آپؐ کو قرآن پڑھ کر سنائیں۔

انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! یہ کلام آپؐ پر نازل ہوا ہے اور آپؐ اسے مجھ سے سننا چاہتے ہیں؟! تو آپؐ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہاری زبان سے سنوں۔

چنانچہ جناب عبداللہ بن مسعودؓ تلاوت کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ آپؐ کے وجود پاک کا ہر ہر عضو قرآن سے فیض یاب ہو۔ نیز آپؐ جانتے تھے کہ جسم کے ہر حصے کو ایک خاص طریقے سے معرفت حاصل ہوتی ہے اس لیے آپؐ یہ طریقہ اختیار فرماتے تاکہ آپؐ کے پاس معرفت کے تمام اسباب جمع ہوجائیں۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ

جس کے حواس خمسہ میں سے کوئی حس ختم ہوگئی تو وہ (اس سے متعلقہ) علم سے محروم ہوگیا۔ پس آپؐ جناب عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاوت سن کر اپنے وجود سے قرآن کے ساتھ مشغول ہوجاتے۔ اسی لیے بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ قرآن کی تلاوت اس قدر اونچی ہونی چاہیے تاکہ آسانی کے ساتھ سنی جاسکے۔

یہ ان روایات کے علاوہ ہیں کہ جو اس کی تلاوت کو خاموشی کے ساتھ سننے اور اس کے حروف کو دیکھنے کے اجروثواب کو بیان کرتی ہیں۔ خواہ ایسی صورتیں دیکھ کر پڑھی جائیں کہ جو یاد ہوں۔ حتیٰ کہ اگر نماز میں بھی دیکھ کر قرات کی جائے۔۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ان کا بیان آنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قرآن کی تلاوت فرماتے تو اس کی گہرائیوں میں اتر جاتے۔ ایک دفعہ آپؐ نے مسلمانوں کے سامنے سورۃ الرحمن کی تلاوت کی تو وہ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے، پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے یہ سورت قوم جنات کے سامنے بھی تلاوت کی ہے اور وہ اسے تم سے اچھا سنتے ہیں۔

صحابہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! بھلا وہ کیسے؟!

آپؐ نے فرمایا: جب میں فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ پڑھتا تو وہ جواب میں کہتے: لا بشیءٍ من آلائك ربی اکذب اور جب ان کے سامنے یہ آیت: اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ پڑھی گئی تو انہوں نے کہا: بلی سبحانك اللھم،

اسی کتاب میں آگے چل کر بتایا جائے گا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس طرح قرآن کی تلاوت کرتے تھے کہ گویا آپؑ کسی سے مخاطب ہوں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نرم دل اور پاکیزہ طبیعت کے مالک جوان کے سامنے سورۃ الزمر کی تلاوت کی۔ جب آپؐ نے یہ آیات پڑھیں: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ ------ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ تو اس نے ایک چیخ بلند کی اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

اور جب سورۃ الدھر نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلاوت کی۔ اس وقت آپؐ کی محفل میں ایک سیاہ فام شخص بھی موجود تھا۔ جب اس نے اس سورت میں جنت کا ذکر سنا تو اس نے ایک لمبا سا سانس لیا اور اس کی روح پرواز کرگئی۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اس ساتھی کی جان جنت کے شوق سے نکلی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی خوبی بیان کرتے ہوئے رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے وہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا انکار کرتے ہیں تو یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (البقرہ)

قرآن کا اہتمام کرنے کی ضرورت

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ ہمیں قرآن کی تلاوت اور اس میں غور وتدبر کا اس قدر کیوں اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں ہم اوپر والی بحث کا ایک خلاصہ اور اس کے ساتھ کچھ دیگر نکات پیش کر رہے ہیں:

۱۔ یہ کتاب انسان کی انفرادی واجتماعی اور روحانی وجسمانی تمام بیماریوں کا شافی علاج ہے۔ جیسا کہ اس ضمن میں بعض احادیث آئندہ مباحث میں آنے والی ہیں۔

۲۔ جو انسان دنیا وآخرت میں سعادت اور کمال ابدی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اُسے بار بار راہنمائی کی احتیاج ہوتی ہے۔

۳۔ اس اہتمام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی اہل بیت اطہارؑ کی پاکیزہ سیرت پر عمل ہوتا ہے کہ جس کی پیروی کا حکم خداوند عالم نے دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

''بے شک تمہارے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں (پیروی کیلئے) بہترین نمونہ موجود ہے۔ ہر اس شخص کیلئے جو اللہ (کی بارگاہ میں حاضری) اور قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔'' (الاحزاب)

۴۔ قرآن انسان کے معبود ومحبوب مطلق کا پیغام ہے۔ لہٰذا اسے بار بار پڑھنے اور اس معانی ومطالب پر غور کرنے سے اس کا دل نہیں اُکتاتا۔ اِس لیے خدا انسان کا محبوب مطلق ہے۔ کیونکہ اس میں محبت کیے جانے کے تمام تر اسباب جمع ہیں۔

مثلاً اگر کوئی اپنے کسی سے اس کے حسن اور اس کے اچھی صفات کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو یہ چیزیں خداوند عالم کی ذات میں کامل واکمل طور پر موجود ہیں، اور اگر کوئی کسی کی مہربانیوں اور نوازشوں کی بنا پر اسے چاہتا ہے تو اس لحاظ سے بھی خدا کے فضل وکرم کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ حتیٰ کہ وہ دیتے وقت اپنی خلقت کے استحقاق

اوران کی نافرمانیوں کو بھی مدنظر نہیں رکھتا اور وہ جو اسے مانتے تک نہیں، انہیں ان گنت نعمتیں عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔'' (النحل:۱۸)

اسی مطلب کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں: ''قرآن خداوند عالم کا اپنی مخلوق کی طرف ایک ہدایت نامہ ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس ہدایت نامے کو دیکھے اور روزانہ اس میں (کم سے کم) پچاس آیتیں تلاوت کرے۔'' (اصول الکافی: کتاب فضل القرآن)

۵۔ اس کی باقاعدگی سے تلاوت اور اس کے مطالب میں غور وفکر کرنے پر انسان کو بے حساب اجر وثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس ضمن میں احادیث ذکر ہوں گی۔

۶۔ قرآن مجید ایک ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب ہے۔ یہ کسی زمان ومکان کے ساتھ مختص نہیں۔ لہذا اُس نے جن مسائل کا حل پیش کیا وہ محض اسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں اصول وضوابط کی روشنی میں آج کے مسائل ومشکلات کا حل معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔ لیکن یہاں فقط سمجھانے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ جیسے اسلام کے قبل زمانے کی جاہلیت کا آج کے جدید دور کی جاہلیت کے ساتھ قیاس کرنا۔ وغیرہ

حارث اعور سے نقل ہونے والی روایت بھی اسی معنی کو بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا تو لوگوں کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول پایا۔ پھر میں مولا علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کو لوگوں کی باتوں کے متعلق خبر دی۔ اس پر آپؑ نے فرمایا: کیا واقعاً لوگ یہ باتیں کرنے لگ گئے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! تب آپؑ نے فرمایا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب فتنے سر اٹھائیں گے تو میں نے آپؐ سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر ان سے بچنے کی راہ کیا ہوگی؟

آپؐ نے فرمایا:

''ان سے بچنے کی راہ صرف کتاب خدا ہوگی۔ اس میں تم سے پہلے لوگوں کا بھی ذکر ہے اور تمہارے بعد آنے والوں کا بھی۔ اس میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ بھی موجود ہے۔ یہ قول فصل ہے، کوئی لغو بات نہیں۔'' (المیزان: ۲۰/۲۶۲)

۷۔ اس اہتمام کا ایک مقصد کتاب خدا کے علوم ومعارف اور اس کے اسرار ورموز کو سمجھنا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ جو کہ حبر الامہ اور ترجمان القرآن ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرا اور تمام اصحابؓ کا علم مولا علی علیہ السلام کے

علم کے مقابلے میں ایسے ہے کہ جیسے کے دریا کے مقابلے میں قطرہ ہوتا ہے۔اور جب مولا علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپؑ کے پاس وحی کا کچھ حصہ ہے؟ تو آپؑ نے جواب دیا کہ اس خدا کی قسم کہ جس نے دانے کو شگاف ڈالا اور سوئی کو نکالا یہ صرف خداوند عالم کا اپنے بندے کو عطا کیا ہوا کتاب کا فہم ہے۔(المیزان: ۳/۷۱)

اس کتاب میں عقائد حقہ، اچھے اخلاق، شریعت مقدسہ اور بلاغت وحسن بیان ایسے ایسے نکات موجود ہیں کہ جو انسان کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔نیز اس میں اسرار خلقت اور اور کائنات کے ان عجائبات ورموز کا بھی بیان کیا گیا ہے جنہوں نے عقلاء زمانہ کو دنگ کیا ہوا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کوئی فزکس، کیمسٹری، فلکیات یا طب کی کتاب ہے، بلکہ یہ ہدایت واصلاح کی کتاب ہے۔اور اس میں ان علوم کے ذکر کیے جانے کا مقصد بھی صرف اس ہدایت کے سلسلے کی تقویت دینا ہے۔

۸۔اس سے انسان اس شکوہ سے بری الذمہ ہوتا ہے کہ جس کا ذکر ابتداء کتاب میں درج حدیث میں آیا ہے ۔اور جب قرآن کسی کی شکایت کرے تو وہ خدا کے یہاں رد نہیں ہوگی۔جیسا کہ سطور بالا میں مذکور حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ ایسا شکایت کرنے والا ہے جس کی بات مانی جائے گی۔جیسا کہ اس شکوہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہوا ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

''اور رسولؐ کہیں گے اے میرے پروردگار! میری قوم (امت) نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔''

۹۔اس عمل سے ہم قرآن مجید کی شفاعت کی مستحق ٹھہریں گے۔اور ہم سابقاً اس کی صفات میں جان چکے ہیں کہ یہ ایسا شفاعت کرنے والا ہے کہ اس کی سفارش رد نہیں ہوگی۔اسی طرح ایک دوسری حدیث میں اس کی شفاعت کی صفت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''روز قیامت قرآن مجید اپنے پڑھنے والے کی نصرت کرے گا۔اور بارگاہ ربوبیت میں عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! ہر عمل کرنے والے نے اپنے عمل کا اجر حاصل کرلیا ہے، سوائے مجھ پر عمل کرنے والے کے۔لہذا تو اس پر اپنی بہترین نوازش فرما۔''

تو خداوند عالم قرآن پڑھنے والے کو جنت کے قیمتی لباسوں میں سے دو لباس پہنائے گا۔اور اس کے سر پر کرامت کا تاج رکھ کر کہا جائے گا: کیا ہم نے قرآن کے بارے میں تجھے خوش کر دیا؟!

پھر قرآن کی آواز آئے گی: اے میرے اللہ! یہ اجر تو اُس سے کہیں زیادہ جو میں اِس شخص کو دلوانا چاہتا تھا۔

اس کے بعد اُس شخص دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور اس کا خلد بریں میں جانا آسان ہوجائے گا۔

پھر جب وہ جنت میں پہنچے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ ایک ایک آیت پڑھتے جاؤ اور ایک ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ اِس کے بعد قرآن سے کہا جائے گا: ہم نے اسے (خلدِ بریں میں) پہنچا دیا کیا اَب تم راضی ہو؟ قرآن کہے : جی میں راضی ہوں۔ (الوسائل: کتاب الصلاۃ)

اس کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت کے بہت سے فائدے ہیں کہ جو صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ ان فوائد سے غیر مسلم بھی بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ بہت سے نان مسلم مفکرین، سکالرز اور لیڈرز اس دستورِ الٰہی سے راہنمائی لیتے ہیں۔

یہاں تک جو قرآن کی تلاوت کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں اِس مقدس کتاب کی طرف راغب کرنے، اِس کی تلاوت و تفسیر سمجھنے اور اِس کی تدریس و ترویج کی اہمیت کو جاننے کے لیے کافی ہیں۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ اِس فرمانِ الٰہی کو دل و جان سے عزیز جانیں اور اِسے اپنی زندگی کا جزوِ لازم بنائیں۔ جن لوگوں پر میرا شرعی یا اخلاقی حق بنتا ہے۔ میں اُن پر واجب کرتا ہوں کہ وہ سال میں کم سے کم دو دفعہ قرآن کریم ختم کیا کریں۔ اگرچہ یہ مقدار بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ ایک آدھ تو ماہِ رمضان میں ہی بآسانی ہو جاتا ہے۔

اس کے اہتمام کے اسباب میں سے جو سبب سے اہم ترین ہے وہ معصومینؑ کی احادیث شریفہ ہیں کہ جو میں نے اس سلسلے میں جمع کی ہیں۔ ان کی تعداد چالیس سے اوپر ہے۔ اور یہ اسلاف صالحین کی اچھی روش ہے کہ وہ بھی بعض مخصوص موضوعات پر چالیس چالیس احادیث جمع فرمایا کرتے تھے۔ میں امید کرتا ہوں کہ خداوند عالم ان نیک و صالح علماء اور مجھ ناچیز کا شمار ان افراد میں کرے کہ جن کا ذکر جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں اس طرح کیا ہے:

من حفظ عنی من امتی اربعین حدیثا فی امر دینه یریدبه وجه الله عزوجل والدار الآخرة بعثه الله یوم القیامة فقیهاعالما (الخصال)

''میری اُمت کے جس فرد نے اپنے دین کے سلسلے میں مجھ سے چالیس حدیثیں یاد کیں اور اس سے اس کا ارادہ رضائے پروردگار اور آخرت کی بھلائی ہو۔ تو روز قیامت خدا اسے ایک فقیہ عالم کی حیثیت میں اٹھائے گا۔''

شرحِ صفات

اِس کتابِ مقدس نے اپنا تعارف بہت سے ناموں سے کرایا ہے۔ جو کہ مختلف سورتوں اور آیات میں موجود ہیں۔ جیسے: بیان وموعظہ، الکتاب، برہان، کتاب مبین، کتاب مبارک، خاموشی وتوجہ سے سنی جانے والی کتاب، امراضِ قلبی کی شفا اور سراپا ہدایت ورحمت، ہادی، بشیر ونذیر، اَحسن الحدیث، کتابِ عزیز، ذکرِ رحمن، بصائر، قابل غوروتدبر کتاب، قرآن مجید، آسان نصیحت، کتاب مقدس، ذکر اللہ، قول ثقیل، قول فصل، ہر عیب سے پاک، تبیان اور ذکر وغیرہ۔ مناسب لگتا ہے کہ ہم ان میں سے بعض صفات کی مختصر وضاحت کر دیں کہ جو اجتماعی اور اخلاقی حوالے سے ایک خاص تاثیر کی حامل ہیں۔ اور اس کا مقصد صرف قرآن کی معرفت نہیں، بلکہ اس میں اہل بیتؑ کی معرفت حاصل کرنا بھی شامل ہے۔ کہ جو قرآن کے ہم پلہ اور اسی کی طرح کی ایک ثقل ہیں۔

یہ دونوں ایسے ساتھی ہیں جو کبھی جدا نہ ہوں گے۔ پس قرآن حق بات کہتا ہے تو یہ بھی حق کے ساتھ ہوتے ہیں اور حق ان سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ باطل قرآن کے پاس پھٹک نہیں سکتا، تو یہ معصوم ہیں اور ان سے خطا کا امکان بھی نہیں ہوسکتا۔ قرآن لوگوں پر حکومت کرنے والا دستور ہے یہ ذوات مقدسہؑ اُن کے امام وسرپرست ہیں۔

مبارک

یہ کثیر البرکت کتا ہے۔ اور اس کی برکت کئی حوالوں سے ہے۔ جیسے کہ یہ محل صدور کے اعتبار سے مبارک ہے۔ کیونکہ یہ خداوند مہربان کی نازل کردہ ہے۔ یہ اپنے محل نزول کے اعتبار سے مبارک ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہے کہ جو سراپا رحمت وشفقت ہیں۔ یہ اپنے آثار کے حوالے سے مبارک ہے کہ اس میں درس ہدایت اور دنیا وآخرت دونوں کی سعادت کا ذکر ہوا ہے۔ نظام بشریت، اس کے استحکام اور اس کی بقاء کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اور سلامتی اور اطمینان کی راہیں بیان کی گئی ہیں۔

یہ اپنے حجم کے لحاظ سے بھی مبارک ہے۔ کیونکہ یہ ایک کتاب ہے اور ہر علم وفن کے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا چشمہ ہے جس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا۔ انسان چاہے اصولی ہو یا فقیہ، نحوی ہو یا ادیب، مفکر ہو مصلح، سیاسی ہو یا اجتماعی، اقتصادی ہو یا طبیب، مشرع ہو یا حاکم۔ اس کا مرجع ودلیل یہی کتاب مقدس ہے۔ یہی اس بات کی سب سے دلیل ہے کہ یہ کتاب خدا کی نازل کردہ ہے۔

عزیز

اس کا ادراک مشکل ہے۔ کیونکہ یہ ایک پوشیدہ کتاب میں ہے اور اس کے حقائق لوح محفوظ میں درج ہیں۔ یہ کلمات ان معانی کو ذہن انسانی کے قریب کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ جو مادیت کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ وہ خود ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان الفاظ کے واسطہ کے بغیر ان معانی تک اہل بیتؑ کی رسائی ہے کہ جنہیں خدا نے ہر طرح کی نجاست سے پاک رکھا اور انہیں کمال طہارت پر فائز کیا۔

گزشتہ صفحات میں آپ مولا امیر المومنینؑ کی یہ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ہم اس کتاب کے فہم کے علاوہ کوئی علم نہیں رکھتے۔

یہ کتاب عزیز ہے۔ یعنی اس جیسی کوئی اور کتاب نہیں ہوسکتی۔ اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ یہ ایسا کلام ہے کہ اسکی مثل کوئی کلام نہیں۔ اور اس کے عزیز ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہو۔ جیسا کہ اس آیت شریفہ میں آیا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴿۹﴾ ''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس کے عزیز ہونے کا ایک معنی اس کا قاہر و غالب ہونا اور سب پر حکمرانی کرنا ہے۔ یہ خدا کا کلمہ ہے، جو کہ سب سے بلند ہے اور لوگوں کے امور پر حاکمیت کلی و اختیار اتم رکھتا ہے۔ اس کے عزیز ہونے سے اس کا مطلوب ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ کہاوت مشہور ہے: ''ہر موجود سے اکتاہٹ ہوتی ہے اور ہر مفقود کی تلاش کی جاتی ہے۔'' اور یہ کتاب ہر اس کو مطلوب ہے کہ جو خدا تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مجید

راغب نے مفردات میں لکھا ہے: ''مجد'' عزت وجلالت کی وسعت کا نام ہے۔ قرآن کو بھی مجید کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہت سی دنیوی و اخروی خوبیوں کو شامل ہے۔ اسی لیے اسے ''کریم'' کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا فیض عمومی اور وسیع ہے۔ جیسا کہ ہم اس کی صفت ''مبارک'' کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

قیم

یہ کتاب بندگان خدا کی سرپرست و ذمہ دار ہے کہ انہیں بھلائی کا راستہ دکھائے اور انہیں دنیا و آخرت کی کامیابی و سعادت حاصل کرنے کے اسباب فراہم کرے۔ جیسا کہ ایک گھر یا معاشرے کے سربراہ کی ذمہ داری بھی یہی ہوتی ہے۔ اور قرآن کا منہج دوسرے تمام مناہج کا کفیل و نگران ہے، خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو، خواہ تشریعات سے۔ چنانچہ وہ ان سب پر مقدم ہے اور وہ اس کے تابع ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس زندگی میں سب سے بڑی قیادت

قرآن مجید کی ہے۔اگر انسانیت کو اپنی خیر وسعادت کی غرض ہو۔لیکن اگر وہ منہج قرآن سے دور ہو اور ناقص العقل لوگوں کے فیصلوں کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لیے سعادت کا حصول مشکل ہوتا ہے۔

اور قرآن مجید کی اس صفت کو بیان کرتے ہو کہا گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کجی، نقص، خرابی، خلل اور کمی موجود نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ''اور اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی ہے۔''

اِس سرپرستی اور قیادت کی شرط یہ ہے کہ کسی دوسرے کی اصلاح کا خیال سوچنے سے اپنی اصلاح ضروری ہے۔لیکن اگر وہ خود ہی ٹھیک نہ ہو تو وہ دوسرے کو کس طرح ٹھیک کرے گا؟! اسی لیے انسان کی قیادت وسرپرستی کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا ہو جس میں کوئی نقص وعیب نہ ہو۔اور اس معیار پر یا تو کتاب خدا پوری اترتی ہے ، یا پھر عترت رسولؐ۔یہی دو ثقلین ہیں کہ جو امامت وقیادت کا دعوی کرنے میں صادق ہیں اور ان کے علاوہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی امامت وولایت کا مدعی بنے ۔اس کے علاوہ اس باب میں کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں کہ جو کتاب وعترت کو باقی سب پر مقدم کرنے کو واجب سمجھتی ہیں۔

ضیقہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

''اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے زندگی کی تنگی بھی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا بھی محشور کریں گے۔'' (طہ)

قرآن کی اس صفت کا اظہار ہر اس پر ہوتا ہے جو یاد خدا سے دوری اختیار کرتا ہے، اور قرآن سے بے توجہی اختیار کرتا ہے۔ایسا انسان تنگی ومشکلات کی زندگی گزارتا ہے۔اور خدا کی وسیع رحمت سے نکل کر خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے۔لیکن موت کا ڈر اس کی خواہشات کے مزے کو بے کار کر دیتا ہے اور آخرت تو اس کا ویسے بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا۔پس جو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسے اس کے ختم ہو جانے کا کھٹکا رہتا ہے اس لیے وہ اس پر حریص ہوتا ہے۔اور اس کی لالچ اسے ان چیزوں کے جمع کرنے کی طرف راغب کرتی ہے کہ جو اس کے بس سے باہر ہوتی ہیں۔

لیکن وہ اس لالچ کے دھوکے میں آ کر بے سود کوشش کرتا ہے اور بلا وجہ اپنی مشکلات میں اضافہ کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ جب اس کے پاس بہت سارا روپیہ پیسہ جمع ہو جائے گا تو اسے سکون حاصل ہو جائے۔لہذا وہ رات دن ایک کر کے روپیہ جمع کرنے لگ جاتا ہے۔لیکن جب اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی اسے سکون قلب حاصل نہیں ہوتا تو وہ اپنی ساری محنت کو بے سود سمجھتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا سکون اور زندگی کا مزہ عورت کے ساتھ زندہ رہنے میں ہے ۔لیکن یہاں بھی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس سے بے زار ہوجاتا ہے، اور کسی جائے سکون کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔

انسان کی اسی فطرت پر طنز کرتے ہوئے اور اسی کی صحیح سمت راہنمائی کرتے ہوئے قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں ایک واقع بیان ہوا ہے۔جس میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب چاند کو روشن ومنور دیکھا تو وہاں کے لوگوں کو ہدایت کی غرض سے کہا: یہ چاند میرا رب ہے۔لیکن جب وہ چھپ گیا تو آپؑ نے کہا: یہ کیسا خدا ہے جو چھپ گیا ہے، ایسے خدا کو میں تو پسند نہیں کرتا۔کیا خبر جب میں اسے پکاروں تو میری مشکل کے وقت بھی یہ اسی طرح کہیں غائب ہوجائے؟!

پھر جب آپؑ نے سورج کو دیکھا تو کہا: میں اسے اپنا رب کہتا ہوں۔یہ چاند سے زیادہ روشن ہے۔ممکن ہے یہ مجھے اطمینان قلب عطا کرے۔لیکن جب سورج بھی غروب ہوگیا تو کہا: اوہ، یہ بھی چلا گیا۔ایسا رب تو کسی کام کا نہیں۔یہ تو بڑے کمزور وناقص ہیں۔انہیں اپنا نفع کا کچھ اختیار ہے نہ نقصان کا۔

پس ایسی صورت میں اگر کوئی حقیقت کی جستجو میں مخلص ہو تو وہ ہدایت حاصل کرلے گا اور جناب ابراہیمؑ کی طرح کہے گا:

اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴿۷۹﴾

''میرا رخ تمام تر اس خدا کی طرف ہے۔جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں باطل سے کنارہ کش ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' (الانعام)

اور اگر وہ طلب حق میں صادق نہ ہوا تو بدبختی اس کا مقدر ہی رہے گی اور وہ اس کی صورت یہ ہوگی:

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ؕ وَاللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ﴿۳۹﴾

''اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا۔ان کے اعمال اس ریت کے مانند ہیں۔جو چٹیل میدان میں ہو اور پیاسا اسے دیکھ کر پانی تصور کرے اور جب اس کے قریب پہنچے تو کچھ نہ پائے، بلکہ اس خدا کو پائے جو اس کا پورا پورا حساب کردے۔کہ اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔''

پس وہ اسی طرح شقاوت وبدبختی کا شکار رہتا ہے یہاں موت آکر اس کا قصہ تمام کردیتی ہے۔

نور

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ﴿۱۵﴾ یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

''تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔ جس کے ذریعہ خدا اپنی خوشنودی کا اتباع کرنے والوں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے۔ اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر اپنے حکم سے نور کی طرف لے آتا ہے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔'' (المائدہ)

یہ نور ہے اور جب کسی مومن کے دل میں جگمگاتا ہے تو گناہوں کی کثافت سے پاک کر دیتا ہے۔ اور اس کے صفحہ کو اس قدر جلا بخشتا ہے کہ وہ تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح یہ پوری اُمت اور اسلامی معاشرے کے لیے بھی نور ہے۔ اور اس کی راہنمائی ایسے نظام کی طرف کرتا ہے کہ جو اس کی سعادت کا ضامن ہوتا ہے۔

یہ ایک لطیف قرآنی تعبیر ہے کہ اس میں نور کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے اور جبکہ ظلمات کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نور، حق کا راستہ ہے جو ایک ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے مصادیق زیادہ ہی ہوں۔

اور ظلمات بہت سے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا سے روکنے کے باطل خدا بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

قرآن کے آثار و برکات میں سے یہ ہے کہ رضائے رب کے متلاشی کو سلامتی کی راہوں پر لگاتا ہے۔ اور پہلی سلامتی جو خدا کا انعام ہے وہ سلامتی نفس، اطمینان قلب اور ذہن کا صاف ہونا ہے۔ اور یہ چیزیں سوائے یاد خدا کے اور کہیں نہیں مل سکتیں۔ اور اس کے بعد کی سلامتی سے مراد گھر اور خاندان کی سلامتی ہے کہ اسلام اور تعلیمات قرآن کی اساس پر قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت (نرم دلی و ہمدردی) پیدا کر دی۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت نشانیاں ہیں۔''

اس کے بعد تمام افراد معاشرہ کی سلامتی کی سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ جس میں اسلامی آداب کی حکمرانی ہو۔ اور وہ سب خدا کے فضل سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جائیں۔ ان کا رویہ کافروں کے ساتھ سخت ہو مگر آپس میں نہایت ہی شفیق و رحم دل ہوں۔ اور وہ اپنی ضرورت کے باوجود بھی دوسروں کو خود پر ترجیح دیں۔

قولِ ثقیل

یہاں ثقل کا معنی وہی ہے جو لفظ قول سے متعلق ہے، یا اس سے لفظ ثقیل ہے۔ غرض اس کا معنی جو بھی ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نفس پر گراں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے۔ لیکن اسے تنگی وصعوبت پر محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ اس کی تہذیب واصلاح کرتا ہے اور ٹھیک سمت کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

اس کے ثقیل ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ ایسے دقائق واسرار پر مشتمل ہے کہ جو لوگوں کی عقل پر گراں ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ روح پر بھی ثقیل و بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کافی مشکل وگراں تکالیف کا ذکر ہوا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورہ ہود اور سورہ واقعہ نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ اس (ہود) میں آیا ہے: فاستقم کما امرت، آیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ خوب جانتے تھے کہ یہ امر کس قدر سخت ہے۔

اور اس کے ثقیل ہونے منشا اس کا خداوند عظیم کی طرف سے صادر ہونا ہے۔ اسی لیے کتب سیر میں دوران وحی آپؐ کی حالت کے تبدیل ہونے کے متعلق ذکر ہوا ہے۔ اس کے علاوہ خود خداوند عالم نے بھی اس کے ثقیل وگراں ہونے کا اس طرح بیان فرمایا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے۔ تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے جھک جاتا، اور پاش پاش ہو جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم اس لئے لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (الحشر)

اور یہ اس لیے بھی ثقیل وگراں ہے کہ اس کے حامل اور معاشرے میں اسے رائج کرنے والے کو سختیوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

''الف، لام، میم، ص۔

یہ ایک کتاب ہے جو آپؐ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ لہٰذا تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہیں ہونا چاہیے۔ (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے) تا کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو خدا کے عذاب سے) ڈرائیں اور اہلِ ایمان کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہو۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو قیام اللیل اور خدا سے گہرا ربط بنانے کا حکم دیا گیا۔ تا کہ آپؐ اس قول ثقیل کو حاصل کرنے اور اس عظیم ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کے لیے مستعد ہو جائیں۔ جیسا کہ خدا نے اس عبادت

وربط کے نتیجے میں آپؐ ان نتائج کے حصول کا وعدہ دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

''اور رات کے کچھ حصہ (پچھلے پہر) میں قرآن کے ساتھ بیدار رہیں (نمازِ تہجد پڑھیں) یہ آپ کے لئے اضافہ ہے۔ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔''

موعظہ، شفا، ہدایت اور رحمت

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (قرآن کی شکل میں) پند وموعظہ، دلوں کی بیماریوں کی شفا اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت ورحمت کا مجموعہ آ گیا ہے۔'' (یونس)

سید طباطبائی قدس سرہٗ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام راغب کہتے ہیں کہ وعظ سے مراد ایسی تنبیہ ہے جو خوف دلائے جانے سے متصل ہوتی ہے۔ جبکہ خلیل نحوی کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اچھائی کی طرف متوجہ کرنا اور اس کی یاد دہانی کرانا ہے، جس سے دل نرم ہوتا ہے اور سینے کو شفا ملتی ہے۔ اور اس سے مراد انسان کے اندر سے خبیث روحی صفات کا خاتمہ ہے کہ جو اسے شقاوت و بدبختی کی طرف لے کر جاتی ہیں۔ اور اس کی سعادت کو سلب کر کے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائیوں سے محروم کر دیتی ہیں۔

یہاں صدر یعنی سینے کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ لوگ اسے دل کے اسرار کا خزانہ اور انسان کی باطنی صفات کا مرکز سمجھتے ہی۔ جو اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔

میں کہتا ہوں کہ احادیث کی رو سے قرآن شفا بخش ہے، حتی کہ امراض بدنی کے لیے بھی، حتی کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ اگر کسی مردے پر ستر مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے تو تعجب نہیں کہ وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔

''رحمت'' سے مراد ایک خاص قسم کا احساس ہے جو انسان کے دل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ کسی کو مشکل یا تنگی میں دیکھتا ہے۔ پھر وہ احساس اُسے مصیبت زدہ کی مدد کرنے پر ابھارتا ہے۔ لیکن جب اس کی نسبت خداوند متعال کی طرف ہوگی تو یہ ایسے نتیجہ کے معنی میں ہوگا جو کسی اَثر واحساس پر موقوف نہ ہو۔ کیونکہ خدا کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ لہذا اس کا اطلاق خدا کے فیضِ مطلق اور اُس کی عطا پر ہوگا۔

اِن اَسماء کی صرف یہ ایک ایک ہی توجیہ نہیں کہ جو یہاں ذکر ہوئی ہیں۔ بلکہ اِن کی اور بھی بہت سی توجیہات ممکن ہیں۔ اور یہ تو واضح ہے کہ جب اِن اَسماء کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اِن معانی وہ نہیں ہوتے کہ جو مخلوق کی

طرف نسبت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

پس جب آپ اس آیت میں مذکور صفات کو ایک دوسرے سے ملائیں گے۔تو آپ پر واضح ہوگا کہ یہ آیت قرآن کے پاک و پاکیزہ اثر اور اس کے طیب وطاہر عمل کو بیان کرنے میں نہایت جامع آیت ہے۔کہ جو جیسے ہی مومنوں کی سماعتوں کے ساتھ ٹکراتا ہے تو ان کے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے کبھی بھی محو نہیں ہوتا۔

قرآن اپنے ابتدائی مرحلے میں دیکھتا ہے کہ وہ لوگ غفلت کے سمندر میں غرق اور حیرت وسراسیمگی کی حالت میں ہوتے ہیں ۔شک وریب کی نحوست سے ان کا باطن بالکل تاریک ہوتا ہے ، ان کا دل شہوتوں اور من مانیوں کا عادی ہوتا ہے اور ان میں اچھی صفات بہت کم ہوتی ہیں۔پھر یہ انہیں وعظ ونصیحت کرتا ہے،خواب غفلت سے جگاتا ہے، بد باطنی اور برے اعمال سے روکتا ہے اور خیر وسعادت کی جانب ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

پھر آہستہ آہستہ وہ ان کے باطن کو بری صفات سے پاک کرتا رہتا ہے اور ایک ایک کر کے ان کی عقل کی آفتوں اور دل کی بیماریوں کا تدارک کرتا رہتا ہے ۔ یہاں تک کہ وہ انسان کے باطن کی اصلاح میں مکمل طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جس میں وہ انسان کی معارف حقیقیہ،اچھے اخلاق اور اعمال صالحہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اسے اس کی طرف راغب کرتا ہے۔یوں وہ اسے درجہ بدرجہ اوپر لے کر جاتا ہے،اور بالآخر وہ خدا کے یہاں مقرب اور اس کے مخلص بندوں کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔پھر وہ انہیں اپنے رحمت پردے میں ڈھانپ کر عزت وشان والے مقام کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انہیں انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالح لوگوں کی رفاقت میں پہنچا دیتا ہے۔اور ایسے لوگوں کی رفاقت کیا اچھی ہے!خلاصہ یہ کہ قرآن کریم ایک بہترین واعظ ،امراض قلبی کی شفا،راہ راست کا ہادی اور خدا کے اذن سے اس کی رحمت کا فیض پہنچانے والا ہے۔پس یہ اپنے بیان سے نصیحت کرتا ہے،دل کی بیماریوں کو دور کرتا ہے اور خود ہی ہدایت ورحمت کو عام کرتا ہے۔ ایک ایسا سبب ہے جو خدا کو اس کی مخلوق کے ساتھ ملاتا ہے۔

قرآن کے زیر سایہ زندگی

میں نے قرآن کے زیر سایہ زندگی کا تجربہ کیا اس کے ساتھ اپنی جوانی کی کئی بہاریں گزاریں۔ میں ہر سال میں اسے بیس سے پچیس مرتبہ ختم کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کلام الٰہی میرے رگ و پے میں سما گیا اور میری فکر و زبان حتی کہ میرے دل پر بھی اس کا اثر بیٹھ گیا۔ میں نے اس عرصے میں **المیزان** اور **فی ظلال القرآن** جیسی دو عظیم الشان تفسیروں سے بھی استفادہ کیا۔ واقعا یہ دونوں تفسیریں اپنے اپنے مفسرین کی علمیت کی بہت بڑی دلیل ہیں۔ میں نے انہیں مکمل طور پر پڑھا اور ان کے دونوں بزرگوں کے افکار کو اپنے قلب و روح میں سمویا۔

میں نے قرآن میں دیکھا، جیسا کہ اس سے وابستہ رہنے والا ہر فرد بھی دیکھتا ہے کہ اس کی آیات میں خدا نے اپنی عظمت کا جلوہ دکھایا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ساری زمین اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ساتوں آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ ہر طرح کی عزت و قوت کا مالک وہی ہے، اسی کی بادشاہی ہے، وہی زمین اور اہل زمین کا وارث ہے اور بندوں نے اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ رگ جان سے قریب ہے، اور وہ آدمی اور اس کے دل کے مابین حائل ہو جاتا ہے۔ اور وہی ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔ پس حامل قرآن کی نظر خدا ہی خدا ہوتا ہے اور اسے اس کے جلووں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ پھر وہ نہ تو اونچے ستونوں کی والی قوم ارم کو کسی خاطر میں لاتا ہے، نہ میخوں والے فرعون کو اور نہ ہی قارون ایسے جابر و سرکش کو۔ جس کے خزانوں کی کنجیاں کئی زور آور افراد کی جماعت پر بھی گراں تھیں۔ ایسے ہی لوگوں کی مثال بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور سرپرست اور کارساز بنا لئے ہیں۔ ان کی مثال مکڑی جیسی ہے، جس نے (جالے کا) ایک گھر بنایا۔ اور یقیناً تمام گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش لوگ (یہ حقیقت) جانتے!'' (العنکبوت)

جبکہ حامل قرآن کی طاقت خدا کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ اس لیے وہ کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا۔ بلکہ جو خدا سے ڈرے، وہ دوسروں کے دل میں اسکا رعب بٹھا دیتا ہے۔

پھر یہ بڑی بڑی طاقتیں جن کا جادو ہر کسی پر چھایا ہوتا ہے، اور جو سب کچھ کرنے پر قادر ہوتی ہیں، وہ اسے گرتے اور زوال پذیر ہوتے دکھائی دیتی ہیں۔ اور اس کو بغیر کسی جنگ و جدال کے ان کی اس طرح تحلیل ہوتی نظر آتی ہے، جیسے پانی میں نمک حل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل میں آیا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

''جولوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوتِ حق کے خلاف) مکاریاں کی تھیں۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (مکاریوں والی) عمارت بنیاد سے اکھیڑ دی۔اور اس کی چھت اوپر سے ان پر آپڑی۔اور ان پر اس طرف سے عذاب آیا جدھر سے ان کو وہم وگمان نہ تھا۔

پھر قیامت کے دن وہ (اللہ) انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور کہے گا کہ (بتاؤ) کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم (اہلِ حق سے) لڑائی جھگڑا کرتے تھے؟ (اس وقت) وہ لوگ کہیں گے جن کو (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا کہ آج کے دن رسوائی اور برائی ان کافروں کے لئے ہے۔'' (النحل)

اس میں خدا نے مومنوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور انہیں اطمینان دلایا کہ اخروی نجات انہی کا حصہ ہے۔لیکن اس کے لیے پہلے انہیں سختیوں اور لرزا دینے کی تکالیف کا سامنا کرنا ہوگا۔حتیٰ کہ رسولؑ اور صاحبان ایمان اللہ کی نصرت کی دعا کریں گے اور ان دہلا دینے والی مصیبتوں سے خدا کی پناہ مانگیں گے۔یہ آزمائش اس لیے ضروری ہے تا کہ مخلص ایمان والے فقط زبانی کلامی دعوے داروں سے الگ ہو جائیں۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

''الف۔لام۔میم۔کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے (زبانی) کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائیگی؟ حالانکہ ہم نے ان (سب) کی آزمائش کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔سو اللہ ضرور معلوم کرے گا ان کو جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی معلوم کرے گا جو جھوٹے ہیں۔'' (العنکبوت)

اس طرح مومن اپنے دل سے مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔جیسا کہ خدا کا اپنے کے ساتھ معروف دستور بھی یہی ہے۔لہذا اسے چاہیے کہ وہ ان مقامات پر ثابت قدمی دکھائے،اور یہ خیال کرتے ہوئے انہیں کچھ نہ جانے کہ یہ سب خدا سے پوشیدہ نہیں۔جیسا کہ ارشاد رب العباد ہے: فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا'' کچھ شک نہیں کہ آپؐ ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔'' (سورۃ طور:۴۸)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''یہ اس لیے ہے کہ ان (مجاہدین) کو راہ خدا میں (جو بھی مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ خواہ) پیاس ہو، جسمانی زحمت ومشقت ہو، بھوک ہو۔ یا کسی ایسے راستہ پر چلنا جو کافروں کے غم وغصہ کا باعث ہو یا دشمن کے مقابلہ میں کوئی کامیابی حاصل کرنا مگر یہ کہ ان تمام تکلیفوں کے عوض ان کے لیے ان کے نامۂ اعمال میں نیک عمل لکھا جاتا ہے یقینا اللہ نیکوکاروں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا۔''

اس میں ایمان کی بلندی کا ایسا بیان ملتا ہے جس سے مومن کا دل شاد ومسرور ہوتا ہے۔ نیز اس میں نوع انسانی کی کامیابی کے زریں اصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔ کہ جو باطل تمناؤں اور بے مقصد خواہشوں کے حصول میں اپنا وقت ضائع کرتی رہتی ہے۔ شیطان نے ان کے اعمال بد کو ان کی نظروں میں سجا دیا ہے۔ یہ ایسی چیزوں کے بارے جھگڑتے ہیں جس کا انہیں فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ انہوں نے اپنے خدا بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ اور ان پر نہ صرف حیوانوں، بلکہ انسانوں کو قربان کرنے سے باز نہیں آتے۔

حامل قرآن دیکھتا ہے کہ اس میدان میں رسول اللہ ﷺ اکیلے نہ تھے کہ آپؐ کو کمزوری یا تنہائی کا احساس ہوتا۔ اور نہ ہی جن مشکلات کا آپؐ کو سامنا تھا، وہ اس سے پہلے کسی نہ دیکھی تھیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''آپؐ کہہ دیجئے کہ رسولوںؑ میں سے میں کوئی انوکھا نہیں ہوں۔ اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔ اور میں نہیں ہوں مگر کھلا ہوا ڈرانے والا۔''

اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ سے پہلے بھی انبیاء کرامؑ اور خاصانِ خدا کو ایسے مسائل سے سابقہ پڑا اور انہوں نے کمال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنی قوموں کی اصلاح کی کوششیں کرتے رہے۔ ہر چند کہ ان میں سے کچھ ہی لوگوں نے ہدایت پائی، لیکن ان کی اکثریت اپنے فسق وگناہ پر قائم رہی۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی جانوں کی فکر کرو۔ جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو (راہِ راست پر ہو۔) تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے تھے؟۔''

اس کتاب میں خداوند متعال نے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور اس سے براہ راست مخاطب ہوا ہے ۔اور اس سے بڑھ کر فضیلت ہو بھی کیا سکتی ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق اللہ انسان کو مخاطب کرے اور اس کی عزت و کرامت کے بارے میں بیان کرے؟! جیسا کہ وہ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

''اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت و بزرگی دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا۔ (سواریاں دیں) پاک و پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور انہیں اپنی مخلوقات پر (جو بہت ہیں) فضیلت دی۔

دیکھیے کہ انسان کے لیے وہ لمحات کس قدر حسین اور قابل رشک ہوتے ہیں کہ جب وہ اپنے محبوب کے کلام کو دیکھتا اور پڑھتا ہے۔

اس میں یہ بیان موجود ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک خاص اندازے اور حساب کی پابند ہے۔جیسا کہ سورۃ القمر میں آیا ہے: اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ ''بے شک ہم نے ہر چیز کو خاص اندازہ سے پیدا کیا ہے۔ ''سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ''اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معیّن مقدار میں۔'' سورۃ الانبیاء کی آیت ۴۷ میں آیا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ''ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے میزان (ترازو) قائم کردیں گے۔''

پس تمام مخلوقات خدا کے قوانین اور اس کے طے کردہ دستور کی پابند ہیں ۔جیسے وہ فرماتا ہے: وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ''اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں پر چلائے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔'' (سورۃ النساء:۲۶) اسی طرح انعام میں اس کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

''کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں ہے مگر تمہاری ہی طرح مختلف اقسام اور گروہ ہیں ہم نے کتاب میں کوئی کمی و کوتاہی نہیں کی ہے پھر وہ سب کے سب اپنے رب کے پاس محشور (جمع) کئے جائیں گے۔''

بنابریں کسی کے بس میں نہیں کہ وہ خدا طے شدہ طریقے وسنت سے نکل جائے ، کیونکہ اس کی سنت ایسی محکم ہے کہ اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔جیسا کہ سورہ فاطر میں اس کا ارشاد ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

''اور خدا کا طریقہ کار بھی نہ بدلنے والا ہے اور نہ اس میں کسی طرح کا تغیر ہو سکتا ہے۔''

پس جب انسان خدا کے قانون اور اس کی قدرت سے فرار نہیں کر سکتا تو وہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتا ہے۔ یہاں لہو و بے مقصد باتوں کی تو کوئی گنجائش نہیں بنتی ۔جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ ''خدایا تو نے یہ سب بے کار نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک و بے نیاز ہے۔''

سورۃ الذاریات میں آیا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ''اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ ''اگر ہم کوئی دل بستگی کا سامان چاہتے تو اپنے پاس سے ہی کر لیتے ۔مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔''

ان آیات میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوئی، بلکہ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی ہدف ضرور ہے۔ جس کا پورا کرنا لازم ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اس الٰہی ہدف کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن سعی کرے۔ اس کتاب میں خدا کی نصرت کا وعدہ بھی موجود ہے اور اس کی جانب سے آنے والی غیبی امداد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ فصلت میں ارشاد رب العباد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر قائم اور ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (ان سے کہتے ہیں کہ) تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ اور اس جنت کی بشارت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم زندگانیٔ دنیا میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جو تمہارے دل چاہیں گے اور اس میں ہر چیز موجود ہے جو تم طلب کرو گے۔ (یہ سب کچھ) غفور و رحیم پروردگار کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہے۔ اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل بجا لائے اور کہے کہ میں مسلمانوں (خدا کے فرماں بردار بندوں) میں سے ہوں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو مومنوں پر خدا کی تائید و تسکین کے نزول کو بیان کرتی ہیں۔

اسی قرآن کی پناہ میں انسان کو سکون و اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''خبردار کہ خدا کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔''(۲۸)

جب حامل قرآن کو یہ سب فیوضات الہیہ مل جاتے ہیں تو اس کا دل قوی اور اس کا عزم مضبوط ہوجاتا ہے۔اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہےاوروہ اپنی ذات اوراپنے معاشرے کے لیے خیروخوبی کا مرکز بن جاتا ہے۔جیسا کہ مصلحین کی شان بھی یہی ہوتی ہے کہ جن کے سر کے تاج جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولا علی امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

حوزہ علمیہ کی ذمہ داری

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی پہلی ذمہ داری حوزہ پر آتی ہے۔اس کی ترویج کے سلسلے میں حوزے کے علماء،فضلاء اور طلباء کا کردار نہایت ہی ناگزیر ہے۔کیونکہ کوئی معاشرہ اسی صورت میں اصلاح کی طرف جاسکتا ہے کہ جب اس کے دینی مراکزِ اصلاح کے خواہاں اوراس کے لیے کوشاں ہوں۔ورنہ بصورت دیگر معاشرے کی خرابی کا پہلا ذمہ دار وہاں کا دینی ادارہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشادفرمایا:میرے اُمت کے دواصناف ایسی ہیں کہ جب تک وہ صحیح رہیں گی توپوری اُمت صحیح رہے گی ۔اوراگراگران کی حالت خراب ہوگئی توپوری اُمت کی حالت بگڑ جائے گی۔

پوچھا گیا: یارسول اللہؐ!وہ کون سی اصناف ہیں؟ فرمایا:فقہاء اورامراء۔(الخصال:باب الاثنین)

ایک دفعہ میں نے طلبائے کرام کونصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ واقعاً قرآن کا ہمارے درسی امور سے غائب ہونا نہایت ہی افسوس ناک امر ہے۔ان کی اس طرح ترتیب بندی کی گئی ہے کہ شروع سے آخر تک طالب علم کو گہرائی کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔وہ قرآنی آیات کو محض کسی نحوی یا فقہی استدلال کی حد تک سمجھتا ہے۔یعنی وہ عقلی پیچیدگیوں کا حل تو سیکھ لیتا ہے مگر اپنے قلب وروح کو اس کی غذا فراہم نہیں کر پاتا۔اور بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ حوزہ کا طالب علم فقہ واصول کی سطوح عالیہ تک تو پہنچ جاتا ہے۔مگر اپنی زندگی قرآن کے طریقہ کے مطابق نہیں ڈھال سکتا۔وہ ہفتہ ہفتہ قرآن سے دور رہتا ہے اوراسے چند آیات کی بھی تلاوت اوران غور وفکر کا موقع نہیں ملتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روحانی طور پر قرآن کے ساتھ اس قدر مربوط ہی نہیں ہوتا کہ وہ اسے وقت دے۔یہ ہمارے معاشرہ کا بہت بڑا المیہ ہے۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دینی اِداروں میں کچھ ایسے طالب علم بھی نظر آتے ہیں جو ٹھیک طریقے سے قرآن پڑھنا بھی نہیں جانتے۔اگر ہم دین سے وابستہ افراد اپنے معاشرے کی اصلاح اوراسے خدا کے قریب کرنا چاہتے ہیں۔تو ہم پر لازم ہے کہ قرآن فہمی پر توجہ دیں اوراپنے لوگوں کو اِس کا عادی

بنائیں۔ کیونکہ اُمت کی کامیابی کا راز ہی قرآن کے ساتھ جڑ جانا ہے۔ جیسا کہ حدیث ثقلین میں بھی اس اَمر کی تاکید کی گئی ہے۔

دورِ جدید کی جاہلیت

آج نوع انسانی کو دورِ جدید کی جاہلیت کا سامنا ہے۔ اور اس کا مفہوم بھی وہی ہے کہ جو قرآن نے آمد اسلام سے پہلے کی جاہلیت کا بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ کوئی ایسا خاص عرصہ وقت نہ تھا کہ جو اسلام کی آمد سے ختم ہو گیا۔ بلکہ اس سے مراد معاشرے کی وہ حالت یعنی شریعت الٰہیہ سے روگردانی ہے کہ جو اسے درپیش تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰

''کیا وہ دورِ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ حالانکہ یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟''

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عورتوں کو بے پردگی کی حالت میں نکلنے کی صورت میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ''اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور سابقہ زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنی آرائش کی نمائش نہ کرتی پھرو (باہر نہ نکلا کرو)''

اس آیت میں گویا یہ بات سمجھائی جا رہی ہے تعیش بشریت بھی ایک قسم کی جاہلیت ہے۔ بلکہ آج کل کے دور میں تو یہ بالکل اسلام سے پہلے والی جاہلیت کی طرح ہو گئی ہے۔ طاقتور کمزور پر ظلم کر رہا ہے، فحاشی کو حلال سمجھا جا رہا ہے، مرد، مردوں کے ساتھ بدفعلی کر رہے اور زنا و بدکاری کی وجہ سے ایڈز جیسی نحوستوں نے پورے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ ناپ تول میں کمی کی جا رہی ہے اور پوری دنیا میں کہیں انصاف کا ترازو قائم نظر نہیں آتا۔ جاہلوں اور بے دینوں کو امام و پیشوا بنایا جا رہا ہے۔ جو اپنی من پسند باتوں کو لوگوں کے دین میں شامل کرتے ہیں اور حلال و حرام کے مابین فرق نہیں کرتے۔

لوگ اب صرف پتھر کے بتوں کی پرستش تک ہی محدود نہیں، بلکہ انہوں نے کئی ایک خدا بنا رکھے ہیں۔ جن کی صبح و شام پوجا کرتے ہیں۔ گویا قرآن کی یہ آیت اب عملی صورت میں ظاہر ہو چکی ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷

''(شیطان نے) کہا: چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو اب میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا۔

پھر میں ان کے آگے کی طرف سے اور ان کے پیچھے کی جانب سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی

بائیں طرف سے آؤں گا (اور انہیں ورغلاؤں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کہ جو ایمان والوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور اس میں خواہ مخواہ کے کیڑے نکال کر لوگوں کے ایمان کو ضائع اور ان کے اعمال کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح جگہ جگہ فحاشی و عریانی کے اڈے کھلے ہوئے ہیں، وہاں فن کاروں پر پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ سوائے اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی اقدار کے زوال کے سوا کچھ نہیں ۔(**نعوذباللہ**)

مذکورہ تمام صفات جاہلیت کے زمرے میں آتی ہیں۔ اور یہ ہر زمان و مکان میں موجود ہوتی ہیں۔ یہ قرآنی مفاہیم میں سے ایک مفہوم ہے جس کا سمجھنا اور اچھی طرح دماغ میں بٹھانا لازم ہے۔ ہم اس کو مزید واضح کرنے کے لیے اسلام سے پہلے والی جاہلیت اور زمانہ حاضر کی جاہلیت مختصر سا تقابل پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اپنے وہ اہداف بیان کرتے ہیں کہ جن کے لیے آپ کو یہ زحمت دی جا رہی ہے۔ تو وہ یہ ہیں:

۱۔ قرآنی مفاہیم و اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھنا اور ان کے حقیقی معانی کا ارادہ کرنا۔ تاکہ ان کے فہم جہاں بھی کوتاہی ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔

۲۔ قرآن کی رجوع کی ضرورت کو واضح کرنا۔ یعنی اب جبکہ ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نوع بشر سابقہ جاہلیت کی طرف پلٹ چکی ہے۔ لہذا یہ اسلام کی حقیقی روح کو اسی صورت میں پا سکتی ہے کہ یہ قرآن کی طرف رجوع کرے۔

۳۔ نظریہ مہدویت کو تقویت دینا اور اس پر عملی دلیل قائم کرنا۔

کیونکہ اب جبکہ ہمارے معاشرے میں زمانہ جاہلیت والے اطوار عام ہو چکے ہیں۔ اس لیے فقط قرآن ہمیں اس ناسور سے نجات نہیں دلا سکتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسے حامل قرآن اور الٰہی نمائندے کا ہونا بھی ضروری ہے کہ جو اس کی تعلیمات کی مجسم صورت ہو۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانے میں تھے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس ہستی میں سوائے دعوائے نبوت کے آپؐ کی تمام تر صفات موجود ہوں۔ اور یہ بات آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہے کہ اگر ان صفات کی حامل کوئی ذات ہو سکتی ہے تو وہ حضرت حجۃ ابن الحسن امام مہدی عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْف کی ذات ہی ہے۔ اور یہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ آپؑ کے ظہور کے قریب کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس کی مزید اس موضوع سے متعلقہ مقامات پر دیکھی جا سکتی ہے۔

قرآن اور حوزہ

یہاں میں صرف ایک حدیث پیش کرنے لگا ہوں کہ جو ہمیں بتاتی ہے کہ معاشرے کی راہنمائی کے سلسلے میں حوزہ دینیہ کی ذمہ داری کیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک روز آپؐ نے خطبہ دیا۔ سب سے پہلے آپؐ نے خدا کی حمد وثنا کی، اس بعد کچھ مسلمان گروہوں کا ذکر کیا اور ان کی تعریف کی۔ پھر فرمایا:

''اُن لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں کو تعلیم نہیں دیتے اور انہیں عقل وشعور نہیں دلاتے؟ اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے انہیں اپنے ہمسایوں کو تعلیم دینا ہوگی اور انہیں عاقل وبابصیرت بنانا ہوگا، ورنہ میں ان کے لیے اس دنیا میں ہی عذاب کی دعا کر دوں گا۔''

اس کے بعد آپ منبر سے نیچے اترے اور اپنے گھر چلے گئے۔

اس پر اصحابؓ ایک دوسرے سے کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ کن لوگوں کی طرف تھا؟ تو جواب ملا کہ جہاں تک ہمیں سمجھ آتا ہے۔ آپؐ کا اِشارہ اشعری قبیلہ کے اہل علم کی طرف تھا۔ انہی کے ہمسائے جفا کار وجاہل ہیں۔

جب یہ خبر اشعری علماء کو ملی۔ تو وہ جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی: کیا وجہ ہے کہ آپؐ نے دیگر مسلمان گروہوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ کیا مگر ہمیں اچھے لفظوں میں یاد نہ کیا؟! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں اپنے ہمسایوں کو علم وفہم دینا ہوگا اور انہیں امر ونہی کرنا ہوگا، ورنہ میں اس دنیا میں ہی تمہارے لیے عذاب کی دعا کروں گا۔

انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہمیں ایک سال کی مہلت دیں، ایک سال کے اندر اندر ہم انہیں تعلیم دیں گے اور وہ سیکھ جائیں گے۔

اس پر آپؐ نے انہیں ایک سال کی مہلت دی اور اس کے بعد یہ آیات تلاوت فرمائیں:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ ان پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ جو برائی وہ کرتے تھے۔ اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ کیسا برا تھا۔ وہ کام جو وہ کرتے تھے۔'' (المائدہ)

اب یہاں اس بیان کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ساری کی ساری ذمہ داری حوزہ دینیہ کی ہے اور باقی معاشرہ آزاد

ہے۔ بلکہ یہاں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر چہ اس کی ذمہ داری معاشرے کے ہر ہر فرد پر ہے۔لیکن دین سے وابستہ لوگوں کا فرض دوسروں کی نسبت سخت ہے۔ میں اپنے ہر مسلمان بھائی کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ہر نئے دن کا آغاز تلاوت قرآن سے کرے۔ اور اس کے لیے ترجمہ شدہ نسخے کو اپنے پیش نظر رکھے۔ تا کہ وہ سمجھ سکے کہ قرآن کہنا کیا چاہتا ہے اور اس میں انسان کو کیونکر مخاطب کیا گیا ہے۔ پس جب وہ اس انداز سے دو چار دفعہ قرآن ختم کرلے گا تو وہ اس کتاب ہدایت کے دروس سے کافی حد تک فیض یاب ہو جائے گا۔

تلاوت کے آداب اور مستحبات

اب میں تلاوت کلام الٰہی کے بعض آداب و مستحب امور کو ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو روایات شریفہ سے مستفاد ہوتے ہیں۔

۱۔ ہر ماہ میں پورا قرآن ایک دفعہ ختم کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ ایک ختم میں چار ماہ سے زائد عرصہ نہ لگے۔ یعنی ایک سال میں چار دفعہ ختم کرے، اور ماہ رمضان جو پڑھا جائے وہ اس کے علاوہ ہو۔

۲۔ قرآن کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھنا چاہیے۔ یعنی ایسا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ صرف درمیان سے اس کی کوئی سورت تلاوت کر لی جائے، خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو۔ یہ اس لیے تا کہ انسان اس کلام پاک کو مکمل طور پر تلاوت کرلے اور اس کی برکتوں سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ اور اسی حالت کو الحال المرتحل کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریفہ میں آرہا ہے۔

۳۔ انسان اپنا ختم قرآن جمعہ کے روز مکمل کرے اور اس کے بعد امام علی زین العابدینؑ کی دعاء ختم القرآن تلاوت کرے۔ جو کہ صحیفہ سجادیہ میں موجود ہے۔

۴۔ جیسے ہی قرآن کا ختم پورا ہو تو انسان دوسرا ختم شروع کر دے، اگر چہ سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات ہی تلاوت کرلے۔

۵۔ انسان باوضو ہو اور جائے نماز پر بیٹھ کر اور قبلہ رخ ہو کر تلاوت کرے۔

۶۔ سورہ آل عمران کی آخری آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ مرابطین کا ایک مصداق وہ شخص بھی ہے کہ جو فرض نماز کے وقت سے پہلے جا کر مسجد میں بیٹھ جائے اور وقت داخل ہونے کا انتظار کرے اور تلاوت قرآن کرے۔ لیکن اگر وہ نماز جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے تو اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہوگا۔

۷۔سونے سے قبل وضو کرنا اور قرآن کی چند آیات کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کا وضو باطل ہوا اور اس نے وضو نہ کیا تو اس نے میرے ساتھ جفا کی ،اور جس نے وضو تو کیا مگر دو رکعت نماز نہ پڑھی تو اس نے بھی جفا کی۔جس نے دو رکعت نماز تو پڑھیں مگر مجھ سے دعا نہ کی تو اس نے جفا کی۔اگر اس نے مجھ دعا کی اور میں نے قبول نہ کی تو میں نے جفا کی۔اور میں جفا کرنے والا رب نہیں۔

اگر اس کے ساتھ نماز شب اور مسواک کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو بہت اچھا ہے۔لہذا مومن کو چاہیے کہ وہ اپنی خواب گاہ میں جانے سے قبل رفع حاجت کے لیے واش روم میں جائے۔اس کے بعد اپنے دانتوں کو مسواک یا برش کے ساتھ صاف کرے۔پھر نماز شب پوری یا اس کا کچھ حصہ ادا کرے اور کچھ طلوع فجر سے پہلے تک موخر کر دے۔ پھر قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کرے اور اپنے مومن کے حق میں خدا سے دعا کرے۔

۸۔جو ابتدائے درجے کے طالب علم ہوں انہیں چاہیے کہ وہ سید شبر کی تفسیر یا اس جیسے کسی اور نسخے کو اپنے پیش نظر رکھیں۔تا کہ وہ تلاوت قرآن کے ساتھ اس کے اجمالی تفسیر بھی جان لیں۔

۹۔ہمیں چاہیے کہ پہلا ختم قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، دوسرا مولا علی امیر المومنین علیہ السلام اور اسی طرح بالترتیب چہاردہ معصومینؑ کو ہدیہ کریں۔جیسا کہ اس سلسلے میں روایت بھی موجود ہے اور دوسرا یہ کہ یہ ذوات مقدسہؑ روز قیامت اپنی شان کے مطابق ہدیہ واپس کریں گے۔

۱۰۔دوران تلاوت آواز کو اونچا کرنا اور اس کے معانی میں غور کرنا۔محض سورت کو ختم کرنے کی فکر میں نہیں ہونا چاہیے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

۱۱۔قرآن دیکھ کر پڑھنا۔خواہ انسان کو قرآن حفظ ہو،تب بھی۔اور یہ بھی مستحب ہے کہ گھر کے ہر ہر فرد کے لیے ایک خاص نسخہ ہو۔جس سے وہ تلاوت کرے اور جس پر اس کی نشانی لگی ہوئی ہو۔

۱۲۔قرآن کی تلاوت کو خاموشی کے ساتھ سننا اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔

خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں قرآن کے سائے میں اپنی زندگی گزارنے کی توفیق دے اور آخرت میں اسے ہمارا شفیع قرار دے۔

قرآن، کلام معصومینؑ کے آئینے میں

میں اس باب میں وارد ہونے والی احادیث کو مختلف عناوین کی شکل میں ہدیہ قارئین کرنے لگا ہوں۔ اور ان کی تفصیل کو کسی اور محل پر چھوڑتا ہوں۔ ممکن ہے کہ ان کی تعداد چالیس سے اوپر ہو۔ کیونکہ جن اخبار میں چالیس احادیث کے یاد کرنے پر ابھارا گیا ہے، ان کا مطلب یہ نہیں کہ چالیس سے زیادہ احادیث یاد کرنا منع ہے۔

قرآن کے سیکھنے کی ضرورت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا: مومن کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے پہلے قرآن سیکھ لے یا اسے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں موت آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا اس دل کو عذاب نہیں دے گا جس میں قرآن محفوظ ہو۔

آپؐ سے مروی ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں جو حاملینِ قرآن ہوں گے وہ روز قیامت جنت کے معروف لوگ ہوں گے۔

ایک اور روایت میں آپؐ سے نقل ہوا ہے کہ قرآن غنی و ثروت مندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ثروت نہیں اور اس کے بعد کسی قسم کا فقر نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جب استاد بچے کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھاتا ہے، اور بچہ پڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالی اس بچے، اس کے والدین اور اس کے استاد کے لیے عذاب سے نجات لکھ دیتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حافظ قرآن، جو اس پر عمل کرنے والا ہو وہ نیک اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ (وسائل الشیعہ: کتاب الصلاۃ)

قرآن کی تعلیم سب سے بڑی نعمت ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا اور یہ خیال کیا کہ اس سے بہتر بھی کسی کو کوئی چیز دی گئی ہے تو اس نے اس چیز کو حقیر سمجھا کہ جسے خدا نے عظمت دی اور اس چیز کو بڑا جانا جسے خدا نے حقیر قرار دیا۔ (وسائل)

قرآن کی شفاعت قبول ہوگی

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب فتنے سیاہ رات کی طرح تمہیں گھیر لیں۔ تو تم پر قرآن کے ساتھ تمسک کرنا لازم ہے۔ بے شک یہ ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت قبول ہوگی اور ایسا نزاع کرنے والا ہے جس کی بات مانی جائے گی۔ جو اسے اپنے پیش نگاہ رکھے گا یہ اسے جنت میں لے جائے گا اور جو اسے پس پشت ڈال دے گا یہ اسے جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے گا۔ یہ ایک راہنما ہے جو سب سے بہترین راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل قرآن انبیاء و مرسلینؑ کے علاوہ تمام آدمیوں میں سب سے اعلیٰ ترین درجے پر ہوں گے۔ لہذا اہل قرآن کے حقوق میں کوتاہی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ خداوند عزیز و جبار کے یہاں خاص مقام و منزلت کے حامل ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قرآن پڑھنے میں دقت ہوتی ہو اس کا اجر دوگنا ہے اور جو آسانی کے ساتھ پڑھ لے وہ پہلے درجے والے لوگوں کے ہمراہ ہوگا۔

بسم اللہ کی برکت

امام صادق علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ جب کوئی شخص لوگوں کو نماز کی امامت کراتا ہے تو شیطان اس امام جماعت کے ساتھی شیطان سے آکر پوچھتا ہے کہ کیا اس نے خدا کا ذکر کیا، یعنی کیا اس نے بسم اللہ پڑھی۔ اگر وہ اسے ہاں میں جواب دے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اسے نا میں جواب دے تو وہ امام جماعت

کی گردن پر سوار ہو جاتا ہے اور اپنے پاؤں اس کے سینے پر رکھ دیتا ہے۔ پھر جب تک نماز مکمل نہیں ہو جاتی شیطان لوگوں کے آگے کھڑا رہتا ہے۔

قبرستان میں تلاوت کا ثواب

امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بھی مومن اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور وہاں اس کی قبر کے پاس سات مرتبہ سورۃ القدر کی تلاوت کرے تو اللہ تعالی اسے اور اس قبر والے کو بخش دیتا ہے۔

ایک اور روایت میں سورۃ الفاتحہ، سورۃ الفلق، سورۃ الناس، سورۃ اخلاص اور آیت الکرسی میں سے ہر ایک کی تین تین مرتبہ تلاوت کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ اس عمل کے ثواب میں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص یہ عمل انجام دے تو خداوند عالم اس قبر کے پاس ایک فرشتے کو بھیجتا ہے۔ جو وہاں خدا کی عبادت کرتا ہے اور اس کا ثواب اس کلام کے پڑھنے والے اور صاحب قبر کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ پھر جب خدا اس میت کو روز قیامت قبر اٹھائے گا تو وہ فرشتہ اسکی طرف آنے والی ہر سختی کو دور کرتا رہے گا یہاں تک کہ اسے جنت میں پہنچا دے گا۔

حامل قرآن کا مقام

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص جوانی کی حالت میں قرآن پڑھے تو وہ اس کے گوشت و خون سے سیرایت کر جاتا ہے اور خداوند عالم ایسے جوان کو نیک صفت فرشتوں میں شامل کرتا ہے۔ روز قیامت قرآن اس کا محافظ بن جائے گا اور کہے گا: اے میرے رب! اب مجھ پر عمل کرنے والوں کے علاوہ ہر عامل اپنا اجر و ثواب حاصل کر چکا ہے۔ پس تو اس پر اپنی بہترین نوازش فرما'' اس پر خداوند عالم قرآن پڑھنے والے کو جنت کے قیمتی لباسوں میں سے دو لباس پہنائے گا اور اس کے سر پر کرامت کا تاج رکھ کر کہا جائے: کیا ہم نے قرآن کے بارے میں تجھے خوش کر دیا؟! تب قرآن کی آواز آئے گی: اے میرے اللہ! میں تو اس قرآن پڑھنے کو جو اجر چاہتا تھا وہ تو اس سے زیادہ ہے۔

قرآن کی آواز سن کر اس کے دائیں ہاتھ میں امان نامہ دیا جائے اور اس کا خلد بریں میں جانا آسان ہو جائے گا۔ پھر وہ جنت میں داخل ہو گا تو اس سے کہا جائے گا کہ ایک ایک آیت پڑھتے جاؤ اور ایک ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ پھر قرآن سے کہا جائے گا: بتاؤ کیا ہم نے اسے (خلد بریں میں) پہنچا دیا اور تم راضی ہو گئے؟! تو وہ جواب دے گا: جی ہاں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حامل قرآن کے والدین کو دو حلے پہنائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: یہ اُس کا صلہ ہے کہ جو تم نے اِسے قرآن کی تعلیم دلوائی تھی۔

رحمت الٰہیہ کا سبب

مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب اہل زمین خدا کی نافرمانیاں اور معصیت کاریاں کرتے ہیں تو خدا تمام اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ لیکن جب وہ بوڑھوں کو نماز کی طرف جاتے اور بچوں کو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے دیکھتا ہے تو ان پر رحم فرماتا ہے اور ان عذاب موخر کر دیتا ہے۔

قرآن کے بارے میں وصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

ہر حال میں آپؑ پر قرآن کی تلاوت کرنا لازم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم پر قرآن کی تلاوت کرنا لازم ہے۔ بے شک جنت کے درجے قرآن کی آیات کے تعداد کے مطابق ہیں۔ پس روز قیامت قرآن کے قاری سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجوں پر بلند ہوتے جاؤ۔ پس جیسے جیسے وہ قرآن کی آیت پڑھے گا اس کا ایک ایک درجہ بلند ہوتا جائے گا۔

رات کو تلاوت کرنے کا ثواب

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے ایک رات میں قرآن کی دس آیات پڑھ لیں تو اس کا شمار غافلین میں سے نہ ہوگا۔ جس نے پچاس آیات تلاوت کیں اس کا نام ذاکرین میں شامل کر لیا جائے گا۔ جس نے سو آیات کی تلاوت کی اس کا نام قانتین (فرماں بردار بندوں) میں لکھ دیا جائے گا۔ جس نے دو سو آیات تلاوت کیں اس کا نام خاشعین میں شامل کر لیا جائے گا۔ جس نے تین سو آیات تلاوت کیں اس کا نام فائزین (کامیاب ہونے والے لوگوں) میں لکھا جائے گا۔

جس نے پانچ سو آیات تلاوت کیں اُس کا نام تہجد گزاروں میں شامل کیا جائے گا۔ اور جس نے ایک ہزار آیات تلاوت کیں تو اس کے لیے ایک قنطار (ثواب) لکھا جائے گا۔ قنطار سے مراد پندرہ ہزار (، یا پچاس

ہزار) مثقال سونا ہے۔اور ایک مثقال میں چوبیس قیراط ہوتے ہیں۔اس کا چھوٹا حصہ اُحد پہاڑ جتنا اور بڑا زمین و آسمان کے مابین وسعت جتنا بڑا ہوتا ہے۔''

قرآن کو یاد رکھنے کی اہمیت

یعقوب احمر کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: (مولاؑ!) مجھ پر قرض بہت زیادہ ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں قرآن (کو وقت نہ دینے کے سبب اس) کو بھول ہی نہ جاؤں؟

امامؑ نے فرمایا: خبردار! قرآن کا خیال رہے۔قرآن کی ہر ہر آیت اور ہر ہر سورت میدان قیامت میں آئے گی اور (جنت میں) ہزارویں درجے پر بلند ہو کر کہے گی: (اے انسان!) اگر تو نے مجھے یاد رکھا ہوتا تو میں تجھے بھی یہاں لے آتی۔[1]

ہر سورت سے پہلے تعوذ پڑھنا

حلبی نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا ہر سورت کے شروع میں تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) پڑھنا چاہیے؟ امامؑ نے فرمایا: جی ہاں، شیطان مردود سے خدا کی پناہ طلب کیا کرو۔

حالتِ نماز اور اس کے علاوہ تلاوت کا ثواب

آئمہ معصومینؑ سے مروی ہے کہ جو شخص کھڑے ہو نماز میں قرآن تلاوت کرتا ہے تو اسے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملتی ہیں اور جو بیٹھ کر نماز کی حالت میں اس کی تلاوت کرتا ہے تو اسے ہر حرف کے بدلے پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔جو شخص نماز کے علاوہ باطہارت ہو کر اس کی تلاوت کرتا ہے اسے ہر حرف کی پندرہ نیکیاں ملتی ہیں اور جو بغیر طہارت کے اس کی تلاوت کرتا ہے اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓر کی دس نیکیاں ہیں۔بلکہ الف کی دس، لام کی دس، میم کی دس اور راء کی بھی دس۔(یعنی الٓمٓر کی تلاوت کی چالیس نیکیاں ملتی ہیں۔)

---

[1] واضح رہے کہ یہاں قرآن کو یاد رکھنے سے اس پر عمل کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

قرآن کی آیتیں، گویا خزانے

امام علی زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیتیں خزانے ہیں ۔ اور جب تم کسی خزانے کا منہ کھولو تو تمہیں دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے اندر کیا ہے۔

گھر میں تلاوت کرنے کی برکت

امام جعفر صادق علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ مولا علی امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جس گھر میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی برکت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔اس میں فرشتے کی آمدورفت رہتی ہے اور شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔اور وہ گھر آسمان والوں کے لیے اس طرح چمکتا ہے کہ جیسے زمین والوں کے لیے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ تم میں سے جو شخص تاجر ہے اور (سارا دن) بازار میں اپنی تجارت میں مشغول رہتا ہے۔اس کے لیے کیا رکاوٹ ہے کہ جب وہ گھر واپس آئے اور سونے سے قبل قرآن کریم کی کوئی سی سورت تلاوت کرلے۔تاکہ ہر آیت کے بدلے اس کی دس نیکیاں لکھ دی جائیں اور دس گناہ معاف کردیے جائیں۔

قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اس کی نظر تیز ہوگی اور اس کے حساب میں نرمی کی جائے گی ۔اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان کو سب سے زیادہ اذیت اس بات سے ہوتی ہے کہ کوئی شخص قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں : مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوتی ہے کہ کسی گھر میں قرآن موجود ہو اور خدا وہاں سے شیاطین کو بھگادے۔

ترتیل

عبداللہ بن سلیمان کی روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس فرمان خدا: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں :(یعنی) اسے خوب واضح کرکے پڑھو ۔ نہ شعر کی طرح جلدی

کے ساتھ اور نہ ہی ریت کے ذروں کی مانند بالکل جدا جدا کر کے۔ بلکہ اسکے ذریعے اپنے سخت دلوں کو کھٹکھٹاؤ۔اور تم میں سے کوئی محض سورۃ کو ختم کرنے کی فکر میں اسے نہ پڑھے۔

حقِ تلاوت

اس فرمان الٰہی :اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ انسان جنت اور جہنم کے ذکر کے وقت ٹھہر جائے۔ پہلی کا خدا سے سوال کرے اور دوسری سے اس کی پناہ مانگے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کو جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ اسے صحیح ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنا چاہیے۔اور جب تم کسی ایسی آیت کو تلاوت کرو جس میں جنت کا ذکر ہو تو وہاں ٹھہر جاؤ اور خدا سے اس کا سوال کرو۔اور اگر کوئی ایسی تلاوت کرو جس میں جہنم کا ذکر ہو تو وہاں بھی ٹھہر جاؤ اور اس سے خدا کی پناہ مانگو۔

حفص سے نقل ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ خوف ورجاء والا کسی کو نہیں پایا۔ آپؑ پر درد لہجے میں قرآن کی تلات فرماتے تھے اور آپؑ کا انداز ایسا ہوتا کہ گویا آپؑ کسی انسان سے باتیں کر رہے ہیں۔

اونچی آواز میں تلاوت

اِبن عمار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب تک انسان دعا اور قرآن کی تلاوت میں آواز اونچی نہ کرے، وہ سمجھتا ہے کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا؟ (کیا دعا اور تلاوت قرآن میں آواز بلند کی جا سکتی ہے؟)

امامؑ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔امام علی زین العابدین علیہ السلام سب سے خوبصورت آواز تلاوت کرتے تھے اور اپنی آواز اس قدر اونچی کرتے تھے کہ تمام گھر والے سن لیتے۔اسی طرح امام محمد باقر علیہ السلام بھی سب سے اچھی تلاوت فرماتے تھے۔جب آپؑ رات کو قیام کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تو آپؑ کی آواز اتنی بلند ہوتی کہ راستے سے گزرنے والے لوگ رک جاتے اور آپؑ کی تلاوت کو سننے لگتے۔

قرآن کو کس لہجے میں پڑھا جائے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں پڑھا کرو۔ خبردار! اسے اہل فسق و کبائر کے لحن میں نہ پڑھنا۔ بے شک میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن کی تلاوت میں غنا کی طرح آواز کو گلے میں گھمائیں گے اور اسے رونے اور ہیبت ناک آواز میں پڑھیں گے۔ یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل اور ان کے اس عمل کو پسند کرنے والوں کے دل اُلٹے ہوں گے۔

قرآن کو خاموشی اور توجہ کے ساتھ سننا

عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو کیا خاموش ہونا اور اسے سننا واجب ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جی ہاں! جب کوئی تمہارے پاس قرآن کی تلاوت کرے تو تم پر خاموش ہونا اور اسے سننا واجب ہے۔

جناب زرارہؒ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ جب فریضہ نماز میں امام کی اقتداء میں قرآن کی تلاوت سنو تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام پوچھا: کیا میں ایک رات میں پورا قرآن ختم کر سکتا ہوں؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم ایک ماہ سے کم عرصے میں قرآن ختم کر لو۔

معصومینؑ کو قرآن ہدیہ کرنے کا ثواب

علی بن مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے اماموسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: عیدالفطر کے روز میں ایک ختم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کیا، ایک مولا علی علیہ السلام کو، ایک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اور اس کے بعد ایک ایک کر کے تمام ائمہؑ کو یہاں تک کہ آپؑ تک پہنچا۔ اور جب سے آپؑ نے امامت کے فرائض کی ذمہ داری سنبھالی ہے، آپؑ کے لیے صرف ایک ہی دفعہ ختم کیا ہے۔ مجھے اس کا کیا اجر ملے گا؟ امامؑ نے فرمایا: تمہارا اجر یہ ہے کہ تو قیامت میں ان کے ساتھ ہوگا۔ میں نے کہا: اللہ اکبر، کیا واقعی مجھے اس عمل کا یہ اجر ملے گا؟ امامؑ نے تین بار فرمایا: ہاں، (یہی اجر ملے گا۔)

قرآن سن کر رونا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے کچھ جوانوں کے پاس گئے اور فرمایا: میں تمہارے سامنے تھوڑی تلاوت کرتا ہوں۔ پس جو بھی تلاوت سن کر رویا اس کی جزا جنت ہوگی۔ چنانچہ آپؐ نے سورہ الزمر کی آخری آیات تلاوت کیں۔ وہ آیات سن کر ایک جوان کے سوا سب لوگ رونے لگے۔

پھر اس جوان نے عرض کی: یارسول اللہؐ! میں نے رونے کی کوشش تو کی مگر میری آنکھ میں آنسو نہیں آئے۔ اس کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں دوبارہ انہی آیات کو تلاوت کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جس نے بھی انہیں سن کر رونے والی شکل بنالی اس کا صلہ جنت ہوگی۔ لہذا آپؐ نے ان آیات کی تلاوت کی اور انہیں سن کر سب لوگ روئے اور اس جوان رونے والی شکل بنائی۔ اس لیے وہ سارے جنت میں داخل ہوئے۔

سارا علم قرآن میں ہے

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا: کیا آپؑ کے پاس کوئی وحی آتی ہے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں، ہمارے پاس کوئی وحی نہیں آتی۔ اس ذات کی قسم کہ جس نے دانے کو پھاڑا اور اس میں سے سوئی کو نکالا یہ تو صرف خدا کا اپنے بندے کو دیا ہوا اس کی کتاب کا فہم ہے۔

ابراہیم بن عباس سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں نے امام علی رضا علیہ السلام کبھی نہیں دیکھا کہ اُن سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہوا اور وہ اُس کے بارے میں نہ جانتے ہوں۔ میں نے زمانہ اول سے لے کر امام رضاؑ کے زمانے تک کے امور کے بارے میں آپؑ سے زیادہ کوئی علم والا نہیں دیکھا۔ مامون الرشید امامؑ کی آزمائش کی غرض سے آپؑ سے ہر ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا تو آپؑ اسے جواب دیتے۔ امامؑ کا سارا کلام و جواب اور طریقہ مثال قرآن سے ماخوذ ہوتا۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ قرآن ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرو، یہ بول نہیں سکتا مگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ جان لو کہ اس میں مستقبل کے امور کا بھی علم ہے اور ماضی کی بھی باتیں ہیں۔ اس میں تمہارے مرض کی دوا اور تمہارے امور کا انتظام موجود ہے۔''

قرآن کی تاثیر

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کسی میت پر ستر دفعہ سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے اور اس کی روح واپس آئے تو یہ قابل تعجب بات نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دل بھی لوہے کی مانند زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں قرآن کی تلاوت سے جلا ملتی ہے۔

قرآن کی بہار

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر چیز کی بہار ہوتی ہے اور قرآن کی بہار ماہ رمضان ہے۔

جناب علی بن ابی حمزہؓ کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں: میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبصیرؓ نے آپؑ سے پوچھا: قربان جاؤں! کیا ماہ رمضان کی ایک رات میں میں پورا قرآن پڑھ سکتا ہوں؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں، آپؓ نے پوچھا: کیا دو راتوں میں؟ فرمایا: نہیں، آپؓ نے کہا: کیا تین راتوں میں؟ امامؑ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: ہاں یہ کر لو۔ پھر فرمایا: اے ابا محمد! ماہ رمضان کا ایک خاص حق اور حرمت ہے۔ اور کوئی دوسرا اس جیسا نہی ہو سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ شعبانیہ میں آیا ہے کہ جس نے اس ماہ میں قرآن کی ایک آیت تلاوت کی تو اسے دوسروں مہینوں میں ایک ختم قرآن کے جیسا ثواب ملے گا۔

تلاوت بمع تدبر

امام جعفر صادق علیہ السلام اس فرمان الٰہی :اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وہ اس کی آیات کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اس کے وعدوں کی امید رکھتے ہیں، اس کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں، اس کے قصوں سے سبق لیتے ہیں، اس کے اوامر کی پابندی کرتے ہیں اور اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس کی آیات کو حفظ کر لیا جائے اور اس کے حروف کو ضائع کیا جائے۔ اور اس کے سورتوں کی تلاوت کی جائے مگر اس میں مذکور زکوۃ وخمس (ایسے احکام) کو فراموش کیا جائے۔ لوگوں نے اس کے حروف کی حفاظت کی لیکن

اس کی حدود کو ضائع کیا۔ اور اس کا مطلب صرف اور صرف اس کی آیات میں تدبر اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿۲۹﴾

''یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے۔ تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔'' (سورۃ ص)

اوصاف قرآن بزبان نبی وعلی علیہما وآلہما السلام

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے قرآن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ خدا کی محکم رسی، پرحکمت نصیحت اور صراط مستقیم ہے۔ خواہشات اس میں خم پیدا نہیں کرسکتیں، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ مختلف زبانیں اسے مشتبہ نہیں کرسکتیں۔ یہ بار بار پڑھے جانے سے پرانا ہوتا ہے اور نہ اس کے عجائبات زوال پذیر ہوتے ہیں۔ جو اس کے مطابق بات کرے گا، سچ کہے گا۔ جو اس کے بنیاد پر فیصلہ صادر کرے گا، عادل قرار پائے گا، جو اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر وثواب دیا جائے گا اور جو اس کی طرف دعوت دے گا اس کی راہنمائی صراط مستقیم کی طرف کی جائے گی۔'' (المیزان: ۲۰/ ۲۶۲)

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''قرآن کی تعلیم حاصل کرو۔ بلاشبہ یہ سب سے بہترین کلام ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ یہ دلوں کے لیے شفا بخش ہے۔ اس کو خوبصورت انداز میں تلاوت کرو کہ یہ سب سے مفید قصہ ہے۔ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اس حیران و پریشان جاہل کی طرح ہوتا جسے اپنی جہالت سے افاقہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر خدا کی حجت عظیم تر ہوتی جاتی ہے اور حسرت وندامت اس کے لیے لازم ہوجاتی ہے۔ اور وہ خدا کی نظر میں بھی قابل ملامت ہوتا ہے۔'' (نہج البلاغہ: خطبہ ۱۱۰)

❋❋❋

مسجد

- اوائل اِسلام میں مسجد کا مقام۔۔
- اُموی وعباسی ادوار۔۔
- مسجد کی مرکزیت میں حوزہ دینیہ کا کردار۔۔
- استفتاءات۔۔
- مسجد از کلامِ معصومینؑ۔۔

مقدمہ

ارشادِ رب العزت ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾

(بے شک سب سے پہلا گھر وہ ہے جو سرزمینِ مکہ پر لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ وہ گھر مبارک ہے اور تمام عالمین کے لیے مرکزِ ہدایت ہے۔)[سورۃ آل عمران]

مشیتِ خدا یہی تھی کہ زمین پہ سب پہلا گھر اُسکا ہو۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان تو بجائے خود ایک انسان کی شخصیت کی تعمیر میں مسجد کا کردار کتنا اہم ہے۔ مسلمانوں کے لیے مسجد کی حیثیت ایک وسیع اور فیاض قلب کی مانند ہے۔ جو اُنہیں اطاعت خدا کے سایے میں حیاتِ ابدی تک پہنچنے کا اطمینان دلاتا ہے۔ اِس لحاظ سے دین اِسلام کی تبلیغ میں مسجد کا مقام وہی ہے۔ جو باقی بدن کے مقابلے میں سر کا اور کمان کے مقابلے میں تیر کا ہے۔ کیونکہ مسجدیں چودہ سو سال سے اِسلام کی تبلیغ اور مخلص و جان نثار نسلوں کی تربیت کے مراکز ہیں۔

یہ فوائد و برکات اُس احساس کے علاوہ ہیں کہ جو ایک انسان کو مسجد کی طرف دیکھنے سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اُس کی نسبت خدا کے دینِ حنیف کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاہے کہ آپ کسی گمنام و ویران وادی میں ہوں، یا کسی چھوٹے سے دیہات میں، یا کسی بے کنار ریگستان میں، یا سنگلاخ پہاڑوں، یا کسی گنجان آباد شہر یا کسی ملک کے دارالخلافہ ہوں۔ جہاں زندگی کی چہل پہل اور رونق اپنے عروج پر ہو۔ جب آپ مسجد کو دیکھتے ہیں تو اُس سے ایک خاص روحانی جلال و جمال کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ جو اُسکے بغیر کسی اور جگہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہ مسجد جس طرح غیر آباد اور ویران جگہوں کی وحشت کو ختم کرتی ہیں۔ ایسے ہی دنیوی دارالسلطنت کے فانی و زوال پذیر ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہ دیہات و شہر دونوں میں ایسا توازن پیدا کرتی ہیں کہ جس سے قلبِ انسان کو راحت محسوس ہوتی ہے۔(سلسلہ عالم المعرفہ:۳۰)

لیکن آج کے اِس دور میں مسجدوں کا بہت زیادہ استحصال کیا جاتا ہے۔ کہیں مسجدیں بند ہیں، تو کہیں اُن کی حالتِ زار اُن کی بے بسی کا نمونہ دے رہی ہے۔ کہیں بے جا اجارہ داریاں ہیں، تو کہیں ذکرِ خدا سے خالی ہیں۔ جب ایسے حالات ہوں تو مسجدیں حق رکھتی ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں ہم مسلمانوں کے خلاف شکوہ بلند کریں۔ اور صرف مسجد نہیں، بلکہ قرآن اور اہل بیتؑ بھی ہماری غفلت پر خدا سے شکوہ کا حق رکھتے ہیں۔

اِسی لیے شیخ یعقوبی دام ظلہ نے اِس سلسلہ میں کلمہ حق بلند کیا اور اِس موضوع پر مؤثر آواز اٹھائی۔ تاکہ مسلم

معاشرے کی صحیح تربیت ہو سکے اور وہ اِن تین چیزوں کے شکوہ کا ہدف بننے سے بچ سکے۔ شیخ یعقوبی نے کافی وخصال سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اِس روایت کو موضوع بحث بنایا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

یہ تین چیزیں بارگاہ خداوندی میں شکایت کریں گی:

۱۔ غیر آباد اور ویران مسجد جس میں اہل محلہ نماز نہ پڑھتے ہوں۔

۲۔ وہ عالم جو جاہلوں کے معاشرے میں موجود ہو، اور وہ اس سے راہنمائی نہ لیں۔

۳۔ آویزاں کیا ہوا قرآن کا وہ نسخہ جس پر گرد پڑی ہوئی ہو اور اس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔

تمام ادیان سماویہ اور دیگر اعتقادات ونظریات ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں۔ جو امن وخوشحالی سے معمور ہو۔ اگر چہ اِس مقصد تک پہنچنے کے حصول میں سب کے طریقے الگ الگ ہیں۔

جب انسان عبادت کی تشریع اور تبلیغ ودعوت کا اسلوب سمجھتا ہے۔ تو اُسے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں مسجد کو کس قدر مرکزیت حاصل ہے۔ دین اسلام نے اپنی تشریع اور اَسالیبِ ہدایت میں اجتماعیت پہ بہت زور دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خدا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے، برائیوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں۔ (آل عمران)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اِسلام کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اور اِس فریضے کی انجام دہی کا جو طریقہ سب سے زیادہ کارآمد اور کامیاب ترین ہے۔ وہ اُسلوبِ اجتماعی ہے۔ یعنی کسی فردِ واحد کے ذریعہ اِس فریضے میں وہ ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے کہ جو اِس فریضہ کو اجتماعی طور پر انجام دینے میں حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اِسی لیے خدا نے بھی قرآن میں اُمت (گروہ، جماعت) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلوکِ اجتماعی اور باہمی طور پر مل کر ہم اِس سلسلے میں اپنا ہدف کم سے کم وقت میں حاصل کر سکتے ہیں۔ اِسی لیے یہ بات حق ہے کہ اجتماعی طور پر امر بالمعروف کرنا انفرادی زحمت کے مقابلے میں بہت زیادہ مؤثر ہے۔ جیسے سورہ مبارکہ یس میں ہے:

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جب ہم نے اُن کی طرف دو رسول بھیجے تو اُنہوں نے اُن دو کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے اُن کی مدد کے لیے ایک تیسرے کو بھیجا۔ (آیت ۱۴)

اِس کا مقصد یہی تھا کہ معاشرے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والوں میں تعداد میں اضافہ کیا ہے، یا تیسرے کے ذریعہ پہلے دو کی صداقت پر حجت قائم کی جائے۔ جیسا کہ ہم خود نماز کے فریضہ میں بھی سلوکِ اجتماعی کے اَثر کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً جب ہم نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ تو ہمارے خشوع اور حضورِ قلب کی کیفیت فرادیٰ کے مقابلے میں کافی زیادہ ہوتی ہے۔ اِس کا ایک اور اثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب ہم کسی نمازی کو سجدۂ شکر کرتا پاتے ہیں۔ تو اُس کے ساتھ ہی دوسرے نمازی کو سجدۂ شکر کے لیے جھکتا ہوا دیکھتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے ایک جگہ اور ایک وقت میں جمع ہونے سے بہت سے فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ اِس سے اہل اِسلام کو اتفاق، قلبی اطمینان اور تکامل وارتقاء ملتا ہے۔ اِس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے سنتا ہے۔ تو اُس کا دل بہت چاہتا ہے کہ وہ بھی اِس کلمہ کو اپنی زبان سے دہرائے۔ لہذا اُس کے پیچھے پیچھے وہ بھی پورے خلوص وایمانی جذبے کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔

جب ہم ایک جماعت کو تمام حرکات وسکنات میں ایک جیسا دیکھتے ہیں۔ تو وہ ہمیں جسدِ واحد کی مانند نظر آتی ہے۔ اِسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے نمازِ باجماعت میں حاضر ہونے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباءِ کرامؑ کے حوالہ سے حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے ہمسائے میں رہنے والوں پر شرط رکھی تھی کہ وہ (ہر صورت) نمازِ باجماعت میں شریک ہوں گے۔ مزید آپؐ نے فرمایا: جو نمازِ جماعت میں شامل نہیں ہوتے وہ اپنی عادت سے باز آجائیں۔ نہیں تو میں مؤذن کو حکم دوں گا کہ وہ اذان واِقامت کہے اور اپنے اہل بیتؑ میں سے ایک دوسرے شخص یعنی علیؑ کو یہ حکم صادر کردوں گا کہ لکڑیاں جمع کر کے اُن کے گھروں کو جلا دیں۔ کیونکہ وہ نماز کے لیے (مسجد) نہیں آتے۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۵، ابواب الجماعۃ)

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مسجد کے ہمسایوں میں سے جو شخص مسجد میں آکر نماز میں شریک نہ ہو۔ اُس کی نماز (قبول) نہیں۔ مگر یہ کہ وہ بیمار ہو یا کسی کام میں مصروف ہو۔ (حوالۂ سابق)

جنابِ زرارہؓ اور فضیلؓ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: نماز اپنی جگہ فرض ہے۔ مگر تمام نمازوں کے لیے مسجد میں حاضر ہونا فرض نہیں۔ البتہ یہ سنت ہے۔ لہذا جو اِس سنت کی مخالفت اور مومنوں کی جماعت سے اختلاف کرتے ہوئے بلاوجہ جماعت میں شریک نہ ہو تو اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

اِن روایات سے ہمیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اِس اجتماع سے شارع کا مقصد ہر ایک کے لیے ظاہر نہیں ہے۔

احادیث میں ہمیشہ ترغیب کا سبب ذکر نہیں ہوا۔ وہاں صرف اجتماع کا حکم آیا ہے۔ کیونکہ شارع مکلف کی مصلحت کو خود اُس سے بھی زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ اور اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ اجتماعیت اور باہم مل کر ایک عمل انجام دینا ہمیں اُس کے مطلوبہ ہدف تک پہنچا دیتا ہے۔ بعض اوقات اِسی اجتماعیت کے ذریعہ ہم سمجھ جاتے ہیں کہ شارع نے دین کے احکام میں اجتماع و یکجہتی کی اتنی تاکید کیوں کی ہے؟! مثلاً خدا نے روزہ واجب ہونے کا حکم دیا اور سب لوگوں کے لیے اِس فرض کی ادائیگی کا ایک خاص دورانیہ مقرر کیا۔ اِسی طرح حج فرض کیا تو سب کے لیے اُس کے زمان و مکان کا تعین کر دیا۔ اِس فرض کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو احرام باندھ کر طواف کے لیے مسجد الحرام میں جمع ہونا، موقفین میں اکٹھے ہونا، منیٰ اور دوسرے مقامات پر مل کر مناسکِ حج ادا کرنا روزِ محشر کے اجتماع کی یاد دلاتا ہے۔ کہ جب لوگ حساب و کتاب اور ثواب و عقاب کے لیے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ (فقہ الاخلاق جلد ۲، ص ۸۱، سید محمد الصدر)

اگر یہ اجتماع نہ ہوتا انسان کے اندر آخرت کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب انسان ایسے اجتماع کو دیکھ کر اپنی آخرت یاد کرتا ہے۔ تو پھر کوئی بھی چیز اُسے خدا کی اطاعت اور اُس کی نافرمانی سے اجتناب کرنے سے نہیں روک سکتی۔ جب کہ دینِ اِسلام کا سب سے بڑا ہدف ہی یہی ہے۔ اور یہی انسان کی خلقت کا مقصد ہے۔ جیسا کہ سورۃ مبارکہ الذاریات میں ارشادِ باری ہے: میں نے جنوں اور انسانوں کو اِسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ (۵۶)

دینِ اِسلام کے جملہ احکام و تعلیمات اجتماعی نوعیت کے ہیں۔ اُن کا ہدف ہی اجتماعی ہے، یا اجتماعیت کا وسیلہ ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰

''اے ایمان والو! صبر کرو، مصابرہ کرو، جماعت بندی کرو اور خدا سے ڈرو تا کہ کامیابی حاصل کر سکو۔'' (سورۃ آل عمران: ۲۰۰)

اِس آیت کریمہ میں مصابرہ سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمان مل کر مشکلات پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔ اِس طرح کہ بعض، بعض کے صبر پہ اعتماد کریں تا کہ اُن کی قوت میں اضافہ ہو اور اجتماعی طور پر ایک عمل انجام دینے میں اُس کی تاثیر بڑھ جائے۔ جب ایک طرف انفرادی صبر ہو اور دوسری طرف اجتماعی صبر ہو۔ تو اُس وقت اجتماعی صبر و تحمل کا اثر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ اجتماعیت میں تمام افراد کی قوتیں مل کر ایک عظیم طاقت بن جاتی ہیں۔ 'رابطوا' اِس باہمی صبر کے مقابلے میں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اور اِس سے مراد جماعت بندی کرنا اور اُس کے

جملہ افراد کا اپنے اقوال وافعال کے حوالہ سے باہمی طور پر مربوط رہنا ہے۔ چاہے حالات جیسے بھی ہوں۔

جہاں تک مسجد میں صف بستہ جماعت کے ساتھ کھڑے ہونے نماز کی برکات کا ذکر ہے۔تو وہ بہت زیادہ ہیں۔اُن میں سب سے اہم یہ ہے کہ ہدفِ معنوی میں سب کی سمت ایک ہوتی ہے۔اِسی طرح وہ مل کر ایک امام سے درس علم وحکمت لیتے ہیں اور یوں عالم کی زبان سے نکلی چند منٹوں کی گفتگو کئی ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہے۔اور اُن کی علم تشنگی کے ازالہ کا اہتمام ممکن ہوتا ہے۔بعینہٖ جب امام جماعت اُن کے سامنے کوئی ہدف رکھتا ہے۔تو ایک سے ایک بڑھ کر تعاون کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔اِس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دینِ اِسلام نے معاشرے کے لیے ایک ایسا دستورِ حیات پیش کیا ہے۔جو اُنہیں فساد وتخریب کی طرف لے جانے والے اختلاف سے بچاتا ہے۔چنانچہ ارشادِ خدا ہے: اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔لہذا تم اِس کی پیروی کرو، اور (اِسے چھوڑ کر) دوسری راہوں پہ مت چلنا، نہیں تو وہ تمہیں راہِ راست سے ہٹا دیں گی۔اِسی کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تقوی اختیار کرو۔(سورۃ الانعام :۱۵۳)

اگر عمومی نگاہ سے دیکھا جائے کہ اِسلام کے جملہ وہ احکام جن میں اجتماعیت کی تاکید کی گئی ہے۔اُن میں ہمیں ایک نقطۂ اِشتراک یہ ملتا ہے کہ اُن کی ادائیگی کا مقام ایک ہے اور وہ مسجد ہے۔بنابریں نمازِ پنج گانہ، نمازِ جماعت، نمازِ آیات، نمازِ عیدین، حتی کہ طواف، نمازِ طواف، حج کے زیادہ تر مناسک جیسے عرفہ ومزدلفہ میں وقوف، منی میں رمی جمرات اور یہ تمام تر مواقف حرمِ مکی کی حدود میں انجام پاتے ہیں۔جیسا کہ ماوراء الفقہ میں مذکور ہے۔اِس سے بڑھ کر جہاد کہ جس کا میدان اور مقام مسجد سے باہر ہوتا ہے۔لیکن اُس کی بھی پرچم کشائی اور لشکر کی تیاری مسجد میں ہوتی ہے۔تو مسجد اِسلام کی اجتماعیت کا جزوِ لاینفک ہے۔یعنی اِسلام کے اجتماعیت کے جس قدر بھی اہداف و مقاصد ہیں۔اُن میں مسجد کا کردار بہت اہم ہے۔

اَوائل اِسلام میں مسجد کا مقام

اِسلام نے جن اہداف کے لیے اجتماعیت کا پیغام دیا ہے۔اُن کے اہداف کے بارے میں بات کرنے کے لیے کسی خاص جگہ کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں مسلمان بیٹھ کر اِس سلسلہ میں باہمی مشاورت کر سکیں۔اور وہ خاص جگہ مسجد ہے۔ جسے تعمیر کرنا صدرِ اول کے مسلمانوں حتی کہ پیغمبر اِسلام ﷺ کی پہلی خواہش تھی۔تو جیسے ہی حالات سازگار ہوئے ،آپؐ نے مساجد کی تعمیرات شروع کر دیں۔ کیونکہ مسجد دین حق کی دعوت اور تبلیغ میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

ابن ہشام نے سیرت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قباء کے مقام پر بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ میں سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن قیام فرمایا اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر خدا نے جمعہ کی نماز کا حکم دیا۔تو جمعہ کے دن آپؐ قبیلہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے۔اور اُس مسجد میں نمازِ جمعہ ادا فرمائی کہ جو رانوناء نامی وادی میں ہے۔ وہ پہلی جمعہ کی نماز تھی جو مدینہ میں ادا کی گئی۔(سیرت ابن ہشام: جلد ۲ ص ۱۰۰)

سید محسن امین عاملی نے سیرۃ المصطفٰے ﷺ میں لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے وہاں (قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے پاس) چودہ راتیں گزاریں۔ یہ اعتبار کے قریب ہے۔ پھر آپؐ اپنی ناقہ پہ سوار ہوئے اور آپؐ کے دائیں بائیں مسلمان اَسلحہ اُٹھائے چل رہے تھے۔ جمعہ کے روز آپؐ قبیلہ بنی سالم بن عمرو میں پہنچے۔۔

آگے لکھتے ہیں: بنی سالم چاہتے تھے کہ آپؐ مسلمان کو جماعت سمیت اُن کے پاس کچھ عرصہ رہیں اور اُنہیں خدمت کا موقع دیں۔تو کہا گیا کہ راستہ چھوڑ دیں۔ یہ جماعت آپؐ کی ناقہ کے ساتھ مامور ہے۔آپؐ کا لشکر انصار جس قبیلے سے گزرتا وہ یہی پیش کش کرتے۔ اور آگے سے اُنہیں وہی جواب دیا جاتا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی اونٹنی مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ جو کہ اُس وقت کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی اور سہل و سہیل نامی دو یتیموں کی ملکیت تھی کہ جو عمرو نامی شخص کے بیٹے تھے اور معاذ بن عفراء کی گود میں تھے۔

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اُن کے پاس ٹھہرنے کی درخواست کی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے آپؐ کا سامان اُٹھا کر اپنے گھر میں رکھ دیا۔تو آپؐ نے فرمایا کہ بندہ اپنے سامان کے ساتھ ہے۔ پھر آپؐ نے نزول اِجلال فرمایا اور جہاں ناقہ بیٹھی تھی اُس کے جگہ کے بارے میں دریافت کیا۔تو حضرت معاذؓ نے آپؐ کو اُن بچوں کی تمام روئیداد سنا دی۔

آپؐ نے فرمایا کہ میں اِس زمین کے اُن دونوں مالکوں کو راضی کر لوں گا اور وہاں مسجد تعمیر کروں گا۔ بالآخر

معاملات طے ہو گئے اور آپؐ نے وہاں مسجد بنانے کا حکم فرمایا۔ اُس جگہ مشرکوں کی قبریں تھیں۔ آپؐ نے حکم دیا تو اُن کی ہڈیاں نکال کر باہر پھینک دی گئیں اور مسجد کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ مسجد کی تعمیر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مہاجرین وانصار شریک ہوئے۔ وہاں ایک شخص نے کہا: کیا اچھا ہوتا کہ اگر ہم بیٹھے رہتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی یہ گمراہ کن عمل انجام دیتے۔ (معاذ اللہ)

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اُس دن مولا علیؑ نے یہ رجز پڑھا:

جو مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو اور کھڑے و بیٹھ کر اُس میں اپنا حصہ ڈالے۔ وہ اُس شخص جیسا بھلا کیونکر ہوگا کہ جو مٹی سے دور جاتا نظر آئے۔

پھر حضرت عمارؓ یہی رجز پڑھنے لگے۔ جب ایک صحابی کا اِس بارے میں سوءِ ظن حد سے بڑھا کہ شاید حضرت عمارؓ اُسے سنا کر کہہ رہے ہیں۔ تو اُس نے کہا: اے ابن سمیہؓ! آج جو تم کہہ رہے ہو۔ میں نے خوب سن لیا ہے۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں جلد ہی یہ عصا تمہاری ناک پہ ماروں گا۔ اُس وقت اُس نے ایک عصا ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ اِس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اُنہیں عمارؓ سے کیا (جلن) ہے۔ وہ اُنہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اُسے دوزخ کی دعوت دیں گے۔ بے شک عمارؓ میری آنکھوں اور ناک کے درمیان کی جلد (مانند) ہے۔ (ص:۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی سختیوں، مشرکین کی تخریب کاریوں اور دیگر مسائل سے سابقہ رہا۔ مگر اِس کے باوجود بھی آپؐ نے اِسلامی طرزِ حیات کے عوامل مہیا کرنے میں کسی اعتبار سے کمی نہیں ہونے دی اور ہمیشہ اِسلام کے اچھے مستقبل کی فکر میں رہے۔ اور وہ تھا مسجد کی تعمیر کرنا کہ جہاں سے اِسلامی قیادت کے اُمور طے پائیں۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ ربیع الاوّل میں مدینہ آئے تو آئندہ سال صفر تک رہے اور وہاں مسجد اور مسلمان کے گھر تعمیر کروائے۔ اور اِس قبیلہ کے تمام افراد دینِ اِسلام پر جمع ہو گئے۔ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جو اِسلام نہ لایا ہو۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۰۵)

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر بھی خدا کی طرف دعوت اور دینِ اِسلام کا پرچار شروع کر دیا۔ آپؐ کی دعوت مسجد نبویؐ کے اُنہیں مبارک پتھروں کے پیچھے سے نکلتی۔ آپؐ وہاں جمعہ و جماعت قائم کرتے اور مسلمان آپؐ کے پاس جمع ہوتے۔ اُس اجتماع سے اِسلام مضبوط ہوا اور اُس کی دعوت تمام اطرافِ عالم میں پھیل گئی۔ گویا یہی اجتماع اِسلام کے ظہور و ترویج کا وسیلہ جو مسجد نبویؐ اور اُس کے فوراً بعد تعمیر ہونے والی مساجد میں قائم تھا۔

چنانچہ علل الشرائع اور عیون اخبار الرضاؑ میں شیخ صدوق نے فضل بن شاذانؓ سے نقل کیا ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

جماعت کا حکم اِس لیے دیا گیا ہے تا کہ خدا کے لیے اخلاص وتوحید اور اِسلام وعبادت ظاہر واعلانیہ اور سب کی نظروں کے سامنے ہو۔ کیونکہ اِس کے اظہار سے مشرق ومغرب کے سب افراد پر خدا کی طرف سے حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اور منافق ودین کو کم تر سمجھنے والے نے جن باتوں کا اقرار کیا ہے۔ اُن کا اظہار اور اُن کی حفاظت کرے۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کے بارے میں اِسلام کی شہادت دینا جائز اور ممکن ہو۔ مزید اِس سے نیکی وتقوی میں ایک دوسرے کی مدد کی جاسکتی ہے اور خدا کی بہت سی نافرمانیوں سے روکا جاسکتا ہے۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۵، ابواب الجماعۃ)

جس جماعت کی طرف امام رضا علیہ السلام نے اشارہ کیا۔ وہ ہجرت کے بعد پہلی فرصت میں قائم ہوئی۔ اور بلاشبہ اُس جماعت کے اجتماع کے مرکز کا نام مسجد تھا۔ جیسا کہ امامِ عالی مقامؑ کا کلام ہر زمانے اور ہر مسجد میں قائم ہونے والے اجتماع پر منطبق ہوتا ہے۔

مسجد اِسلام کی قیادت کا مرکز

اب جب کہ ہم جان چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا زیادہ وقت مسجد میں صرف کرتے تھے۔ تو واضح ہے کہ آپؐ کی زیادہ تر نشستیں اور مشاورتی اجلاس وغیرہ مسجد میں ہی ہوتے۔ جو اِسلام کا ستون کھڑا کرنے میں مؤثر ثابت ہوئے۔ اور مسلمانوں کو بھی جو مسئلہ درپیش ہوتا وہ اُس کے لیے مسجدِ نبویؐ کا رخ کرتے۔ چاہے کسی تنازع کا فیصلہ کرانا ہو، یا کسی مشکل کا حل مطلوب ہوتا، یا اِسلام کو درپیش کسی خطرہ سے مطلع کرنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ مدینہ کے داخلی منافقوں کی طرف سے ہوتا، یا مدینہ سے باہر مشرکین ویہود کی طرف سے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں جماعت قائم کرتے اور مسلمانوں تک اپنی بات پہنچاتے، یا اُنہیں اپنا کوئی حکم سناتے۔

جیسا کہ طبری نے تاریخ الامم والملوک میں ذکر کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیش الامراء روانہ کیا اور فرمایا: تم پر زید بن حارثہؓ کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؑ، اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ۔۔ یہاں تک کہ طبری لکھتا ہے: جب لشکر چلا گیا اور کچھ وقت گزرا تو آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور نمازِ باجماعت کا حکم فرمایا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا:۔۔ میں تمہیں اِس لشکرِ غازی کے بارے میں بتاتا ہوں۔ یہ لشکر یہاں سے نکلا اور کچھ افراد کے ساتھ اِس کا مقابلہ ہوا۔ دورانِ جنگ حضرت زیدؓ شہید ہوئے۔ میں اُن کے لیے طلبِ مغفرت کرتا ہوں۔ پھر اِسلام کا پرچم حضرت جعفرؑ نے لے لیا۔ حتی کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور اُن کی

شہادت کی گواہی دی گئی۔ میں اُن کے لیے بھی طلبِ مغفرت کرتا ہوں۔ اُن کے بعد اِسلام کا پرچم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا۔۔(تاریخ طبری، آٹھویں سال کے واقعات)

یہ بھی طبری نے لکھا ہے: فضل بن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں آپؐ کے استقبال کے لیے اٹھا۔ تو آپؐ کو شدید بخار میں پایا۔ آپؐ نے سر پہ پٹی باندھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے کہا: میرا ہاتھ پکڑو۔ تو میں نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور کہا کہ لوگوں کو بلاؤ۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا: میں تم لوگوں کے سامنے خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے حقوق میرے قریب ہو چکے ہیں۔ اگر میں نے تم میں سے کسی کو کوڑا لگایا ہو تو میری پشت حاضر ہے۔۔(ایضاً: ص ۱۹۱)

اسی طرح جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ روم کے لیے لشکر آمادہ کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت اُسامہ بن زید ؓ کو بلا کر فرمایا: اپنے باپ کی قتل گاہ میں جاؤ اور اُن (دشمنانِ دین) کو گھوڑوں سے کچل دو۔ میں نے تجھے اِس لشکر کا سربراہ بنایا ہے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں اپنے دستِ مبارک سے علم تھمایا اور فرمایا: بسم اللہ اغز۔ میں خدا کے نام سے اِس جنگ کا آغاز کرتا ہوں۔ جب صحابہؓ نے حضرت اُسامہؓ کو علم و لشکر کی سرداری ملتے دیکھا۔ تو اُن کے اندر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرینِ اولین کو ایک نوعمر لڑکے ماتحت کر کے جہاد کے لیے بھیج رہے ہیں۔ اِدھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن باتوں کی اطلاع ہوئی تو آپؐ شدید غضب ناک و رنجیدہ بیت الشرف سے نکلے۔ آپؐ نے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ اِسی حالت میں آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

ایها الناس فما مقالة بلغتنی عن غضبکم فی تامیری اسامة و لئن طعنتم فی امارة اُسامة فلقد طعنتم فی امارة ابیه من قبله و ایم الله ان کان للامارة لخلیقا و ان ابنه من بعده لخلیق للامارة ثم نزل فیه فدخل بیته

اے لوگو! تمہاری باتیں مجھ تک پہنچ گئی ہیں۔ تمہیں مجھ پر اِس بات کا غصہ ہے کہ میں نے اُسامہ کو لشکر کا سردار بنایا ہے۔ تمہارا اُسامہؓ کی امارت پہ اعتراض کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ اِس سے پہلے تم نے اُس کے باپ کو امیر بنائے جانے پر بھی اعتراض کیا تھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ سالارِ لشکر بنائے جانے کے بالکل اہل تھا۔ اور اَب اُس کا بیٹا بھی اِس حوالے سے کسی سے کم نہیں۔

یہ کہہ کر آپؐ منبر سے نیچے اُترے اور گھر تشریف لے گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ لسید محسن امین عاملی: ص ۲۶۰)

تاریخ کے مذکورہ تین واقعات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسجد مسلمانوں تک ہر اہم بات پہنچانے کا ذریعہ

تھا۔حتی کہ اگرضرورت پڑتی تونماز کے اَوقات سے ہٹ کربھی کسی اہم مسئلہ کے لیےمسجد میں لوگوں کواکٹھا کرلیا جاتا ۔جیسا کہ اُوپر ذکر شدہ اخبار سے واضح ہوتا ہے۔ بالکل یہی عمل مولا امیر المومنینؑ کی سیرتِ مبارکہ میں بھی ملتا ہے۔ جیسے اصحابؓ کے ایک جماعت بشمول ابو الفضیل ؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے مسجدِ کوفہ کے صحن میں لوگوں کوجمع کیااورفرمایا:

میں تم لوگوں کوخدا کی قسم دیتاہوں۔تم میں سے جس نے بھی روزِغدیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے فرمان سنا ہے۔وہ اپنی جگہ کھڑا ہوجائے۔تو بہت سےلوگ اپنی جگہ سے اُٹھے اور گواہی دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کاہاتھ بلند کرکے یہ اقرارلیا: کیاتم لوگ یہ جانتے اور مانتے ہو کہ میں مومنوں کی جانوں پراُن سے بڑھ کراختیار رکھتا ہوں؟ تولوگوں نے جواب میں کہا: جی ہاں، یا رسول اللہؐ! پھرآپؐ نے بلافصل فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کےعلیؑ مولا ہیں۔اے اللہ! توعلیؑ کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن جان۔(سنن نسائی، سیرۃالمصطفیٰ:۲۵۹)

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینی امور کے صادر کرنے کا مقام مسجد کو بنایا تھا۔اِسی طرح مولاعلیؑ نے لوگوں تک ولایت کا پیغام پہنچانے اوراُس پرگواہی لینے کے لیےمسجد کوہی منتخب فرمایا۔اِس کےشواہد سے تاریخی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ہم اُن میں بطورِتبرک چندایک مثالیں اپنے قارئین کوہدیہ کرتے ہیں۔

مثلاًحضرت ابوسعیدخدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے مولاعلیؑ کےخلاف شکایت کی۔توحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں خطبہ دیتے ہوئےفرمایا:

ایها الناس لاتشکوا علیا علیہ السلام فوالله انه لاخشن فی ذات الله، او فی سبیل الله من ان یشتکی

اے لوگو!علیؑ کا شکوہ نہ کرو۔خدا کی قسم!علیؑ خدا کی ذات میں(یا فرمایا:)خدا کی راہ اِس سے زیادہ سخت ہیں کہ اُن کاشکوہ کیاجائے۔(حوالہ سابق:۲۵۱)

جہاں تک مسجد میں جہاد کےلشکر ترتیب دینے اوراُمراءِ کاروان کوعلم دیے جانے کی تقریب کاتعلق ہے۔تو ایسےواقعات تاریخ کی کتابوں میں جابجاموجودہیں۔

مثلاًحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہٗ اُحد سے پہلے ایک شخص کوخفیہ طور پر روانہ کیا کہ وہ مشرکوں کےلشکر کے بارے میں معلومات لےکرآئے۔جب اُس نے واپس آکر بتایا کہ اُن کی تعدادتین ہزار ہے۔توآپؐ نےفرمایا:

لا تذکر من شأنهم حرفا حسبنا الله و نعم الوکیل، بك احول و بك اصول۔

اُن کے بارے میں ایک حرف بھی(کسی سے)نہ کہنا۔ہمارے لیے خدا کافی ہےاوروہ اچھامددگار ہے۔ اےاللہ!میں تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں اورتیرے ہی قرب کاسوال کرتا ہوں۔

اَوس وخزرج قبائل کے سرداروں سعد بن معاذؓ، اُسید بن خضیرؓ اور سعد بن عبادہؓ نے جمعہ کی رات اَسلحہ پہنے مسجدِ نبویؐ کے دروازے پر بیدار رہ کر گزاری۔ حتیٰ کہ مشرکوں کے حملہ کے خوف میں صبح ہوگئی۔ اُس رات مشرکوں نے مدینے کو تمام اطراف سے گھیر لیا تھا۔

صبح کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر گئے اور ارشاد فرمایا: گزشتہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈال لیا، میں نے ایک گائے دیکھی جسے ذبح کیا جا رہا تھا، میں نے اپنی تلوار کی دھار میں شگاف دیکھا اور میں کبش (دنبے) پر سوار ہوگیا۔ میں نے اپنے خواب کی تاویل اِس طرح کی ہے کہ مضبوط زرہ سے مراد مدینہ ہے، ذبح کی جانے والی گائے کا اشارہ میرے اصحاب کی طرف ہے۔ جو اِس جنگ میں شہید ہوں گے۔ میری تلوار کی دھار میں شگاف سے مراد یہ ہے کہ اِس جنگ میں میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مارا جائے گا۔ اور کبش سے مراد لشکر ہے۔ جسے خدا شکست وہزیمت سے دوچار کرے گا۔

اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم چاہو تو مدینہ میں ہی ٹھہرو اور وہ جہاں رُکے ہیں اُنہیں وہیں رہنے دو۔ اگر وہ وہاں قیام کریں گے تو وہ اُن کے لیے بری جگہ ثابت ہوگی۔ اور اگر وہ ہم سے لڑنے آئے تو ہم اُس جگہ پر اُن کے ساتھ جنگ کریں گے۔ میں اُس جگہ کو اُن کی نسبت زیادہ اچھے طریقے سے سمجھتا ہوں۔ (سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۳۷)

یوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو معنوی طور پر جہاد کے لیے تیار کیا اور اُنہیں خبر دی کہ چاہے مدینہ سے نکل کر مشرکوں سے جنگ کرنے جائیں، یا مدینہ میں ہی اُن کا انتظار کریں۔ دونوں صورتوں میں بہت بڑی مدد ملنے کا اِمکان ہے۔ مذکورہ تمام اُمور مسجد میں ہی انجام پائے تھے۔

اِسی طرح غزوہ حمراء الاسد کی تیاری مسجد سے ہوئی ہے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ صبح پڑھا چکے تو حضرت بلالؓ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دشمن کا تعاقب کرنے کا فرمان دیتے ہیں۔ (حوالہ سابق: ۱۳)

بعینہٖ واقعہ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کے حوالہ سے تفسیر الدر المنثور میں نقل ہوا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ [۹:۱۱۱]

بیشک اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے جان و مال کو جنّت کے عوض خرید لیا ہے کہ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد

کرتے ہیں اور دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں یہ وعدۂ برحق توریت، انجیل اور قرآن ہر جگہ ذکر ہوا ہے اور خدا سے زیادہ اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہوگا۔ تو اَب تم لوگ اپنی اس تجارت پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کی ہے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے

اِس پر لوگوں نے مسجد میں تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ تو ایک انصاریؓ آپؐ کے پاس آیا۔ اُس نے دوشالہ دوہرا کر کے کندھے پہ رکھا ہوا تھا۔ اُس نے پوچھا: یارسول اللہؐ! کیا واقعی یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا : ہاں، بے شک ۔ یہ سن کر انصاری کہنے لگا: پھر تو یہ بڑی ہی نفع بخش تجارت ہے۔ ہم اِس معاہدے کو نہ ادھورا چھوڑیں گے اور نہ کبھی اِس تجارت کو ترک کریں گے۔ (تفسیر المیزان: سورۃ توبہ آیت ۱۱۱)

ایسے ہی مولا امیر المومنینؑ نے بھی جہاد کی ترغیب اور دشمنوں کے خلاف خروج و قیام کے احکام مسجد میں صادر کیے تھے۔ اِس سلسلہ میں آپؑ کے کئی ایک خطبات ہیں۔ ہم بطورِ نمونہ ایک کلام اپنے قارئین کو ہدیہ کرتے ہیں:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اَلْجِهَادَ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ اَلْجَنَّةِ فَتَحَهُ اَللَّهُ لِخَاصَّةِ أَوْلِيَائِهِ وَ هُوَ لِبَاسُ اَلتَّقْوَى وَ دِرْعُ اَللَّهِ اَلْحَصِينَةُ وَ جُنَّتُهُ اَلْوَثِيقَةُ فَمَنْ تَرَكَهُ رَغْبَةً عَنْهُ أَلْبَسَهُ اَللَّهُ ثَوْبَ اَلذُّلِّ... وَ هَذَا أَخُو غَامِدٍ وَ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ اَلْأَنْبَارَ وَ قَدْ قَتَلَ حَسَّانَ بْنَ حَسَّانَ اَلْبَكْرِيَّ وَ أَزَالَ خَيْلَكُمْ عَنْ مَسَالِحِهَا وَ لَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ اَلرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى اَلْمَرْأَةِ اَلْمُسْلِمَةِ وَ اَلْأُخْرَى اَلْمُعَاهِدَةِ فَيَنْتَزِعُ حِجْلَهَا وَ قُلْبَهَا

جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لیے کھولا ہے ۔ یہ تقوی کا لباس، خدا کی بنائی ہوئی مضبوط زرہ اور پائیدار ڈھال ہے۔ جو شخص اِس سے پہلو بچاتے ہوئے اِس کو ترک کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے لباسِ ذلت پہناتا ہے۔۔ اِسی بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کو دیکھ لو کہ اُس کی فوج کے سوار شہرِ انبار میں داخل ہو گئے، حسان بن حسان بکری کو قتل کر دیا اور تمہارے محافظ گھوڑ سواروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا۔ مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ اُن کا ایک آدمی مسلمان تو دوسرا ذمی عورتوں پر حملہ آور ہوا اور اُن کے زیورات اُتار لیے۔

اِس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مولا امیر المومنینؑ بھی مسجد میں مسلمانوں کو اُن کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرماتے اور اُنہیں دشمنوں سے جہاد اور دیگر اُمورِ شرعیہ کے بارے میں ہدایات صادر فرماتے۔ اگرچہ اِس موضوع کو پھیلایا جائے۔ تو اِس پر مزید بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے اِسی مقدار پر اِکتفاء کرتے ہیں۔ اِس سے ہمارے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ صدرِ اِسلام میں مسلمانوں کی زندگی میں مسجد نے کتنا اہم کردار ادا کیا ہے؟!

مسجد، اُموی وعباسی ادوار میں

ہم مختلف تاریخی ادوار میں مسجد کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ اِس کے لیے وسیع بحث اور کافی گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ مسجد سے متعلقہ تمام اُمور پر تاریخی حوالے سے بات کرنا بھی اِس کتاب کے اہداف میں سے نہیں ہے۔ ہم سرسری طور پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اموی وعباسی ادوار میں مسجد کی افادیت وفعالیت کیا تھی اور اُسے حکومتی طور پر کیا مقام دیا گیا؟ لہٰذا جب ہم تاریخ کے اوراق اُلٹ کر اُن زمانوں میں مسجد کا کردار تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ہمیں اِس کا جواب مساجد کی تعداد میں اِضافے اور فنون تعمیر کے شاہکاروں کی حد تک ہی ملتا ہے۔ اُس زمانے میں مسجد کی حاکمیت ایسی نہ تھی۔ جو اُس سے قبل صدرِ اِسلام کے زمانے میں تھی اور مولا امیر المومنینؑ کی شہادت والے سال یعنی سن ۴۰ ہجری تک باقی رہی۔ اِس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

1- امیر المومنین کی شہادت کے بعد دنیاوی خلافت ایسے شخص کو منتقل ہوئی۔ جس کا اسلام سے انحراف محتاجِ بیان نہیں۔ جب ایک چیز اُس کے مزاج کے ہی خلاف تھی۔ تو ظاہری بات ہے کہ اُس دور میں مسجد سے ایسی افادیت کا سوچنا بھی اَمر محال ہے۔ اُس کے بعد آنے والے اُموی وعباسی خلفاء بھی اِسی ڈگر پہ چلے۔

2- حکومت کا نظام بنو امیہ اور بنی عباسی کے محلات سے چلایا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے مسجد سے ایسے کسی خاص فعل کو انجام دینے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

3- اُموی وعباسی حکمرانوں اور گورنروں کا زیادہ وقت شراب وشباب اور عیاشیوں میں صرف ہوتا۔ حتی کہ جب وہ کسی حکومتی اور سنجیدہ کام کے لیے بھی بیٹھتے تو اُن کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ نہ جاتا۔ اِسی لیے وہ مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کا انتخاب کرتے۔

4 لوگ حکمرانوں پر اپنی جان، مال اور عزت وآبرو کے حوالے سے اعتماد نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگیوں میں مسجد کو وہ فعالیت حاصل نہ ہوئی، جو ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ زیادہ تر آئمہ مساجد اور دیگر اِسلامی عہدوں پر موجود افراد ظالم حکمرانوں کے مسلط کردہ اور اُن کی خوشامد میں دین فروش بنے ہوئے تھے۔

اِن عوامل کو دیکھ کر ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اُن اَدوار میں مسجد کی حقیقی حیثیت یعنی اِسلامی معاشرے کی قیادت ختم ہو چکی تھی۔ مگر جہاں تک دوسرے اُمور کا تعلق ہے۔ جیسے مسجد کی تقدیس واحترام اور اُس میں نماز و عبادات کی بجا آوری آپ نی جگہ بحال تھی۔ حتی کہ شدید تقیہ کے حالات میں بھی یہ سلسلہ نہ رُکا کہ جو حقیقی مسلمان قائدین کو درپیش تھے۔ بہرکیف وہ اتنا سمجھتے کہ کس طریقے سے مسجدوں میں رائج بدعات اور فتنوں کا مقابلہ کر سکتے

ہیں۔مثلاً بنواُمیہ کے اَوائل اقتدار میں وہ جانتے تھے کہ مسجد میں حاضر ہونا مستحب ہے،مگر وہاں منبروں پر مولاعلیؑ کو سب وشتم کرنا گناہِ عظیم ہے۔لہذا اُنہوں نے آئندہ نسلوں کی اِس حوالے سے تربیت کی اور اُنہیں اِس گناہِ کبیرہ سے بچنے کی تاکید کی۔[1] اُس دور میں جو بھی مسجد میں جاتا اُسے آٹھ صورتوں میں سے کسی ایک کا ضرور سامنا کرنا پڑتا۔جن کا ذکر تیسری فصل میں آئے گا۔ بلکہ ایک دوسری جہت سے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا مسجد سے ارتباط کئی حوالوں سے تھا اور وہاں علمی وتدریسی نشستیں بھی ہوا کرتیں۔ بالخصوص اُس زمانے میں کہ جب اُموی حکومت کا خاتمہ اور عباسی حکومت کا قیام ہو رہا تھا۔جیسا کہ اُسے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔علامہ مجلسی قدس سرہ نے بحار میں نقل کیا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔تو وہاں ابوحنیفہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے کچھ مسائل دریافت کیے۔

شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ ابن ابی العوجاء اور ابن طالوت اہل بدعت کے گروہ کے ساتھ حج کے اَیام میں مسجد الحرام کے پاس جمع ہوتے۔تو اُن کی گمراہیوں کے سدِباب کے لیے امام جعفر صادق علیہ السلام قرآن کی صحیح تفسیر بیان فرماتے اور مضبوط وقطعی دلائل کے ساتھ اُن کی باطل باتوں کا رد کرتے۔(الارشاد: ۳۶۳)

اِسی طرح بہت سے شیعہ فقہاء نے بھی اپنے درس وتدریس کے لیے مساجد کا انتخاب کیا۔مثال کے طور پر جعفر بن بشیر الواشاء، جو بڑے زاہد وعابد شیعہ عالم تھے۔اُنہوں نے اپنے طلباء کو مسجدِ کوفہ میں دروس پڑھائے۔اُن کی وفات ۲۰۸ھ میں ہوئی۔انہوں نے ثقہ روایوں سے روایات لیں اور اُن کی روایات کو بعد والے ثقہ محدثین نے نقل کیا۔

اِسی طرح ابان بن تغلب حریری بھی مسجد میں فتاوی دینیہ بیان کرتے تھے۔جن سے امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اجلس فی مسجد المدینة و افت بالناس، فانی احب ان یری فی شیعتی مثلك

شہر کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو فتوی دیا کرو۔میں چاہتا ہوں اپنے شیعوں میں تمہارے جیسے افراد دیکھوں۔(رجال نجاشی: ۸)

اُنہی کی طرح معاذ بن مسلم فراء نحوی ہیں۔جن سے ایک دفعہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو فتوی دیتے ہو؟ تو اُنہوں نے عرض کی: جی آقا! بات اِسی طرح ہے۔میں وہاں فتوی

---

[1] اُن مسلمانوں کی زحمات کے سبب کوفہ میں مولاعلیؑ پر برسرمنابر سب وشتم کا سلسلہ پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔اگرچہ شام میں یہ نحوست پوری طرح پھیل چکی تھی۔

دینے کے لیے بیٹھتا ہوں۔ جب کوئی ایسا آتا ہے جس کے بارے میں مجھے علم ہوتا ہے کہ وہ آپؑ کے مخالفین میں سے ہے۔ تو میں اُسے اُس کے مذہب کے مطابق فتوی دیتا ہوں۔ جب کوئی آپؑ کا حبدار اور چاہنے والا آتا ہے تو اُسے آپؑ کے فرمان کی روشنی میں حکم بتاتا ہوں۔ اور جب کوئی ایسا آتا ہے کہ جس کے بارے میں مجھے یقین نہیں ہوتا کہ وہ کس مذہب کا پیروکار ہے؟ تو میں اُسے کہتا ہوں کہ اِس مسئلہ میں فلاں کی رائے یہ ہے، اور اُس کے بیچ میں آپؑ کا فرمان بھی پہنچا دیتا ہوں۔ (رجالِ کشی: ۱۶۳)

اُس زمانے میں تدریس کے حلقوں کا نظام رائج تھا۔ جیسا کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جاری تھا۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو اُن سے کچھ لے لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! جنت کے باغوں سے آپؐ کی کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: ذکرِ خدا کے حلقے۔ خدا کے کچھ چلنے گھومنے والے فرشتے ہیں۔ جو ذکر کے حلقوں کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جب اُنہیں کوئی حلقۂ ذکر مل جاتا ہے۔ تو اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔

مساجدِ جوامع کے حلقوں میں تعلیم و تدریس اور ذکر و تذکر کا سلسلہ اسماعیلیوں کے دور تک چلا۔ وہ اپنی مساجد میں ایسے حلقوں کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ مقریزی روایت کرتا ہے کہ قاہرہ میں سب سے پہلی مسجد ۳۵۹ ہجری میں معزلدین اللہ کے دور میں بنی۔

پھر سن ۳۷۸ ہجری میں عزیز باللہ بن کلس سے علماء و فقہاء کے ساتھ مالی حوالے سے مدد کی درخواست کی گئی۔ تو اُس نے درخواست قبول کرتے ہوئے تمام فقہاء کے ساتھ عام معاونت کرنے کا اعلان کر دیا۔ اُس نے علماء کے لیے جگہ خرید کر اُن کے گھر تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا۔ تو مسجد کے ساتھ ہی علماء کے گھر بھی تعمیر کر دیے گئے۔ جمعہ کے روز تمام علماء جامع مسجد میں آتے اور نماز کے بعد درس و ذکر کا حلقہ بنا لیتے۔ یہ حلقہ عصر کی نماز تک جاری رہتا۔ (الخطط، جلد ۴ ص ۴۹)

حلقوں میں تدریس کا نظام آج بھی نجفِ اَشرف اور دوسرے دینی حوزات میں جاری ہے۔

ہمارے آئمہؑ میں خصوصی طور پر امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے کافی اہتمام کے ساتھ دین کی تبلیغ کی اور علوم و معارف دنیا کے تمام گوش و کنار تک پہنچانے میں کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ حتی کہ مختلف دیار و اَمصار کے قافلے آپؑ کے فرامین یاد کر کے اپنے علاقوں میں جاتے اور آپؑ کے فیضِ صحبت سے محروم رہنے والوں کی علمی پیاس بجھاتے۔ مکہ، مدینہ اور کوفہ سے ہٹ کر بھی کوئی دنیا کی کوئی جامع مسجد ایسی نہ تھی کہ جس کے حلقۂ ذکر میں آپؑ کا کوئی فرمان نہ پہنچا ہو۔ اِس بات کی تائید وشاء کے قول سے ہوئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں مسجدِ کوفہ میں گیا اور میں نے نو

سو محدثین کی زبان سے ایک ہی جملہ سنا۔ اور وہ جملہ یہ تھا: حدثنی **جعفر بن محمد** علیہ السلام (یہ حدیث مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔)

یعنی اُن تمام محدثین نے امام صادق علیہ السلام کی شاگردی کا دعوی کیا اور بتایا کہ اُنہوں نے جس ہستی سے تربیت حاصل کی ہے۔ وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں، بلکہ فرزندِ پیغمبر امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے۔

اِس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں مسجد کا کردار کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ بالخصوص جب ہم اُن نوسو افراد کے بارے میں ہی سوچیں کہ اُن میں تمام اِسلامی ثقافتوں کی فکر کے حامل افراد تھے۔ جو علم و معرفت کے مختلف النوع حلقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ اُن میں سائنسی علوم جیسے طب، فلکیات اور کیمیاء کے ماہرین بھی تھے۔ جو کہ بغداد پر منگولوں کے حملے اور ۶۵۶ ہجری میں تاتاریوں کے ہاتھوں کے حکومتِ عباسہ زوال کے بعد مغرب تہذیب کی بنیاد بنیں۔ جبکہ عین اُسی وقت حوزۂ علمیہ نجفِ اَشرف کی بنیاد رکھی گئی اور وہ اپنے پورے وقار کے ساتھ علماء کے سایے میں مصروفِ کار رہا۔ یہ چوتھی صدی ہجری اور اُس کے بعد کا واقعہ ہے۔ اِس کے آغاز میں شیخ کلینیؒ اور شیخ عمر بن عبدالعزیز کشیؒ تھے۔ پھر شیخ طوسیؒ اور شیخ نجاشیؒ سے شیخ طبرسیؒ صاحبِ مجمع البیان تک اِس کا ایک عہد گزرا۔

پھر محقق حلیؒ اور علامہ حلیؒ کا زمانہ آ گیا۔ اِن تمام علماء و بزرگان نے تقیہ کی وجہ سے مسلمانوں کی قیادت کی ذمہ داری نہ لی اور اپنے دینی آثار کو محفوظ کرنے میں مصروف رہے۔ جن کے بارے میں خدشہ تھا کہ تیسری صدی ہجری میں غیبتِ کبری کے واقع ہونے کے بعد ناپید ہو جاتے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُنہوں نے اپنے فرضِ منصبی کو بطریقِ اَحسن نبھایا۔ اگر اُن کی زحمتیں نہ ہوتیں تو آج ہمیں کھرا کھوٹا ایک ساتھ ملتا اور ہم حق و ناحق میں فرق نہ کر سکتے۔ اور یہ سب خدا کی توفیق سے ہی ممکن تھا۔

اُس دور میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اپنے اَصل رُخ سے ہٹ گئی تھی کہ جس پر اُسے ہونا چاہیے تھا۔ اِس کے نتیجے میں مسجد کے کردار پہ پردہ آ گیا۔ کیونکہ کوئی ایسی قیادت ہی موجود نہ تھی کہ جس کے ذریعہ مسجد سے مطلوبہ مقاصد کے لیے استفادہ ممکن ہو پاتا۔ پھر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور حوزہ علمیہ میں تھوڑا تھوڑا اِستحکام آتا گیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں اِسلامی نظریات کی عملی تطبیق ہونے لگی۔ اور اِس دوران مسجد بھی اِس قابل ہو گئی کہ اُسے اِسلامی نظریات کی ترویج کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

مسجد میں جانے کے دینی ومعاشرتی فوائد

شیخ صدوقؒ نے خصال میں اپنی سند کے ساتھ مولا امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ ارشاد فرماتے تھے: جو شخص مساجد میں آمد ورفت رکھتا ہے۔ اُسے آٹھ چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ملتی ہے۔ خدا کی خاطر چاہنے والا بھائی، یا مضبوط علم، یا آیتِ محکمہ، یا متوقع رحمت، یا ایسی بات جو اُسے ہلاکت سے بچانے والی ہو، یا ایسی بات جو اُس کی ہدایت کی جانب راہنمائی کرنے والی ہو، یا وہ خدا کے خوف یا اُس سے حیا کرتے ہوئے کسی گناہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

اِسی کتاب میں شیخ صدوقؒ نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ اِس سے ملتے جلتے ہیں۔ اور وہ امام حسن علیہ السلام کے واسطہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ اِن دو حدیثوں سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد میں جانے کی صورت میں ہمیں کون کون سے انفرادی اور اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ہم اِن دونوں قسم کے فوائد کو الگ الگ طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

اِنفرادی فائدہ

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص مساجد میں زیادہ آمد ورفت رکھتا ہے۔ اُسے درج بالا فوائد وبرکات میں سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی اُسے ایک کی بجائے دو، تین، یا اِس سے بھی زیادہ، بلکہ تمام اقسام کے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ فوائد مومن کی ذات کو ارتقاء دیتے ہیں۔ اور پھر اِن کا اَثر معاشرے میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ معاشرہ افراد سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ مساجد کے ساتھ مربوط رہنے سے کچھ اور بھی فوائد ملتے ہیں۔ جو انفرادی کی نسبت اجتماعی زیادہ ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم آنے والی ابحاث میں ذکر کریں گے۔

اب ہم دوبارہ اپنے پہلے نکتہ کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ انفرادی لحاظ سے مسجد سے حاصل ہونے والی برکات کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ تو ہم اپنے قارئین کی آسانی کے لیے اُن کا ذکر کچھ پہلوؤں سے کرتے ہیں:

۱۔ اخلاقی اور روحانی پہلو

مسجدوں میں جانا اُس حکمِ خدا کی اِطاعت کا اظہار ہے۔ جس میں ہمیں خدا کے گھر حاضر ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اِس سے مومن کو خدا کا قرب حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تاکہ وہ کمال وروحانی ترقی کے مدارج کو بآسانی طے کر کے اپنے خدا کے حضور بلند مقام کا اہل ہو جائے۔ مسجدوں میں جانے سے انسان کو تہذیبِ نفس کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ اور خود کو عیوب وگناہوں سے پاک کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ قطع نظر اُن دیگر فوائد کے کہ جن

کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ جیسے مولائے کائنات ؑ ارشاد فرماتے ہیں:

الجلسة في الجامع خير لي من الجلسة في الجنة. لان الجنة فيها رضى نفسي و الجامع فيه رضا ربي

''مجھے جامع مسجد میں بیٹھنا جنت میں بیٹھنے سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ جنت میں میرا دل خوش ہوگا اور مسجد میں بیٹھنے سے میرا خدا راضی ہوگا۔'' (وسائل الشیعہ: جلد ۳ باب احکام المساجد)

حضرت عثمان بن معظون ؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلوں۔ تو آپ ؐ نے فرمایا: اے عثمان ؓ! ایسا مت کرو۔ میری اُمت میں رہبانیت مسجد میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔ (حوالہ سابق)

بنابریں معروف یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا نے خود مسجد میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی علت اور وجہ کیا ہے؟! لہذا جس حاضری سے روح کو ارتقاء و کمال ملتا ہے۔ وہ وہی ہے جو خدا کے حکم کی تعمیل کے لیے ہو۔ قطع نظر اِس کے کہ اُس سے مزید اخروی و اجتماعی کون کون سے فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ چہ جائیکہ دینی فوائد و اہداف کی بات کی جائے۔ جیسا کہ خصال والی حدیث بھی اِس طرف اِشارہ کرتی ہے کہ مسجد میں حاضر ہونے سے اِنسان کو متوقع رحمت بھی نصیب ہوتی ہے۔ المختصر مسجد خدا کا معنوی طور پر تقرب حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ محاسن برقی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے ارشاد فرمایا:

من اقام في مسجد بعد صلاته انتظار الصلاة فهو ضيف الله و حق على الله ان يكرم ضيفه

جو شخص مسجد میں ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے لیے ٹھہر جائے۔ تو وہ خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ اور خدا پر واجب ہے کہ اپنے مہمان کی قدردانی کرے۔ (فقہ اخلاق، جلد ۱، ص ۱۷۸)

۲۔ تربیتی پہلو

انسان کے گھر کے بعد مسجد وہ دوسرا مقام ہے۔ جہاں اجتماعی مقاصد پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لہذا یہ علماء اخلاق کی ذمہ داری ہے کہ جب وہ قرآن و کلام معصومین علیہم السلام کی روشنی میں تربیت کے قوانین بنا رہے ہوں تو مسجد کو بھی اپنے پیش نظر رکھیں۔ یوں معاشرے میں مسجد کا کردار پہلے کی نسبت زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ اِس صورت میں گھرانوں کے سربراہ مسجد سے مربوط رہیں گے۔ جو کہ بذات خود معاشرے کی بنیادی اِکائیاں ہیں۔ اور شریعت مقدسہ کے اصولوں کی روشنی میں ان پر افرادِ معاشرہ کی تربیت واجب ہے۔ جیسا کہ شیخ فلسفی نے بھی اپنی کتابوں میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تربیت کے حوالے سے بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو انسان گھر میں

نہیں سیکھ سکتا۔تو ایسے موارد میں مسجد کو واسطہ بنا کر بچوں کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

مسجد کا کام بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ دینی اور اخلاقی اقدار کو زندہ کیا جائے۔اور لوگوں کے دلوں میں خدا کی محبت پیدا کی جائے۔ان کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ ان کے اندر سے بدکلامی، نام بگاڑنے، بے ہودہ مزاح کرنے اور ان جیسی دیگر بری عادات کا خاتمہ ہو اور بخل، حرص، غرور، غصہ، تکبر، خود پسندی، ریاکاری، حبِ نفس اور ان کی مانند دیگر نفسانی اور روحانی بیماریوں سے نجات کا اہتمام کیا جائے۔اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں ایثار، صبر، بردباری، شجاعت، سخاوت، رحم دلی، نرم مزاجی، عفو درگزر، تواضع و انکساری اور دوسروں سے محبت جیسے اچھے اخلاقیات کا حامل بنایا جائے۔جن سے مومن کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔اور انسان کی زندگی میں ایک نمایاں انقلاب اور تبدیلی نظر آتی ہے۔جس کا اثر اس کے معاشرتی روابط اور خاندان والوں پر بھی پڑتا ہے۔

بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مسجد سے فیض لے کر واپس آتا ہے۔تو اپنے گھر اور خاندان والوں کو وہ چیزیں بتاتا ہے۔جو وہ اسے بتانے اور سکھانے سے قاصر تھے۔جب عراق میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا سلسلہ باقاعدہ طور پر شروع ہوا۔تو ہم نے اس تبدیلی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا۔نماز جمعہ میں شریک ہونے والے افراد مسجد سے محبت و تربیت کا پیغام لے کر اپنے گھروں میں گئے اور اسے اپنے والدین اہل خانہ اور شرکت سے محروم رہنے والے افراد تک پہنچایا۔جیسا کہ مولا امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث مبارکہ بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مومن کو مسجد سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ کوئی ایسی اچھی بات سن لیتا ہے جو اسے ہلاکت سے بچاتی ہے۔یا ایسی بات سن لیتا ہے جو اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

۳۔علمی اور ثقافتی پہلو

ایک مومن کو مسجد میں جا کر جو علمی اور ثقافتی فوائد حاصل ہوتے ہیں انہیں حسب ذیل انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔انسان مسجد سے فقہی دروس سیکھتا ہے۔جن میں اخلاقی مواعظ اور ثقافتی و دینی ترجیحات بھی بتائی جاتی ہیں۔جن کی مدد سے انسان کو معاشرے میں پھیلی گمراہیوں جیسے فتنہ وہابیت وغیرہ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔

۲۔انسان مسجد کی مطبوعہ کتابوں اور تحریری نصیحتوں سے اِستفادہ کرتا ہے۔کہ جن کا مسجد میں آمد و رفت رکھنے والے ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کرتے ہیں۔یا انسان کو امامِ مسجد سے سوالات کرنے کا موقع ملتا ہے۔جن میں سے کچھ سوالات کے جوابات عالم دین اُسی وقت دے دیتا ہے۔کچھ کے جوابات کو نجفِ اَشرف یا کسی دوسرے دینی مرکز سے تائید لینے تک مؤخر کرتا ہے۔اِس کی طرف خصال کی حدیث میں یوں اِشارہ کیا گیا ہے کہ مسجد سے

انسان کو کوئی آیتِ محکمہ سیکھنے کو ملتی ہے۔

۳۔ مومن مسجد میں جا کر اپنے دوسرے مومن بھائیوں سے اِستفادہ کرتا ہے۔ مثلاً کسی سے دینی کتاب یا کوئی علمی رسالہ یا کسی عالم کی ویڈیوز وغیرہ حاصل کر لیتا ہے۔ جن سے مومن کی ثقافتی تربیت ہوتی ہے۔ اور اُسے دین کے اُصول وفروع اور سیرتِ معصومینؑ کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اِس کی طرف حدیث میں کلمہ **او علما مستطرفا** سے اِشارہ کیا گیا ہے۔

یہ جملہ قسم کے فوائد انسان کی شخصیت کی تکمیل کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد صرف کھانا پینا، سونا اور شادی بیاہ کرنا نہیں۔ بلکہ اگر انسان کی زندگی کا ہدف یہ ہو جائے۔ تو پھر اُس میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ بلکہ وہ حیوانوں سے بھی پست تر ہو جائے گا۔

۴۔ تعلق وارتباط کا پہلو

اگر انسان کسی مرکزی طاقت سے مربوط نہ ہو تو یہ اُس کی خود انحصاری، غرور اور کسی معین سمت کی طرف رخ نہ ہونے کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ مگر اُسے یہ شعور ضروری ہوتا ہے کہ اُس کی نسبت ایسے وجود اور مرکز کی طرف ہے۔ جو اُس سے بڑا اور قوی تر ہے۔ اور وہ ذاتِ توحید ہے۔ جس کا مظہر دین اِسلام اور مذہب اہل بیتؑ ہے۔ اور یہ وہ ہدف ہے جو حاصل کرنے کی کوشش کرنا سب پر واجب ہے۔ اِس سلسلہ میں مسجد وہ حلقہ ہے۔ جو انسان کو اِس نسبت سے جوڑتی ہے۔ اور وہ اِس دورِ غیبتِ کبری میں مرجعیت وفقہات کی نسبت ہے۔ فقیہ کے لیے ہوائے نفس کی مخالفت اور حکم خدا کی اطاعت لازم ہے۔ لہذا جب کسی فقیہ میں یہ خاصیت موجود ہو تو امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرمان کی روشنی میں اُس کی تقلید کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور مسجد میں انسان کو یا تو خود مرجع ملتا ہے، یا اُس کا وکیل۔ یوں مسجد ہمیں ہمارے حوزاتِ علمیہ کے ساتھ مربوط کرتی ہے۔

اجتماعی فوائد

یہ وہ فوائد وبرکات ہیں جو انسانوں کو اجتماعی طور پر مسجد میں جانے سے حاصل ہوتی ہیں۔ نیز اوپر جو انفرادی فوائد ذکر ہوئے ہیں۔ اگر وہ مذکورہ بالا چار زاویوں سے ایک فرد کے واسطہ سے ایک خاندان یا ایک معاشرے تک پہنچیں تو اُن کی حیثیت بھی اجتماعی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص مسجد سے سیکھ کر اپنے گھر والوں کو دینی معلومات سے روشناس کرتا ہے۔

مسجد جانے کے اجتماعی فوائد حسب ذیل ہیں:

۱۔ جب مسلمان مسجد میں جاتے ہیں تو ان کی ایمانی اخوت مضبوط ہوتی ہے اور انہیں اسلام کی قوت اور

مسلمانوں کے ایک صف میں کھڑے ہونے کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ منظر نماز باجماعت، نماز جمعہ اور اسی طرح نماز آیات نماز عیدین اور نماز طواف میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان میں سب سے اہم موقع نماز طواف کا ہوتا ہے کہ جو وحدت اور اسلام اور مسلمانوں کی قوت کا سب سے بہترین مظہر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور اسلام کے احکام میں وحدت اور اتحاد کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔

۲۔ مسجد میں حاضر ہونے سے مسلمانوں کے درمیان باہمی ربط برقرار رہتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی رہتی ہے۔ اس کی طرف حدیث میں 'اخ مستفاد' ہے فی اللہ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس باہمی رابطے کے نتیجے میں ان کے درمیان میل ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اور اپنے علاقے اور معاشرے کے اہم مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جیسے فقرا و محتاجوں کی مدد کرنا رفاہِ عامہ کے امور انجام دینا اور خاص طور پر دیہاتوں کے مسائل جیسے سڑکوں اور پانی وغیرہ کے مسائل۔

۳۔ جب مسلمان مسجد میں اپنے مومن بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو اسے قلبی طور پر سکون اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک ایک مومن کو دوسرے مومن سے ایسے سکون ملتا ہے جیسے پیاسے شخص کو ٹھنڈے پانی سے۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بطریق احسن انجام پاتا ہے۔ اس کی طرف مولا امیر المومنین علیہ السلام نے یوں اشارہ کیا ہے کہ مومن مسجد سے کوئی ایسی بات سن لیتا ہے جو اسے برائی سے روکتی ہے یا ایسا کلمہ سن لیتا ہے جو اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۴۔ جب انسان مسجد میں آتا ہے تو اسے یہ تمام تر چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ شاید مسجد اس فریضے کے انجام دہی کا بہترین مصداق ہے۔ یا اس میں فرض یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی رضا کی طلب کے لیے مسجد میں آتے ہیں تو اس میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

۵۔ مسجد سب سے پہلا وہ مقام ہے جہاں معاشرے کی خامیوں کی تشخیص ہوتی ہے۔ کیونکہ مسجد وہ جگہ ہے جہاں ہر طبقے اور ہر نوع کے افراد اکٹھے ہوتے ہیں۔ لہذا وہیں سے ان کی خامیوں اور کمزوریوں کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مسجد سے ہدایات صادر کی جاتی ہیں۔ اس بنا پر معاشرہ وہ میدان ہے جہاں مسجد کے احکام کا نفاذ کیا جاتا ہے۔

۶۔ مسجد جانے سے لوگوں کو عصر حاضر کے مسائل کا ادراک ہوتا ہے۔ اور بالخصوص وہ مسائل کہ جو مسلمانوں کے اتحاد و وحدت کے لیے ایک خطرہ ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا مسجد معاشرے کی اس طرح سے تربیت کرتی ہے کہ

جہاں ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کے امور کی فکر نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

۷۔ مسجد مسلمانوں کے اندر حقیقی اخوت کی روح اور اسلام کو درپیش داخلی اور خارجی مسائل کے حل کے لیے مشترکہ ذمہ داری لینے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اس سے تمام مذاہب اسلامیہ کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ شیخ جواد مغنیہ کہتے ہیں کہ اُمت اسلامیہ تین جہاد سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ ان سب کا خدا ایک ہے کتاب ایک ہے اور قبلہ ایک ہے۔ یعنی اُمت مسلمہ کو جوڑنے والی تین بنیادی چیزوں میں سے ایک چیز مسجد ہے کہ ہر سال زمین کے مختلف گوش و کنار سے مسلمان اس کا رخ کرتے ہیں۔ تاکہ وہاں جا کر ایک شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اور ایک زمین پر خدائے واحد کی بندگی بجالائیں۔ جو کہ مسلمانوں کا روحانی وطن ہے۔

اس عبادت میں ایک عقیدہ ایک شریعت اور ایک وطن کے بنیادی عوامل اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کو یاد رہے کہ اگرچہ وہ زمین پر مختلف جگہوں پہ رہتے ہیں ان کے انساب مختلف ہیں ان کی زبانیں مختلف ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں۔ لیکن ان کا عقیدہ ان کی شریعت اور ان کا ایک روحانی وطن انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیتا ہے۔ جو ان سے تقاضہ کرتا ہے کہ ہر ایک فریق مشترکہ مفاد کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کو قربان کر دے۔ اور وحدت و اتحاد کی لڑی میں خود کو پرو لے۔ (تفسیر الکاشف جلد اول صفحہ 237)۔

۸۔ مسجد مسلمانوں کو ایک ایسی شناخت عطا کرتی ہے۔ جس سے اسلام کے دشمن مرعوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان نکات اور عوامل کو سامنے لاتی ہے جو دین اسلام کے استحکام اور تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ اور یہی وہ اصل خاصیت ہے جو دین اسلام کو باقی ادیان اعتقادات اور آئیڈیالوجیز سے ممتاز کرتی ہے۔ اور وہ عوامل دین اسلام کے احکام کو اجتماعی طریقے سے انجام دینے سے سامنے اتے ہیں۔ اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان تمام تر اسالیب کے نفاذ کا مقام مسجد ہے۔ مسجد کی یہ افادیت ایک اعتبار سے ہے۔ جبکہ ایک دوسرے اعتبار سے مسجد دنیا کے سامنے اسلام کا اچھا تعارف پیش کرتی ہے۔ اور دوسرے ادیان کے حامل افراد کو اس میں داخل ہونے کی طرف راغب کرتی ہے۔

۹۔ مسجد افراد معاشرہ کے درمیان اجتماعی اور اقتصادی فرق کو ختم کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اس فائدہ کے حصول میں مسجد حرام سب سے آگے ہے۔ کیونکہ حج کے اَیام میں سب لوگ ایک ہی لباس میں اور ایک ہی حرکت کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ اور اس میں کسی طرح کی بھی طبقاتی تقسیم کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

۱۰۔ یہاں ہم مسجد کا سب سے اہم اجتماعی فائدہ ذکر کر کے اِس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ جو کہ معاشرے کے اندر ایمان کی دعوت کی ترویج میں نہایت ہی موثر ہے۔ اور وہ دینی شعائر کا احیاء ہے۔ جیسے امام حسین علیہ السلام کی شہادت

کا ذکر، معصومین علیہم السلام کی ولادت وشہادت کے پروگرامز اور دیگر اسلامی مناسبتیں جیسے بعثت نبویؐ، معراج اور شب قدر وغیرہ کے حوالے سے پروگراموں کا انعقاد کیا جانا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کے مساجد میں ان مناسبتوں کے حوالے سے پروگرامز معاشرے پر کتنا اچھا اثر چھوڑتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے:

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

(اور جو شعائرِ الٰہیہ کی تعظیم کرے تو یہ عمل یقیناً دلوں کے تقوی کا سبب بنتا ہے۔) [سورۃ الحج 32]

مسجد جہاد کا پرچم

اب تک جو مسجد کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان ہوئے ہیں۔ ان کی روشنی میں مسجد کی حیثیت اس سرحد کی سی ہے جس میں مسلمان اکٹھے ہو کر صف بناتے ہیں۔ تا کہ اپنے ایمان کے ذریعے دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ حتی کہ سورۃ آل عمران کی آخری آیت میں جو مرابطہ کا ذکر آیا ہے۔ جس کا واضح ترین مصداق میدان جہاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس کی تفسیر بھی مسجد کے ساتھ کی گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: اے ابوذر تم جتنی دیر مسجد میں بیٹھے رہو گے۔ تو خدا تمہارے ہر ہر سانس کے بدلے جنت میں ایک درجہ بنائے گا فرشتے تم پر رحمت بھیجیں گے اور ہر سانس کے بدلے خدا تمہاری دس نیکیاں لکھے گا اور دس برائیاں معاف کرے گا۔ اس کے بعد رسول خدا نے فرمایا اے ابوذر جانتے ہو کہ یہ آیت کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی ہے: اصبروا۔۔۔؟ میں نے عرض کی نہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ آیت ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں لیے بیٹھے رہنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اے ابوذرؓ! تکالیف برداشت کرتے ہوئے پورا وضو کرنا گناہوں کے کفاروں میں سے ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے لیے مسجد میں بار بار آنا ہی رباط ہے۔ اے ابوذرؓ! تین صورتوں کے علاوہ مسجد میں ہر طرح سے بیٹھنا فضول ہے: (۱) حالات نماز میں قران پڑھنا۔ (۲) خدا کا ذکر کرنا۔ (۳) علم کے لیے سوال کرنا ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد ۳ ابواب المواقیت۔ حدیث ۸)

ہمارا دشمن اس بات سے بے خبر نہیں کہ مسجد سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ دین اسلام میں مسجد کی مثال ایک لشکر کے پرچم کی سی ہے۔ اس لیے وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طریقے سے اس پرچم کو گرا دیا جائے۔ تا کہ اسلامی لشکر بکھر جائے۔ وہ اس مقصد کے لیے ہر اچھا ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں اور ہر سازش کو بروئے کار لاتے ہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں میں کچھ ایسے افراد ضرور موجود ہوتے ہیں۔ جو ان کی ریشہ دوانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ کلما اوقدوا نارا۔

مسجد پر ان کے حملے کے دو طریقے ہوتے ہیں:

۱۔ وہ مسجد کی عمارت کو نشانہ بناتے ہیں۔ اور براہ راست یا مخفی آلات کے ذریعہ اسے منہدم کرتے ہیں۔ جیسے حجاج ثقفی نے منجنیق کے ذریعے خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔ اور بنو امیہ کے گھٹیا اہداف کے حصول کے لیے سنگ باری کی۔

۲۔ جب وہ مسجد کی ظاہری عمارت کو نقصان پہنچانے کی جرت نہیں کر سکتے۔ تو اس وقت ان کی کوشش ہوتی ہے کہ مسجد سے مسلمانوں کو مطلوبہ اہداف حاصل نہ ہو سکے۔ مثلاً کبھی وہ اذان پہ پابندی لگاتے ہیں، تو کبھی نماز سے روکتے ہیں، اور کبھی مسجد میں آمد و رفت رکھنے والے افراد کو تنگ کرتے ہیں، یا دین کے خلاف باتیں معاشرے میں رائج کر کے مسجد کے کردار کو غیر موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے صیہونیوں نے مسجد میں نماز ادا کرنے والوں کے خلاف مہم جوئی کی۔ اور انہیں مسجد کے اندر شہید کیا۔

درج بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول خدا اور معصومین علیہم السلام سے مساجد میں حاضر ہونے کی ترغیب پر اتنی زیادہ روایات کیوں آرہی ہیں۔ مساجد میں جانے کا بہترین مظہر وہاں پر نماز با جماعت ادا کرنا ہے۔ جو کہ بعض اوقات اس قدر مفید ہو جاتی ہے کہ اس کی بدولت بہت سے اچھے کام انجام دینا ممکن ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ مولا امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص اذان کی آواز سنے اور بلا وجہ مسجد میں نہ جائے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے اس شخص کو شرم نہیں آتی کہ جس کی ایک کنیز ہو جسے وہ بیچے اور وہ کہے کہ وہ شخص نماز میں حاضر نہیں ہوتا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کے گھر جلانے کا حکم دیا کہ جو گھروں میں نماز پڑھتے تھے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ شامل نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت ایک بوڑھا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ میری آنکھیں بینائی سے محروم ہیں اور بعض اوقات مجھے اذان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ اور نہ کوئی میرے پاس ایسا شخص موجود ہے کہ جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد میں لے آئے۔ تا کہ میں آپؐ کے ساتھ با جماعت نماز ادا کروں۔

اُس کی بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر سے مسجد تک ایک رسی باندھو اور اس کے سہارے چل کر نماز جماعت میں شامل ہو۔ صادق آل محمد علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص نماز فجر اور نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کرے تو وہ خدا کی امان میں ہوتا ہے۔ جو شخص اس کے ساتھ ظلم کرے وہ خدا کے حق میں ناانصافی کرتا

ہے اور جو اس کی تحقیر کرے وہ خدا کی تحقیر کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے آباء کرامؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جا کر نماز مغرب، نماز عشاء اور نماز فجر باجماعت ادا کرے تو وہ ایسا ہے کہ اس نے گویا ساری رات بیدار رہ کر گزاری ہو (وسائل الشیعہ جلد پانچ ابواب صلاۃ الجماعہ)

جمیل بن صالح سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مولاؑ! ان میں سے کون سا عمل افضل ہے آیا کوئی شخص نماز اول وقت میں ادا کر لے یا نماز کو تھوڑا موخر کرے اور مسجد والوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کرے جب کہ وہ ان کا امام ہو۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نماز کو موخر کرے اور مسجد والوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرے۔ جبکہ وہ ان کا امام ہو۔ (مصدر سابق)

مسجد اور ہماری ذمہ داریاں

گزشتہ تین فصلوں میں جو کچھ ذکر ہوا ہے اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں مسجد کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ قرآن کریم اور سنن معصومین رحمت السلام میں واضح نصوص موجود ہیں جو مسجد کے منزلت و مرتبے کو بیان کرتی ہیں۔

سورۃ الجن کی آیت نمبر 18 میں ارشاد ہے:

وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں لہذا تم خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارا کرو۔

سورۃ الاعراف ایت نمبر 29 میں ارشاد ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ [۷:۲۹]

کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم سب ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور خدا کو خالص دین کے ساتھ پکارو اس نے جس طرح تمہاری ابتدا کی ہے اسی طرح تم پلٹ کر بھی جاؤ گے۔

اِسی سورۃ مبارکہ میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو۔ (۳۳)

سورۃ آل عمران میں ارشادِ خدا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ [۳:۹۶]

بیشک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہ مکّہ میں ہے مبارک ہے اور عالمین کے لئے مجسم ہدایت ہے۔

جہاں تک سنتِ شریفہ کی بات ہے تو امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ اے جبرائیل خدا کو زمین کا کون سا ٹکڑا زیادہ پسند ہوتا ہے؟ تو حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ مسجدیں خدا کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ اور مسجد والوں میں سے سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے کہ جو سب سے پہلے مسجد میں جائے اور سب سے اخر میں مسجد سے نکلے۔ (وسائل الشیعہ جلد تین باب 68)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ اپنے آباء کے واسطے سے مولا امیر المومنین سے نقل کرتے ہیں کہ جب خدا اہل زمین پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو یہ کہتا ہے؛ اگر وہ لوگ نہ ہوتے کہ جو میرے حلال سے محبت کرتے ہیں، میری مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں تو میں عذاب نازل کر دیتا۔

المقنع میں نقل ہے کہ تورات میں یہ بات درج ہے کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں اس شخص کے لیے کہ جو اپنے گھر میں باطہارت ہو کر مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ میزبان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مہمان کی قدر کرے۔ ان آیات و روایات اور اس سے قبل ذکر شدہ روایات کی روشنی میں ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں مسجد کا مقام کیا ہے اور اس سے اسلام کو کتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اس فصل میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ مسجد سے متعلق ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں تا کہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرے اور مسجد کی فیوض و برکات سے اسی طرح مستفید ہوتے رہیں۔ بصورت دیگر مسجد ہماری زندگی میں وہ کردار ادا نہیں کر سکے گی جو اسے کرنا چاہیے۔ تو اس سلسلے میں ہماری ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

1۔ مساجد کو آباد کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جن کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے اور جنہوں نے نماز قائم کی ہے زکوٰۃ ادا کی ہے اور سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرے یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کئے جائیں گے۔ (سورۃ توبہ)

اِس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے جو شخص مسجد میں پاکیزہ دل اور جھکی نگاہوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو وہ اُسے معنوی طور پر آباد کرتا ہے۔ اِس انداز سے مومنین کا مساجد میں جانا اُن کے لیے حیات بخش اور اُنہیں ذکرِ خدا سے معمور کرتا ہے۔ اور مساجد کی آبادی اِسی صورت میں ممکن ہے کہ مومنین وہاں جا کر اپنے پروردگار کا ذکر کریں اور اُس

کی عبادت انجام دیں۔ اِسی وجہ سے آیت میں مسجد کی آبادی کو مومنین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ اِس آیت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ صرف مسجد کی ظاہری ساخت اور عمارت کو خوبصورت بنایا جائے۔ اِس کا مسجد کے مادی وجود کے ساتھ ربط نہیں، کیونکہ ظاہری طور پر تو بہت سے منافقین بھی مسجدیں بنا لیتے ہیں (مگر اُن کی نیت اور ہدف مسجد کے ذریعہ لوگوں کو اہل بیتؑ کی محبت وولایت کے راستے سے دور کرنا ہوتا ہے۔)

یہاں صاحبِ تفسیر السعادہ نے ایک نہایت ہی عمدہ تعبیر پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِس آیتِ کریمہ میں عمارہ سے مراد دل کو تعمیر وآباد کرنا ہے۔ کیونکہ انسان کا دل ہی خدا کا گھر، اُس کا حرم اور اُس کی حقیقی مسجد ہے۔ یہ آیت اپنی ماسبق آیت کے ساتھ مربوط ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ مشرکوں کے لیے روا نہیں کہ وہ خدا کی مسجدوں کو آباد کریں۔ حالانکہ تاریخ میں موجود ہے کہ قریش کے مشرکوں نے بھی مسجد کو مادی طور پر تعمیر کیا ہوا تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ مذکورہ دو آیات میں مسجد کو تعمیر کرنے سے مراد اُس کی مادی ساخت اور بلڈنگ نہیں، بلکہ اِس سے مراد مسجد کو معنوی طور پر آباد کرنا ہے۔ اور شریعتِ مقدسہ میں اعمال مقرر کیے جانے کی علت بھی یہی ہے کہ انسانی معاشرے میں معنوی ارتقاء ہو۔ کیونکہ اچھے اعمال کو ظاہری طور پر انجام دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ سب سے اہم چیز انسان کی نیت اور اُس کا قصد ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم، و انما ینظر الی قلوبکم

بے شک خدا تمہاری شکل وصورت اور اعمال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو صرف تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے (کہ تم کس ارادے سے عمل انجام دے رہے ہو) [بحار: جلد ۷۰ باب ۵۴]

مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی: بنی اسرائیل کے لوگوں سے کہیے کہ میرے گھروں میں سے کسی بھی گھر میں پاکیزہ دلوں، جھکی ہوئی نگاہوں پاکیزہ ہاتھوں کے بغیر داخل نہ ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا انزل اللہ عاھة من السماء عوفی منھا حملة القرآن و رعاة الشمس (ای الحافظون لاوقات الصلاة) و عمار المسجد

جب خدا آسمان سے کوئی آفت نازل کرتا ہے تو تین قسم کے افراد اُس سے محفوظ رہتے ہیں: (۱) حاملین قرآن۔ (۲) نمازوں کے اوقات کا لحاظ رکھنے والے۔ (۳) مسجدوں کو آباد کرنے والے۔ (مستدرک الوسائل جلد ۳ ص ۱۴۹)

اِس حدیثِ نبویؐ میں معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مسجدیں آباد کرتے ہیں۔ اُن کا مقام وہی ہے کہ جو نمازوں کے اوقات کی حفاظت کرنے والوں اور حاملین قرآن کا ہے۔ اور یہ بھی وہ افراد ہیں جو مومن اور اہل بیتؑ کے حبدار ہیں۔

اِسی طرح حاملین قرآن بھی صرف وہی لوگ ہیں کہ جو قرآن کی تفسیر وتاویل کا علم رکھتے ہیں، نہ کہ محض اُسے زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ لہذا یہاں مسجد کی آبادی سے مراد اُسے معنوی طور پر آباد کرنا ہے، نہ کہ صرف اُس کی عمارت اور خدوخال درست کرنا ہے۔ اگرچہ یہ آیت اُن مخلص افراد پر بھی منطبق ہوتی ہے کہ جو مساجد میں آمد ورفت کے ساتھ اُس کی ظاہری عمارت پر بھی توجہ دیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ اگر انسان کے اندر اخلاص ہو تو اِس آیت سے ظاہری و معنوی دونوں صورتیں مراد لی جاسکتی ہیں۔

2 مساجد بنانے کی ترغیب

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آپ نی وفات سے قبل آخری خطبہ ارشاد فرمایا اور ہمیں ایسی نصیحتیں فرمائیں کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، دل ڈر گئے، جسموں پر لرزا طاری ہو گیا اور جوڑ جوڑ کانپنے لگا۔ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ نمازِ باجماعت کی منادی کرو۔ حضرت بلالؓ کی آواز سن کر سارے لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر جا ایک خطبہ دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا:

و من بنی مسجدا فی الدنیا اعطاہ اللہ بکل شبر منہ، او قال بکل ذراع منہ مسیرۃ اربعین الف الف عام مدینۃ من ذھب و فضۃ و در و یاقوت و مزدو زبرجد و لؤلؤ۔۔

جو شخص دنیا میں مسجد بنائے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر بالشت، (یا فرمایا: ہر ہاتھ) کے بدلے چالیس لاکھ سال کی مسافت کے برابر بڑا شہر عطا کرے گا۔ جو سونے، چاندی، در، یاقوت، زمرد، زبرجد اور موتیوں سے مرضع ہو گا۔۔ (ثواب الاعمال: باب مناھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج جنت کے چھٹے دروازے پر یہ تحریر لکھی ہوئی دیکھی:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ، من احب ان یکون قبرہ واسعا فسیحا فلیبن المساجد، و من احب ان لا تاکلہ الدیدان تحت الارض فلیکنس المساجد، و من احب ان لا یظلم لحدہ فلینور المساجد، و من احب ان یبقی طریا تحت الارض فلا یبلی جسدہ فلیشتر بسط المساجد

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ جو شخص یہ چاہے کہ اُس کی قبر کھلی اور کشادہ ہو تو اُسے چاہیے کہ مسجدیں تعمیر کرے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ زمین کے نیچے کیڑے اُس کا بدن نہ کھائیں تو وہ مسجد میں جھاڑو لگائے (صفائی ستھرائی کا کام کرے۔)، جو شخص چاہتا ہو کہ اُس کی قبر میں اندھیرا نہ ہو تو مسجد میں روشنی کا اہتمام کرے۔ جو شخص چاہتا ہو کہ زمین کے نیچے اُس کا بدن تروتازہ رہے اور اُس میں خستگی نہ آئے۔ تو وہ مسجد کی

چٹایاں خرید لے۔(مستدرک الوسائل جلد ۳ ص:۳۸۵)

ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر کرنا کتنا اہمیت کا حامل ہے۔اگر مساجد نہ ہوتو ہم وہ برکات حاصل نہیں کر سکتے کہ جو اوپر احادیث میں ذکر ہوئی ہیں۔اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کرادی جائے پھر جب لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم منبر پر تشریف لے گئے اور ان کے سامنے مسجد بنانے والے کا ثواب بیان فرمایا۔اسی طرح جنت کے دروازے پر لکھے ہوئے کلمات سے بھی مسجد کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ مسجد کو اصول دین یعنی توحید نبوت اور امامت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔توجہ رہے کہ مذکورہ ثواب حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ انسان بہت بڑی مسجد بنائے اور اس پر بہت زیادہ خرچ کرے۔بلکہ جس قدر اس کی استطاعت ہے اس کی حیثیت ہے وہ اپنی حیثیت کے حساب سے مسجد بنائے انشاءاللہ وہ مذکورہ تمام اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

بلکہ معصوم نے علیہم السلام کے آثار میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ مسجد کو بغیر چھت کے بنانا مستحب ہے۔حلبی کی صحیح روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا چھت والی مساجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہاں لیکن آج کے دور میں ایسی مساجد میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔اگر عدل کی حکومت ہوتی تو تم دیکھتے کہ مساجد کو کیسے تعمیر کیا جاتا۔(وسائل الشیعہ۔باب ۹)

شیخ صدوق نے مرحلہ جات الفقیہ میں یہ مرسل روایت نقل کی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ہمارے قائم عجل اللہ فرجہ الشریف سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ مسجدوں کی چھتیں ختم کر دیں گے اور انہیں گرانے کا حکم دے دیں گے۔

مسجد کی تعمیر کے کچھ دوسرے آداب ہیں جو میناروں سے متعلق ہیں۔چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بابا کی سند کے ساتھ اپنے آبائے کرام کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مولا علی علیہ السلام ایک مسجد کے طویل مینار کے پاس سے گزرے۔تو آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ مسجد کا مینار اس کی چھت سے بلند نہیں ہونا چاہیے۔جہاں تک بات مسجدوں کو سجانے کی اور ان میں تزین وآرائش کی ہے تو اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت ہے۔آپؑ سے ان مساجد کے بارے میں سوال ہوا کہ جن میں نقش ونگار بنائے گئے ہوں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا۔مگر آج کے دور میں تمہارے لیے کسی ضرر کا باعث نہیں ہے۔اگر عدل کی حکومت قائم ہو جائے تو پھر تم دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔(وسائل شیعہ باب 15 احکام المساجد حدیث ۱)

رہی بات مسجدوں کو بلند اور اونچا بنانے کی۔تو یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ مسجد نبوی کی دیوار ایک

انسان کے قد جتنی تھی۔

3 تقوی، مسجد کی اساس

صرف مسجد بنا دینا اور اس کا ڈھانچہ کھڑا کر دینا اس میں عبادت کیے جانے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ جب تک کہ مسجد بنانے والے کی نیت خالصتاً خدا کے لیے نہ ہو۔ خواہ وہ کسی بھی درجے کی ہو۔ اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو مسجد کی تعمیر سے مطلوبہ ہدف حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات ہدف کے برعکس نتائج برامد ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایسی مساجد مسجد ضرار کی واضح ترین مصداق بن جاتی ہیں۔ خدا فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

''اور جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی کہ اس کے ذریعہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور کفر کو تقویت پہنچائیں اور مومنین کے درمیان اختلاف پیدا کرائیں اور پہلے سے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے لئے پناہ گاہ تیار کریں وہ بھی منافقین ہی ہیں اور یہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے صرف نیکی کے لئے مسجد بنائی ہے حالانکہ یہ خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں خبردار آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں بلکہ جس مسجد کی بنیاد روز اوّل سے تقویٰ پر ہے وہ اس قابل ہے کہ آپ اس میں نماز ادا کریں۔ اس میں وہ مرد بھی ہیں جو طہارت کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی پاکیزہ افراد سے محبت کرتا ہے۔ کیا جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے، یا جس نے اپنی بنیاد اس گرتے ہوئے گڑھے کے کنارے پر رکھی ہو کہ وہ ساری عمارت کو لے کر جہنّم میں گر جائے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ان کی بنائی ہوئی عمارت کی بنیاد ان کے دلوں میں شک کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور انہیں موت آ جائے کہ اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔'' (سورۃ توبہ)

ان آیات کریمہ کا مطلب بالکل واضح ہے اور عنایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مسجد تقوی کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی ان میں عبادت نہیں کی جا سکتی۔

(لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا) امر مؤکد ہے کہ ایسی مساجد میں نماز قائم کرنا منع ہے۔ اس بنا پر مسجد کو جو چیز عبادت

کے قابل بناتی ہے وہ فقط اس کی ظاہری ساخت اور بناوٹ نہیں بلکہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر کے وقت خدا کو کتنا یاد رکھا گیا ہے اور کس نیت کے ساتھ اس کو بنایا گیا ہے۔ لہذا جس مسجد کو تقوی کی بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہو وہی مسجد اس قابل ہوتی ہے کہ اس میں خدا کی عبادت کی جا سکے۔ اسی امتیاز کی وجہ سے بعض اسلامی مساجد ایک جہت دوسری بعض مساجد سے، اور دوسری جہد کے اعتبار سے دیگر ادیان کے عبادت خانوں جیسے کلیساوں وغیرہ سے فرق رکھتی ہیں۔

4 مساجد میں جانے کی رغبت پیدا کرنا

خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۹

ایمان والو جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو ذکر خدا کی طرف دوڑ پڑو اور کاروبار بند کر دو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جاننے والے ہو۔ (سورۃ جمعہ)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر مساجد میں جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سنت معصومینؑ میں بھی اس کی کافی زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس عمل کی بہت زیادہ فضیلت بتائی گئی ہے۔ یہ دوسرا قدم ہے جو مساجد کی تقوی کی بنیاد پر تعمیر کو ظاہر کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حدیث قدسی میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

جان لو کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں۔ یہ آسمان والوں کے لیے ایسے ہی چمکتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔ جان لو کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کے گھر اس کی مسجدیں ہوں۔ سن لو کہ قابل مبارک باد ہے وہ شخص کہ جو اپنے گھر میں وضو کر کے پھر میرے گھر میری ملاقات کو آئے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ میزبان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مہمان کی قدر افزائی کرے۔ جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجد میں آتے ہیں انہیں بشارت دے دو کے روز قیامت ان کے لیے چمکنے والا نور ہوگا۔ (مستدرک الوسائل۔ ص ۳۸۵)

امام جعفر صادق علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد پیدل چل کر جائے تو وہ جس بھی خشکی یا تری پر پاؤں رکھے گا۔ تو اس زمین کے ساتوں طبقے خدا کی تسبیح کریں گے جس کا ثواب مسجد جانے والے کو ملے گا۔ (وسائل الشیعہ باب چار احکام المسجد حدیث۔ ۱)

مرازم سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں پر یہ کام واجب ہیں: مساجد میں نماز ادا کرنا، ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، حق کی گواہی دینا اور جنازوں میں شرکت کرنا۔ (کافی جلد دوم صفحہ 635)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ جو شخص کسی مسجد کی طرف چل کر جائے تو واپس آنے تک ہر قدم کے بدلے اللہ تعالی اس کو دس نیکیاں عطا فرمائے گا، اس کے 10 گنا معاف کرے گا اور دس درجات بلند کرے گا ۔(وسائل الشیعہ باب چہارم حدیث ۳)

5 مساجد کی ویرانی کے گناہ سے بچنا

مسجد کو ویران کرنا اس کو آباد کرنے کی ضد ہے ۔اور اللہ تعالی نے مسجد کو ویران کرنے کو بہت بڑا ظلم کہا ہے۔ارشادِ خدا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو مساجد خدا میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ان لوگوں کا حصّہ صرف یہ ہے کہ مساجد میں خوفزدہ ہوکر داخل ہوں اور ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ۔(سورۃ البقرہ)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ قریش ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے اور مسجد الحرام میں جانے سے روک دیا تھا۔اس امر کی تائید اس روایت ہوتی ہے کہ جب آیتِ برأت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک کعبہ کا حج نہ کرے اور کوئی بھی کعبہ کے گرد برہنہ ہوکر طواف نہ کرے ۔استنباط میں کہا جاتا ہے کہ جو بات کسی ایک مسئلے میں ہوتو وہ اسی مہلت کے ساتھ خاص نہیں ہوتی ۔ بلکہ اس سے متعلقہ تمام موارد پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔

لہذا اس آیتِ کریمہ میں عمومی حکم ہے کہ جس میں مسجد کو ویران کرنے والے کو بہت بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے ۔واضح رہے کہ یہاں مسجد کو ویران کرنے سے مراد اس کی عمارت کو گرانا نہیں بلکہ اس کی معنوی حیثیت کو ختم کرنا ہے ۔اگرچہ مسجد کی عمارت کو نقصان پہنچانا بھی اسی کے زمرے میں آتا ہے۔اور حدیثِ شکوہ سے بھی اِس امر کی تائید ہوتی ہے۔

اسی طرح مولا امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا کہ خدا کے گھر کے بارے میں خدا کا خوف رکھنا۔اگر اسے خالی چھوڑ دیا گیا تو تم خدا کے عذاب سے نہ بچ پاؤ گے۔(نہج البلاغہ)

زریک نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ مساجد نے اپنے ان ہمسائیوں کا شکوہ خدا کی بارگاہ میں پیش کیا کہ جو ان میں آکر نماز نہیں پڑھتے تھے تو اللہ تعالی نے ان کی

طرف وحی کی مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم میں ان کی نماز قبول نہیں کروں گا اور نہ لوگوں میں ان کی عدالت ظاہر کروں گا اور نہ انہیں میری رحمت نصیب ہوگی اور نہ وہ جنت میں میرے جوار میں پہنچ پائیں گے۔(وسائل الشیعہ جلد سے باب دوم)

جولوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیتے تھے اور جمعہ یا جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عمل کو بہت ناپسند کیا۔ پھر ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جولوگ مسجد میں نماز نہیں پڑھنے آتے قریب ہے کہ میں حکم دوں کہ ان کے دروازوں پر لکڑیاں اکٹھی کر کے ان کے گھروں کو ان سمیت جلا دیا جائے۔(حوالہ سابق
)

اسی طرح کچھ لوگ مولا امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں بھی مسجد میں جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جولوگ مسجد میں نہیں آتے انہیں جماعت میں شریک ہونا چاہیے یا پھر وہ ہم سے دور چلے جائیں نہ وہ ہمارے ہمسائے میں رہیں اور نہ ہم ان کے ہمسائے میں ہوں۔ان جملہ فرامین اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مسجدوں میں جانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔حتی کہ بعض احادیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جولوگ مسجد کے ہمسائے میں رہ کر مسجد میں نہیں جاتے اُن کی نماز باطل ہے۔مگر یہ الگ بات ہے کہ فقہاء نے ایسی روایات سے کراہت سمجھی ہے۔یہ چند احادیث اس لیے پیش کی گئی ہیں تا کہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو کہ مسجد کی اہمیت کتنی زیادہ ہے اور معاشرے کی تشکیل میں مسجد کا کتنا کلیدی کردار ہے۔اگر مسجد کو اس کا مقام نہ دیا جائے تو اسلام کے بہت سارے اہداف ختم ہو جائیں گے اور ان کا حصول ناممکن بن جائے گا۔

مسجد کی فضیلت واداب کے بارے میں 40 اَحادیث

آخر میں ہم مسجد اور اس کی فضیلت کے بارے میں 40 احادیث پیش کر کے اپنی بات مکمل کرتے ہیں ۔کیونکہ ایک دفعہ رسول خدا نے مولا علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ ! میری اُمت میں سے جو شخص خدا کی خوشنودی کے لیے 40 احادیث حفظ کرے تو خدا روز قیامت اس کو نبیوں صدیقین اور شہداء کے ساتھ محشور کرے گا۔اوران کی رفاقت ہم نشینی کیا ہی اچھی ہے۔

اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ معصوم علیہم السلام کے کلام میں وہ قوت اور تاثیر موجود ہوتی ہے جو کسی عام آدمی کے کلام میں نہیں ہوسکتی۔اس لیے یہاں ہم اہل بیت علیہم السلام کی کچھ روایات اپنے قارئین کو ہدیہ کرتے ہیں۔جو اس کتاب سے ہمارے مطلوبہ ہدف کے اصول میں نہایت ہی موثر ہیں۔ہم نے درج ذیل احادیث کو کچھ عناوین کی صورت میں پیش کیا ہے۔اور ہر عنوان کے نیچے ایک یا دو یا زائد احادیث ہم نے ذکر کی ہیں۔

1 مساجد آباد کرنا

1۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب آسمان سے کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو اس سے تین قسم کے افراد کو بچا لیا جاتا ہے۔حاملین قران،سورج کی رعایت رکھنے والے یعنی نماز کے اوقات کی پابندی کرنے والے اور مسجدیں آباد کرنے والے۔

2۔مولا امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سِتُّ خِصَالٍ مِنَ اَلْمُرُوَّةِ ثَلَاثٌ مِنْهَا فِي اَلْحَضَرِ وَ ثَلَاثٌ مِنْهَا فِي اَلسَّفَرِ. فَأَمَّا اَلَّتِي فِي اَلْحَضَرِ: فَتِلَاوَةُ كِتَابِ اَللَّهِ، وَ عِمَارَةُ مَسَاجِدِ اَللَّهِ، وَ اِتِّخَاذُ اَلْإِخْوَانِ فِي اَللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ. وَ أَمَّا اَلَّتِي فِي اَلسَّفَرِ: فَبَذْلُ اَلزَّادِ، وَ حُسْنُ اَلْخُلُقِ، وَ اَلْمِزَاحُ فِي غَيْرِ اَلْمَعَاصِي.

چھ چیزیں مروت و مردانگی کا حصہ ہیں ۔اُن میں سے تین چیزیں حضر میں اور تین چیزیں سفر میں ہوتی ہیں۔حالت حضر میں مروت کی تین چیزیں یہ ہیں:۱۔کتاب خدا کی تلاوت کرنا، ۲۔مساجد آباد کرنا، ۳۔خدا کے لیے بھائی بنانا۔جبکہ سفر میں مروت کی تین چیزیں یہ ہیں:۱۔زادِ راہ صرف کرنا، ۲۔حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا، ۳۔گناہ سے بچ کر مزاح کرنا۔

3۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا (کی زندگی) میں مسجد تعمیر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی ہر اینٹ (یا فرمایا:) اُس کے ہر ہاتھ کے بدلے میں جنت میں ایک شہر عطا فرمائے گا۔جس کی مسافت 40 ہزار سال

لمبی ہوگی۔اور وہ شہر سونے، چاندی، در، یاقوت، زمرد، زبرجد اور موتیوں سے بنا ہوگا۔(وسائل الشیعہ جزو ۳،ص :۴۸۶، باب احکام المساجد، حدیث: ۴)

2۔مساجد کے مینار بنانے اور اس میں آرائش کرنے کی مذمت

4ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ اُنہوں نے فرمایا: جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو مسجدوں پر موجود مینار اور گنبد گرانے کا حکم جاری فرمائے گا۔ یہ سن کر میں نے دل میں سوچا کہ امامؑ یہ حکم کیوں جاری فرمائیں گے؟ تو امامؑ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بعد کی ایجاد ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کچھ نہیں کیا اور نہ اِس پر کوئی دلیل موجود ہے۔(بحار الانوار: جلد ۵۲،ص۴۸۶)

5رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا: اے ابن مسعودؓ! جو شخص دنیا کی نعمتوں میں غرق رہے، جب وہ جہنم میں پہنچے گا۔تو وہاں کوئی بھی چیز اُس کے کام نہ آئے گی۔(جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ) یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری زندگی کی خبر رکھتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔یعنی ایسے لوگ مکانات بناتے ہیں، محل تعمیر کرتے ہیں اور مسجدوں میں آرائش وزیبائش کرتے ہیں۔اُن کا سارا ہم وغم دنیا ہے۔

6ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کی نشانیاں بیان فرما رہے تھے۔اُس میں آپؐ نے فرمایا: اے سلمانؓ! قریبِ قیامت مسجدوں کو ایسے سجایا جائے گا جیسے یہود ونصاری کی عبادگاہوں کو سجایا جاتا ہے۔قرآن کو سونے کے ساتھ لکھا جائے گا، مسجد کے اُونچے اُونچے مینار بنائے جائیں گے اور نمازیوں کی صفیں بہت زیادہ ہوں گی ۔مگر اُن کے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت ہوگی اور اُن کی زبانیں جدا جدا ہوں گی۔یہ سن کر حضرت سلمانؓ نے (تعجب سے) کہا: یا رسول اللہؐ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا: جی ہاں، اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے۔(تفسیر البرھان: سورہ محمدؐ)

مسجد میں نماز ادا کرنے کی ترغیب دینا

7مرازم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم پر لازم ہے کہ مسجدوں میں نماز پڑھا کرو، اپنے ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، (حق بات کی) گواہی دو اور جنازوں میں شرکت کرو۔(الکافی جزو ۶،صفحہ ۶۳۵)

8نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد: جو شخص مسجد کی ہمسایگی میں رہتا ہو، اُس کی نماز مسجد میں ہی (کامل) ہوگی۔

9حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس دن خدا کے عرش کے علاوہ

کوئی سایہ نہ ہوگا۔ تو اُس دن سات افراد عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے:

(۱) عادل امام۔ (۲) وہ جوان جو خدا کی عبادت میں پرورش پائے، (۳) جو شخص دائیں ہاتھ سے صدقہ دے تو اُسے آپ نے بائیں ہاتھ سے بھی چھپا کر رکھے۔ اور خدا کے خوف سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔ (۴) وہ شخص جو اپنے مومن بھائی کو ملے تو اُس سے کہے میں کہ میں خدا کی خوشنودی کی خاطر تم سے محبت کرتا ہوں۔ (۵) وہ شخص جو اِس نیت سے مسجد سے نکلے کہ دوبارہ بھی مسجد میں آئے گا۔ (۶) وہ شخص جسے کوئی خوبصورت عورت اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے تو وہ کہے کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

بروایتِ دیگر وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اُس کا دل مسجد کے ساتھ جڑا رہے یہاں تک کہ دوبارہ مسجد میں پہنچ جائے۔

10 فضل بن عبدالملک سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہر قبیلہ سے اُس کا قاصد مسجد میں آتا ہے۔ اور ہر گھر سے (خدا کے نزدیک) محبوب شخص ہی مسجد میں آتا ہے۔ اے فضل! جو شخص مسجد میں آتا ہے اُسے کم سے کم اِن تین فوائد میں سے کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے: وہ کوئی دعا کرتا ہے۔ جو قبول ہوتی اور اُس کی وجہ سے خدا اُسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ یا وہ کوئی دعا کرتا ہے اور اُس دعا کی وجہ سے خدا اُس سے دنیا کی کوئی آزمائش و تکلیف دور کر دیتا ہے۔ یا اُسے خدا کی خاطر محبت کرنے والا کوئی بھائی مل جاتا ہے۔

مساجد میں آمد و رفت رکھنا

11 امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ جو شخص مساجد میں آنا جانا رکھے۔ اُسے مذکورہ آٹھ فوائد میں سے کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے: خدا کی خاطر چاہنے والا بھائی، یا علمِ نافع، یا آیتِ محکمہ، یا متوقع رحمت، یا ایسی بات جو اُسے برائی سے روک دے، (یا وہ ایسی بات سن لیتا ہے جو اُسے ہدایت کی جانب راہنمائی کر دے، یا وہ خوفِ خدا کی وجہ سے یا حیا کے باعث گناہ ترک دیتا ہے۔ (الخصال: 343 حدیث 8)

12 اصبغ بن نباتہؓ سے روایت ہے کہ مولا امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: گزشتہ زمانے میں حکماء کہتے تھے کہ دس وجوہات کی بنا پر مساجد کے دروازوں پہ جانا چاہیے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مسجدیں خدا کا گھر ہیں۔ وہاں خدا کے احکام پر عمل کیا جاتا ہے، اُس کے حق کو قائم کیا جاتا ہے اور اُس کا فرض ادا کیا جاتا ہے۔

مساجد کو ترک نہ کرنا

13 حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت تین چیزیں خدا کی بارگاہ میں اپنا شکوہ پیش کریں گی۔ قرآن، مسجد اور عترتِ رسولؐ۔ قرآن کہے گا: اے میرے رب!

لوگوں نے مجھ میں تحریف کی۔ مسجد کہے گی۔: اے خدایا! لوگوں نے مجھے بند رکھا اور میرے حق کو ضائع کیا۔ اور عترت کہے گی: پروردگارا! لوگوں نے ہمیں (ناحق) قتل کیا، ہمیں اپنے گھر سے نکالا اور ایک دوسرے سے جدا جدا کر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِس کے بعد میں شکوہ ومنازعہ کے لیے دوزانوں ہوکر بیٹھوں گا۔ تو آوازِ قدرت آئے گی: میں یہ شکوہ اُٹھانے کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔ (الخصال: ۱۷۴)

14 زریق سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب مسجدوں نے خدا کی بارگاہ میں اپنے اُن ہمسایوں کو شکوہ کیا کہ جو اُس میں نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کی طرف یہ وحی کی: مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم! میں اُن کی ایک نماز بھی قبول نہ کروں گا۔ نہ لوگوں میں اُن کی عدالت ظاہر کروں گا۔ نہ اُنہیں میری رحمت نصیب ہوگی اور نہ ہی وہ جنت میں میرے جوار میں آپائیں گے۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۳ صفحہ ۴۸۹)

مساجد میں جانے کا استحباب

15 امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص مسجد چل کر جائے تو وہ خشکی یا تری جس جگہ پر بھی پاؤں رکھے گا۔ تو اس کے لیے وہاں سے زمین کے ساتوں طبقے اللہ کی تسبیح کریں گے۔

16۔ ربیع شامی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خاموشی اور خدا کے گھر کی طرف پیدل چل کر جانے سے بڑھ کر کسی عمل سے خدا کی عبادت نہیں کی گئی۔

17۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص اللہ کی مسجدوں میں سے کسی مسجد کی طرف چل کر جائے۔ تو واپس آنے تک ہر قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کی دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔

مسجدیں خدا کا گھر ہیں

18۔ حضرت ابوبصیر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کس وجہ سے مساجد کی تعظیم کی جاتی ہے۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مساجد کی تعظیم کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ زمین میں اللہ کے گھر ہیں۔ (وسائل شیعہ جلد تین باب احکام المساجد)

19۔ محمد بن علی بن حسین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ تورات میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ مسجدیں میرے گھر ہیں۔ میرے اس بندے کو مبارک ہو جو اپنے گھر سے باطہارت ہوکر میرے گھر مجھ سے ملاقات کے لیے ائے

اور میزبان پر واجب ہوتا ہے کہ اپنے مہمان کی قدر افزائی کرے۔ جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجدوں میں آتے ہیں ان کو روز قیامت کے نور کی بشارت دے دو۔ (وسائل شیعہ جلد تین باب احکام المساجد)۔

مسجد جاتے وقت خوشبو لگانا اور عمدہ لباس پہننا

20۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امام علی زین العابدین علیہ السلام کو سردیوں کی رات ایک غلام راستے میں ملا۔ اس وقت آپ نے ریشمی جبہ، ریشمی چادر اور ریشمی عمامہ پہنا ہوا تھا۔ اور بہت عمدہ خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اس نے عرض کی قربان جاؤں کہ رات کے اس پہر آپ ایسے تیار ہو کر کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے جد رسول اللہؐ کی مسجد جا رہا ہوں۔ (حوالہ سابق)

عورت کی مسجد اُس کا گھر ہے

21۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے لیے بہترین مسجد گھر ہیں۔ (وسائل الشیعہ جلد تین باب احکام المساجد)

22۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ عورت کا پردے کے پیچھے نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ (حوالہ سابق)

مساجد، خدا کے پسندیدہ مقامات

23۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ اے جبرائیل خدا کو زمین کا کون سا خطہ سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا: مساجد۔ اور مسجد جانے والوں میں بھی سب سے زیادہ پسند وہ ہے کہ جو سب سے پہلے مسجد میں جائے اور سب سے اخر میں مسجد سے نکلے۔

24۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا کلام قران کریم ہو اور جس کا گھر مسجد ہو تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک عظیم الشان گھر بنائے گا۔ (تہذیب الاحکام جلد تین صفحہ 255)

آخری زمانے کی مساجد

25۔ حضرت زرارہؓ سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مولا امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دین چار چیزوں سے قائم رہتا ہے:

۱۔ بات کرنے والے عالم کے ذریعہ کہ جس کی بات پر عمل کیا جائے۔

۲۔ ایسے غنی اور مالدار کے ذریعہ کے جو اہل دین کو دینے میں بخل سے کام نہ لے۔

۳۔ ایسے فقیر کے ذریعہ کہ جو دنیا کے لیے آخرت نہ بیچ دے۔

۴۔ایسے جاہل کے ذریعے جوعلم حاصل کرنے میں تکبر محسوس نہ کرے۔

اگر کوئی عالم اپنا علم چھپائے، مالدار بخل کرے، فقیر اپنی آخرت دنیا کے بدلے بیچ دے اور جاہل علم حاصل کرنے سے تکبر کرے۔تو دنیا الٹے پاؤں پلٹ جائے گی۔لہذا خبردار! تمہیں مسجدوں اور ایک قوم کے مختلف الخیال لوگوں کے بدنوں کی کثرت دھوکے میں نہ ڈالے۔پوچھا گیا امیر المومنین پھر اس زمانے میں کیسی زندگی گزاری جائے؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر میں لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہو مگر اندر میں اندر سے اُن کے مخالف رہو۔آدمی کے لیے وہی ہوتا ہے کہ جو وہ کماتا ہے اور وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی اور اس سب کے ساتھ خدا سے فرج وآسودہ حالی کا انتظار بھی کرو۔(الخصال باب صفحہ 197)

26۔وررام بن ابی فراس نے ایک معصوم سے نقل کیا ہے کہ معصومؑ نے فرمایا کہ اخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے۔جو مسجد میں حلقوں کی صورت میں بیٹھ کر دنیا کا ذکر اور دنیا کی محبت کی باتیں کریں گے تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا۔خدا کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔(وسائل الشیعہ جلد3 باب احکام المساجد)

آدابِ مساجد

27 مسجد میں تکیہ لگانا عرب کے راہبانیت ہے اور مومن کی مجلس مسجد ہے اور مومن کی عبادت گاہ اس کا گھر ہے ۔(وسائل شیعہ جلد3 باب احکام المساجد)

28۔امام موسی کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کے مساجد میں بچوں دیوانوں اور خرید وفروخت کرنے والوں کو نہ آنے دو۔

29۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذرؓ! اچھی بات کہنا صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو تم اٹھا کر مسجد کی طرف جاؤ وہ صدقہ ہے۔اے ابوذر جو شخص خدا کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت پر لبیک کہے اور اللہ کی مسجدوں کو آباد کرے تو وہ جنت میں ہوگا ۔حضرت ابوذرؓ نے پوچھا: یارسول اللہؐ! مسجدوں کو کیسے آباد کیا جاتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ اُن میں آواز بلند کی جائے نہ اُن میں باطل کا غوغہ ڈالا جائے، نہ ہی ان میں کسی چیز کی خرید وفروخت کی جائے۔جب تک مسجد میں رہو اس میں لغو باتوں اور فضولیات کو ترک کیے رہو۔اگر ایسا نہیں کرو گے تو روز قیامت تم اپنے آپ ہی کو ملامت کرو گے۔(حوالہ سابق)

30۔مولا علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مسجد میں کسی کو شعر کہتے ہوئے سنو۔تو کہو کہ خدا تمہارا منہ توڑے کہ مسجدیں تو صرف قرآن پاک پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔

31۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپؑ نے اپنے بابا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسجد کے حق کی تعظیم کرتے ہوئے اپنا لعاب روکے رکھے۔تو اللہ تعالی اس کے لعاب کو اس کے بدن میں صحت کا ذریعہ بنادے گا۔اور اس کے جسم کی بیماریوں سے اس نے نجات مل جائے گی۔(حوالہ سابق)

32۔امام علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی چیز کھالے کہ جس کی بو سے لوگوں کو اذیت ہوتی ہو تو وہ مسجد نہ جائے۔

33۔امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب تم مسجد جاؤ اور تم وہاں پر بیٹھنا چاہو تو باطہارت ہو کر مسجد میں داخل ہونا اور جب تم مسجد میں داخل ہو جاؤ تو قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا۔اور داخل ہونے سے پہلے خدا کا قرب مانگنا اور اللہ کی حمد کرنا اور اپنے نبی پر درود بھیجنا۔

34۔جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ مسجد میں جاتے۔تو اپنی ذات پر درود بھیجتے اور کہتے اے اللہ مجھے معاف فرما اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے نکلنے لگتے تو پھر اپنے آپ پر درود بھیجتے اور کہتے:

اے اللہ میرے گناہ معاف فرما اور میرے لیے اپنے فضل وکرم کے دروازے کھول دے۔(حوالہ سابق)

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا

35۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ کچھ لوگ گھروں میں نماز پڑھتے تھے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھروں کو جلانے کی دھمکی دی۔اس وقت ایک بوڑھا شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نابینا ہوں اور بعض اوقات مجھے اذان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی اور نہ ہی کوئی ایسا بندہ موجود ہے کہ جو مجھے جماعت کے وقت مسجد میں لے آئے تاکہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرسکوں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر سے مسجد تک رسی باندھو اور اس کے سہارے چل کر مسجد کی نمازِ جماعت میں شامل ہو۔

36۔حضرت ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسجد کے پڑوس سے اذان کی اواز سن کر مسجد نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔(حوالہ سابق)۔

37۔امام جعفر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے آباء کرام کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز مغرب نماز عشاء اور نماز فجر مسجد میں ادا کرے تو اس نے گویا پوری رات بیدار ہو کر گزاری۔

38۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے اپنے آباءِ کرام کے واسطے سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی ہمسائے میں رہنے والوں پر شرط رکھی تھی کہ وہ نماز با جماعت میں شریک ہوں گے۔اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز میں شریک نہیں ہوتے وہ اپنی عادت سے باز آجائیں۔نہیں تو میں مؤذن کو حکم دوں گا کہ وہ اذان دے پھر اقامت کہے۔اور اِدھر سے میں اپنے اہل بیتؑ کے ایک فرد یعنی علی ابن ابی طالب کو ان لوگوں کی طرف بھیجوں گا کہ وہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھر جلا دیں کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔

39.حضرت زرا سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز جماعت سے اور مومنین سے بلا وجہ نفرت رکھتے ہوئے نماز جماعت ترک کر دے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

40۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جماعت اور نماز کے لیے اکٹھا ہونے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون نماز پڑھتا ہے، اور کون نماز نہیں پڑھتا اور کون نماز کے اوقات کا لحاظ رکھتا ہے۔اور کون نماز کے اوقات کو ضائع کرتا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی کسی کے نیک ہونے کی گواہی نہ دے سکتا۔کیونکہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے مسلمانوں کی نظر میں اس کی نماز نہیں ہوتی۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ بغیر کسی عذر کے نماز نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔(وسائل الشیعہ جلد 5 ابواب صلوۃ الجماعہ)

مساجد کے احکام و آداب

اب جب کہ ہم جان چکے ہیں کہ اِسلام میں مسجد کا مقام نہایت نمایاں ہے۔اور اِس کا دینی معاشرے کی تشکیل میں کلیدی کردار ہے۔تو یہاں ہم اِس کے آداب کے حوالے سے کچھ باتیں بیان کریں گے کہ مسجد کے اندر انسان کے لیے کیا واجب اور کیا مستحب ہے۔اور اِسی طرح کون سی باتیں مکروہ اور کون سے کام مسجد میں انجام دینا حرام ہے۔تا کہ ہمارے قارئین کو مسجد کے بارے میں ہر جہت سے کچھ نہ کچھ آگاہی ہو جائے۔اور پھر اِس کے آخر میں ہم ایک فقہی مذاکرہ پیش کریں گے۔جس میں سماحۃ المرجع آیۃ اللہ الشیخ محمد یعقوبی (دام ظلہ) نے مسجد سے متعلق پیش آنے والے سوالات کے جوابات دیے ہیں۔خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مرجع عالی قدر کا سایہ ہم پر قائم رکھے اور اپنی رضا و خوشنودی کے لیے اعمال انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین!)

واجبات ومحرمات

فقہائے مذہبِ امامیہ نے اپنے رسائل عملیہ میں مسجد کے متعلق کچھ احکام ذکر کیے ہیں۔

۱: اَحوط کی بنا پر مسجد کو سونے کے ساتھ سجانا اور اُس کی آرائش کرنا حرام ہے۔اور اِسی طرح اُس میں ذی روح چیزوں کی تصاویر بنانا بھی حرام ہے۔کیونکہ مسجد عبادت و بندگی کی جگہ ہے اور اُس میں خدا سے ملاقات کا موقع ملتا ہے۔لہذا اُس میں یہ کام انجام دینا ممنوع ہے۔البتہ سونے سے ہٹ کر کسی چیز سے مسجد کو سجانے اور اُس میں قرآنی آیات واحادیث کی کتابت وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اگرچہ مسجد میں مطلقاً آرائش کرنا ہی مکروہ ہے۔

۲: مسجد اور اُس کی چیزوں وآلات کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں۔اگرچہ وہ اتنی ویران ہوجائے کہ اُس میں مسجد والے آثار بھی باقی نہ رہیں۔اور نہ اُسے ملکیت میں داخل کرنا جائز ہے۔اور نہ ہی اُسے راستے میں شامل کرنا جائز ہے۔اِس حکم سے وہ مسجد ہونے کے اَحکام سے کبھی خارج نہیں ہوتی۔مگر یہ کہ وہ بالکل زمین کی مانند ہوجائے۔اور وہ زمین صدرِ اِسلام میں بزور وتسلط قبضے میں آئی ہو۔

۳: مسجد سے مٹی، ریت اور بجری اور دوسری چیزیں ایسی چیزیں نکالنا حرام ہے کہ جو مسجد کا حصہ بن چکی ہوں۔ایک خبر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ اپنے باباؑ سے نقل کرتے ہیں:

اذا اخرج احدکم الحصاۃ من المسجد فلیردھا مکانھا او فی مسجد آخر، فانھا تسبح

اگر تم میں سے کوئی شخص مسجد سے کوئی (اینٹ یا) پتھر باہر نکالے تو اُسے واپس اُس کی جگہ پر رکھ دینا چاہیے، یا کسی دوسری مسجد میں لے جانا چاہیے۔تو وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے۔(وسائل الشیعہ جلد ۳ باب احکام المساجد)

لیکن جب مسجد کی تعمیر وغیرہ کا کام ہو رہا ہو تو اُس صورت میں فالتو مٹی اور پتھر وغیرہ کو باہر نکالنا جائز ہے۔اِسی مسجد کی صفائی کے دوران جو مٹی اور کوڑا جمع ہوا اُسے بھی باہر پھینکنا جائز ہے۔

قارئین کے لیے قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مسجد کے قالین اور وہ تمام چیزیں جو اُس مسجد کے لیے وقف کی گئی ہوں۔اُنہیں مسجد سے نکالنا، یا بیچنا، یا اُن میں ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے کہ جس سے اُن کا ایک جگہ سے دوسری جگہ استعمال ہونا یا ضائع ہونا شمار ہو۔

۴: مسجد کو نجس کرنا حرام ہے۔اگر خدانخواستہ مسجد نجس ہوجائے۔تو اُس سے فوراً نجاست زائل کرنا واجب ہے

۔اگر نجاست زائل کرنا نماز سے مزاحم ہو۔تو پہلے مسجد کو پاک کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ نماز کا وقت تنگ نہ ہو۔اِس مسئلہ کی مزید تفصیل رسائل عملیہ میں موجود ہے۔

● بیت الخلاء اور اُس جیسے دوسرے مقامات پر مسجد بنائی جاسکتی ہے کہ جہاں بول و براز کی نجاستیں ہوں۔ اِس طرح کہ اُنہیں پاک مٹی سے بھر دیا جائے۔اِس صورت میں باطن کی نجاست کوئی ضرر نہیں دیتی۔اگر چہ اُسے تمام مقامات سے نجس کرنا جائز نہیں ہوتا۔لیکن اَحوطِ مستحب ہے کہ پہلے نجاست کا اِزالہ کیا جائے۔یا مسجد کو صرف اتنی ہی جگہ پر بنایا جائے کہ جس کا ظاہری حصہ پاک ہو۔

۵: شارع مقدس نے مسجد کے تقدس کو محفوظ رکھنے کے لیے حکم دیا ہے کہ مسجد میں مجنب و حائض کا داخل ہونا حرام ہے۔

۶: اَحوطِ وجوب کی بنا پر مسجد میں کسی میت کو دفن کرنا جائز نہیں۔اگر چہ وہ گناہوں سے محفوظ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ہاں! اگر مسجد کی جگہ وقف کرنے والا اُس کے لیے جگہ معین کر دے اور وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہتا ہو۔تو اُس صورت میں اُس کی مسجد میں تدفین جائز ہوگی۔

مستحب اُمور

علماء کرام نے مسجد کے حوالے سے کچھ مستحب اُمور بیان کیے ہیں۔اُن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونا اور سب سے آخر میں باہر آنا۔

(۲) مسجد میں چراغ روشن کرنا اور صفائی ستھرائی کرنا۔

(۳) داخل ہوتے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر رکھنا۔

(۴) باطہارت ہو کر مسجد میں جانا۔

(۵) جوتوں میں نجاست سے بچا کر آنا۔

(۶) مسجد میں داخل ہونے کے بعد نماز تحیۃُ المسجد پڑھنا۔جو کہ دو رکعت ہے۔اَحوطِ مستحب ہے کہ انسان اُنہیں رجاءِ مطلوبیت کی نیت سے ادا کرے۔مزید اُس کی جگہ کوئی بھی واجب یا مستحب نماز کافی ہوسکتی ہے۔

(۷) خوشبو لگا کر مسجد میں آنا۔(۸) مسجد میں آتے ہوئے لباس فاخرہ پہن کر آنا۔

مکروہات

علماء کرام کہتے ہیں کہ مسجد کے دروازے کے پاس طہارت کی جگہ بنانا مستحب ہے۔ مسجد میں درج ذیل اُمور انجام دینا مکروہ ہے:

(۱) تھوکنا، کھنکارنا اور سونا۔ مگر یہ کہ بہ امر مجبوری ایسا کرنا پڑے۔

(۲) آواز بلند کرنا۔ مگر اَذان یا ایسے ہی کسی نیک عمل کے لیے بلند کی جائے۔

(۳) گم شدہ چیز ڈھونڈنا اور اُس کا اعلان کرنا۔

(۴) چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز چلنا۔

(۵) بے ہودہ اور لایعنی اَشعار پڑھنا۔

(۶) خرید و فروخت کرنا۔

(۷) دنیوی کاموں کے بارے میں باتیں کرنا۔

(۸) چھوٹے حشرات جیسے چیونٹیاں اور جوئیں مارنا۔

(۹) حد جاری کرنا۔ (۱۰) مسجد کو قضاوت اور اپیل دائر کرنے کی جگہ قرار دینا۔

(۱۱) تلوار کو بے نیام کرنا۔

(۱۲) تلوار کو قبلہ کی سمت لٹکانا۔

(۱۳) پیاز، لہسن یا ایسی کوئی دوسری چیز کھا کر مسجد میں داخل ہونا کہ جس کی بو سے لوگوں کو اذیت پہنچے۔

(۱۴) بچوں اور دیوانوں کو مسجد میں لانا۔

(۱۵) دست کاری کرنا۔

(۱۶) شرم گاہ سے پردہ ہٹانا۔ جبکہ کوئی دوسرا دیکھ نہ رہا ہو۔

(۱۷) ناف، ران اور گھٹنے کو ظاہر کرنا۔ (۱۸) ریح نکالنا۔

● مردوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ نوافل گھر پر ادا کریں۔ اور فرائض کو مسجدوں میں جا کر پڑھیں۔ لیکن عورت کی مسجد اُس کا گھر ہے۔

مساجد کی توسیع

اگر کچھ عرصہ بعد مسجد کی توسیع کی ضرورت پیش آئے، تو کیا نئی شامل کی جانے والی جگہ پر بھی مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟ کیا تمام مساجدِ معروفہ اِس طرح قابل توسیع ہوتی ہیں اور نئی ملحق ہونے والی جگہ پر بھی وہی احکام لاگو ہوتے ہیں؟

تمام فقہاء نے اِن سوالات کے جوابات تقریباً ایک جیسے دیے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام مسجدیں قابلِ توسیع ہوتی ہیں۔ اور نئی شامل کی گئی جگہ پر بھی وہی مسجد والے احکام جاری ہوتے ہیں۔ سوائے اُن احکام کے کہ جو کچھ مساجد کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد کوفہ، تو اُن کے بارے میں جو خاص احکام ہیں وہ اضافی ملحق کی جانے والی جگہ پر لاگو نہ ہوں گے۔ جیسے نماز پوری یا قصر پڑھنے میں اختیار ہونا، یا مجنب و حائض کا مسجدِ حرام و مسجدِ نبویؐ سے گزرنا حرام ہونا۔

مسجد کی زمین

اگر کسی ایسی جگہ پر مسجد بنانے کا اراہ کیا جائے کہ جس پر خمس واجب ہو چکا ہو، یا جو مجہول المالک ہو، یا اُس پر حقوقِ شرعیہ میں سے کوئی حق واجب ہو، یا وہ غصب شدہ ہو۔ تو ایسی تعمیر کی جانے والی مسجد پر مسجدیت کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ لیکن خمس والی یا مجہول المالک زمین پر مسجد بنانے کے لیے حاکمِ شرع سے اجازت لی جاسکتی ہے۔

ایسے مورد میں مسجد پہلے مرحلے سے ہی حوزہ کے ساتھ مربوط ہو جائے گی اور اُس کا ارتباط بعد میں بھی باقی رہے گا۔ یوں اُس مسجد کی تعمیر تقوی کی بنیاد پر قرار پائے گی۔ نہ کہ اِس کے برعکس کوئی شخص دنیوی اغراض کے لیے واجب کو چھوڑ کر مستحب پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ العیاذ باللہ۔

فقہی مذاکرہ

اب ہم اپنے قارئین کی خدمت میں مسجد کے احکام سے متعلق ایک فقہی مذاکرہ پیش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اُن سے وعدہ کیا تھا۔ یہاں شیخ یعقوبی (دام ظلہٗ) سے اِس موضوع پر کچھ سوالات کیے گئے جس کے انہوں نے نہایت علمی انداز میں جوابات پیش کیے ہیں۔

سوال ۱: کیا مساجد میں جا کر نمازِ جماعت ادا کرنا اور شعائرِ دینی میں شرکت جیسے مجالس و دروس کے حلقوں میں بیٹھنا واجب ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ اِس سوال کا جواب کئی جہات سے دیا جا سکتا ہے۔

● اخلاقی اعتبار سے:

اِس لحاظ سے یہ کام واجبِ موکد ہیں۔ کیونکہ مسجد میں جانے سے انسان کو مختلف طریقوں سے خدا کی اطاعت اور نیکی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے:

1 مسجد کی طرف پیدل چل کر جانے کا ثواب۔ چنانچہ حدیث ہے کہ جو شخص مسجد چل کر جائے تو وہ خشکی یا تری جہاں پر بھی قدم رکھے تو وہ زمین ساتوں طبقوں تک اُس شخص کے ثواب کے لیے خدا کی تسبیح کرے گی۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۳ باب احکام المساجد، حدیث ۱، ۲) اِسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ خاموش رہنے اور خدا کے گھر کی طرف پیدل چل کر جانے سے بڑھ کر کسی بھی عمل سے خدا کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔ (مصدرِ سابق)

2 خصوصی طور پر نمازِ جماعت کی فضیلت کو پا لینا۔ دوسرا یہ کہ جماعت بھی نماز کے اول وقت پر ہوتی ہے۔ اِس طرح انسان کو اول وقت میں نماز ادا کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ

فضل صلاۃ الجماعۃ علی صلاۃ الرجل فردا خمس و عشرون درجۃ فی الجنۃ

نماز با جماعت کو انسان کی فرادیٰ نماز پر جنت کے پچیس درجوں کے برابر فضیلت و فوقیت حاصل ہے۔ (وسائل الشیعہ، جلد ۵، ابواب صلاۃ الجماعۃ)

اِس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں نمازِ جماعت ترک کرنے کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص نماز

جماعت اور مومنین سے نفرت کرتے با جماعت نماز ترک کر دے تو اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ اِسی طرح ایک روایت میں نمازِ با جماعت میں شریک ہونے کے لیے کافی زیادہ اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ نابینا شخص والی روایت سے بہت زیادہ تاکید سمجھ میں آتی ہے۔ جو کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

3 مسجد میں نماز ادا کر کے اُسے آباد کرنے کا ثواب حاصل کرنا، اُس میں ذکر و دعا کے لیے موجود رہنا، اہل ایمان بھائیوں سے ملاقات کرنا، مفید معلومات کا تبادلہ کرنا اور وعظ و نصیحت سننا وغیرہ۔ جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ اپنے آباءِ کرامؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب خدا اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ اگر وہ لوگ نہ ہوتے کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، میری مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ تو زمین والوں پر اپنا عذاب نازل کر دیتا۔ (وسائل الشیعہ جلد ۳، احکام المساجد، باب ۸)

4 دینی، اجتماعی، روحانی اور دوسرے بہت سے فوائد کہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

● شرعی یا فقہی اعتبار سے:

شرعی اور فقہی لحاظ سے مسجد میں حاضر ہونا دو طرح سے واجب سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ واجبِ کفائی: اگر یہ دیکھا جائے کہ مساجد کو بند کرنا حرام ہے۔ اور اِس لیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ افراد ضرور مسجد میں جائیں۔ تا کہ سب گناہ گار نہ ہوں۔ کیونکہ امام صادق علیہ السلام کے فرمانِ مبارک کی روشنی میں جو تین چیزیں بروزِ قیامت شکوہ کریں گی۔ اُن میں سے ایک وہ مسجد بھی ہے۔ جسے ویران رکھا جائے اور اہلِ محلہ اُس میں جا کر نماز ادا نہ کریں۔

۲۔ واجبِ عینی: ہمارے مصادرِ حدیث میں کچھ ایسی روایات بھی موجود ہیں۔ جن سے مسجد میں جانا واجب سمجھا جا سکتا ہے۔ بالخصوص جو مسجد کے قریب رہتے ہوں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو لوگ مسجد کے ساتھ رہتے تھے، آپؑ نے اُن پر نمازِ با جماعت میں شریک ہونے کی شرط رکھی تھی۔ اِسی طرح حدیثِ نبویؐ ہے جس میں آپؐ نے لوگوں کو تہدید کرتے ہوئے فرمایا کہ جو نماز کے وقت مسجد میں نہیں آتے، وہ اپنی عادت سے باز آ جائیں۔ ورنہ میں اپنے اہل بیتؑ میں سے ایک شخصیت یعنی علیؑ کو بھیجوں گا۔ تو وہ اُن کے گھروں پر لکڑیاں جمع کر کے اُنہیں آگ لگا دیں گے۔ کیونکہ وہ نمازِ با جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۵ ابواب صلاۃ الجماعۃ)

سوال ۲: جب مسجد میں جانا اس قدر اہم ہے تو پھر ہم اپنے معاشرے کو اِس طرف متوجہ کیوں نہیں پاتے؟ کیا

وجہ ہے کہ بہت ہی کم تعداد میں لوگ مسجد میں جاتے ہیں؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ بلاشبہ ہمارے معاشرے کی حالت نہایت قابلِ اَفسوس ہے۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے اندر دینی جذبہ کتنا کم ہے اور دین اُن کے رگ و پے میں مخلوط نہیں ہوا۔ وہ صرف زبان کی حد تک ہی دیندار ہیں۔ میں اِس بات سے اچھی طرح آگاہ ہوں کہ اگر کوئی مسجد شہر کے وسط میں، یا کسی گنجان آباد علاقے میں ہو تو وہاں بھی سو سے زیادہ نمازی نہ ہوں گے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی لوگ کہاں ہیں اور وہ کیوں مسجد نہیں آتے؟! نماز کے وقت پر ایسا کون سا اہم کام تھا۔ جس کی وجہ سے وہ نمازِ باجماعت میں شریک نہ ہو سکے؟!

بلکہ بعض اَوقات تو آپ مسجد کے خطیب کو بھی نماز کے وقت پر ہوٹل، یا برے دوستوں کی محفل میں، یا سڑکوں اور چوکوں پر بے مقصد پھرتا ہوا دیکھیں گے۔ یہ ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے اور اِس ناسور کی اِصلاح بہت ضروری ہے۔

سوال ۳: سماحۃ المرجع ہمارے ساتھ یقیناً اتفاق کریں گے کہ اِس بات پر صرف اَفسوس کرنا کافی نہیں ہے۔ تو اِس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کیا اقدامات اُٹھانے چاہئیں؟ تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی مسجد میں نمازِ جماعت کے ساتھ شرکت کو یقینی بنایا جائے۔ اور اِس سلسلہ میں حوزہ علمیہ ہمارے ساتھ کس حد تک تعاون کر سکتا ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ اِس مسئلہ کو دو طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کچھ کاموں کی ذمہ داری حوزہ اُٹھائے اور کچھ کام افرادِ معاشرہ اپنے ذمہ لیں۔

حوزہ کی ذمہ داریاں یہ ہیں:

۱۔ ہر اُس مسجد کو آباد کرنے کی کوشش کرے کہ جو معطل ہو اور جس میں نمازِ جماعت کا سلسلہ رُکا ہوا ہو۔

۲۔ ہر نماز، یا کم سے کم ہر جمعہ کو لوگوں کو درسِ اخلاق دیں اور اُنہیں مساجد آباد کرنے کی اہمیت کی طرف متوجہ کریں۔

۳۔ حوزہ کے علماء اپنی ذمہ داریوں کو اخلاقی، علمی، ثقافتی اور اجتماعی اعتبار سے اِس طرح عمدگی کے ساتھ ادا کریں کہ اُن میں سے ہر ہر فرد پورے معاشرے کے لیے کافی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اقرباء کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اے اولادِ عبدالمطلبؑ! اگر تم اپنے اَموال کے ذریعہ لوگوں کے فراخ دلی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تو اپنے اخلاق سے ہی کر لیا کرو۔

اِسی طرح اَفرادِ معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ حوزہ علمیہ کے ساتھ اپنے روابط مضبوط کریں۔ حوزہ کی تعلیمات وہدایات پر عمل کریں اور صدائے حق بلند کرنے کے لیے حوزہ کو اپنا کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کریں۔ اُنہیں دنیا

پرست نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا والوں کی آواز پر تو دوڑ دوڑ کر جائیں، مگر جب انہیں دین کے لیے بلایا جائے تو زمین کے ساتھ چمٹے رہیں۔ اگر اِس سلسلہ میں خطیبِ مسجد کوتاہی کر رہا ہو تو اُن کی ذمہ داری ہے کہ اُسے اپنے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں اور اُسے اُس کے فکری جمود سے باہر لائیں۔ اور اگر کوئی معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو تو اُس کے متعلق مرجعیت سے راہنمائی لیں۔ لیکن اگر خطیب اُنہیں مرجعیت کے ساتھ ملانے کا واسطہ بن رہا ہو۔ تو اُنہیں ہر حال میں اُس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

سوال ۴: حدیثِ شریف میں وارد ہوا ہے کہ لا صلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد مسجد کے ہمسائے کی نماز کسی دوسری جگہ پر نہیں ہوتی۔ فقہاء کہتے ہیں کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے ہمسائے کی نماز گھر میں کامل نہیں ہوتی۔ کسی بھی فقیہ نے یہ فتوی نہیں دیا کہ گھر میں اُس کی نماز باطل ہے۔ کیا اِس بارے میں آپ کا فتوی بھی یہی ہے؟ دوسرا اگر گھر میں نماز کے باطل ہونے کا فتوی نہ دیا جائے تو کیا اِس سے مسجد میں حاضر ہونے کے حکم کو معمولی اور بے وقعت سمجھنا لازم نہیں آتا، کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ اِس حدیث میں 'لا' نفی جنس کے لیے ہے۔ لہذا اِس کا معنی حقیقتِ نماز کی نفی ہے۔ یعنی جو شخص مسجد کے ہمسائے میں رہتا ہو اُس کا کسی دوسری جگہ نماز پڑھنا لغو ہے۔ لیکن ہمارے پاس کچھ دوسرے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کہیں بھی ادا کی ہوئی نماز کافی ہوتی ہے اور اُس کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مسجد سے ہٹ کر ہی کسی جگہ پڑھے۔ لہذا اس حدیث میں 'لا' سے کمال کی نفی مراد لی جائے گی۔ اِس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کے علاوہ کسی جگہ انسان کی نماز کامل نہیں ہوتی۔ اور اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ مسجد میں پڑھی گئی نماز باہر پڑھی جانے والی نماز سے افضل ہے۔ گھر میں نماز پڑھ لینے سے مسجد میں نماز ادا کرنے کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ شارع مقدس جانتا ہے کہ سب لوگ ایک طرح سے زندگی نہیں گزارتے اور نہ سب کی استعداد و صلاحیت برابر ہے۔

اِس لیے شریعتِ الٰہیہ میں ایک چھوٹی سی حد مقرر کی گئی ہے۔ اور وہ واجبات و محرمات ہیں۔ مسجد سے دور رہ کر اُس حد تک جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حد سب لوگوں کے لیے ایک جیسی ہے، سب اُس کا خیال رکھ سکتے ہیں اور سب کو اُس سے زیادہ پابندی کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ حد سے زیادہ پابندیاں انسان کو باغی بنا دیتی ہیں۔ اِس سے اوپر خدا نے مستحبات اور مکروہات کی حد مقرر کی ہے۔ مستحبات کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور مکروہات سے بچنے کا کہا گیا ہے۔

سوال ۵: بعض لوگوں کے لیے مسجد آنا مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً اُن کا گھر مسجد سے دور ہوتا ہے، یا حالات سازگار

نہیں ہوتے، یا صبح کے وقت دور سے آنا کافی زحمت کا باعث بنتا ہے۔تو کیا شرع مقدس میں اِس کے متبادل بھی کوئی راستہ ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔سوال میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ مسجد میں حاضر ہونے کے لیے مانع نہیں بن سکتیں۔ بلکہ وہ تو زیادہ اجر وثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔مثلاً انسان جتنے زیادہ قدم چل کر مسجد میں آئے اُسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔جیسا کہ احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے۔اور جہاں صبح کی نماز کو باجماعت ادا کرنا ہے تو اُس کے بارے میں خصوصی طور پر تاکید کی گئی ہے۔(وسائل الشیعہ ابواب الجماعۃ)

اِس سے قطع نظر ہر انسان کے لیے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں نماز اور عبادت کے لیے مخصوص جگہ بنائے۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آئمہ طاہرینؑ کی سیرت ہے۔اِسی لیے روایات میں ہے کہ مومن کے دفن کی پہلی رات اُس جگہ چراغ روشن کیا جائے کہ جہاں وہ عبادت کیا کرتا تھا۔اِسی طرح روایات میں موجود ہے کہ جب انسان کی وفات ہوتی ہے اور اُس پر گریہ کرنے والوں میں سے ایک وہ جگہ بھی ہوتی ہے۔جہاں وہ خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کو عبادت کے لیے ایک جگہ خاص کر لینی چاہیے۔

نیز اگر کسی شخص کی قرات صحیح ہو اور وہ شریعت کا پابند ہو تو وہ اپنے گھر میں بھی نمازِ جماعت قائم کر سکتا ہے۔ان شاء اللہ اِس پر اُسے بھی اجر ملے گا اور گھر والوں کو بھی۔اور جماعت بھی درست ہوگی۔چاہے اُس کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایک ہی فرد کیوں نہ ہو۔

سوال ۶: گھر میں نماز ادا کرنے اور مسجد میں نماز ادا کرنے کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اور اِسلام میں مسجد میں نماز ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کیوں ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔مساجد میں نماز ادا کرنے سے انسان کو روحانی، دینی، اور اجتماعی حوالے سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔اِسی لیے مساجد میں نماز ادا کرنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔جیسا کہ اِس باب میں بہت سی روایات موجود ہیں۔

سوال ۷: بعض علاقوں میں شکوہ کیا جاتا ہے کہ اُن کے یہاں مساجد میں نمازِ باجماعت نہیں ہوتی۔ بعض اَوقات مسجد میں صرف مؤذن اور مسجد کا خادم ہی ہوتے ہیں۔ایسی بگڑی ہوئی حالت کو کیسے درست کیا جا سکتا ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔اِس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی ہیں۔اولاً کچھ اسباب کا تعلق علماء اور حوزہ دینیہ سے ہے۔جیسے:

1 علماء اور خطباء کا کم تعداد میں ہونا۔

2 مساجد کے ساتھ بے جا تصرف کرنا، جیسے اپنے وسائل وسہولیات کی فکر میں رہنا، یا وسعتِ نظری کا مظاہرہ نہ کرنا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے باعث لوگ علماء سے دور و متنفر ہوتے ہیں، یا اُن کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں۔

3 امام جماعت کی صفت عدالت کو سمجھنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرنا ہے۔ مثلاً کچھ لوگوں کی نظر میں تو امام جماعت کی عدالت معصومؑ کی عصمت کے قریب قریب ہونی چاہیے۔ (جو کہ اضافی چیز ہے۔ امام جماعت کے لیے اتنی عدالت کافی ہے کہ وہ اپنے واجبات ادا کرتا اور حرام کاموں سے اجتناب کرتا ہو۔)

ثانیاً: کچھ اسباب نفسیاتی ہوتے ہیں۔ جیسے:

1 بعض افراد یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں جانا تقیہ کے خلاف ہے۔

2 بعض لوگ مساجد کے مؤذنوں اور خادموں کی غیر سنجیدہ باتوں کی وجہ سے مسجد سے دور ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ مسجد کی تعمیر و بہتری کے لیے ہر وقت فنڈ جمع کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں، یا اُس کا اخلاق اور رویہ بہت سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر مسجدوں کے مؤذن اور خادم پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ اِس لیے وہ اِس خدمت کو اپنے لیے ایک طرح کا تسلط وقبضہ سمجھتے ہیں۔ جو کہ حقیقت میں نفس امارہ کا بہکاوا ہے۔

3 بعض لوگوں کے امامِ جماعت یا کچھ نمازیوں کے ساتھ ذاتی اختلافات ہوتے ہیں۔

4 انسان کا دل حبِ دنیا، لہو ولعب اور سہل اَنگاری وسستی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب کہ مسجد میں رہ کر انسان کو سنجیدگی اور ضبط سے کام لینا پڑتا ہے۔

ثالثاً: کچھ اسباب اجتماعی اور معاشرتی ہوتے ہیں۔ جیسے

1 معاشرے میں دینی فکر کا فقدان اور لوگوں کا مسجد میں حاضر ہونے کی برکات کی طرف متوجہ نہ ہونا۔

2۔ امام جماعت کے بارے میں کچھ ایوب ونقائص کا پھیل جانا خواہ وہ وہمی ہو یا بہت پرانے اور وہ ان سے توبہ کر چکا ہو۔

3۔ مسجد میں فاتحہ خوانی، مجالس عزا اور دیگر اجتماعی مراسم کو منعقد کرنا اور ان کے لیے چندہ جمع کرنا۔ ایسی صورت میں جو شخص مالی طور پر استطاعت نہیں رکھتا وہ خود ہی مسجد میں آتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔

رابعاً: کچھ اَسباب اقتصادی ہوتے ہیں۔ جیسے:

1 انسان کی ضروریات میں اضافہ ہوجانا۔ اِس وجہ سے انسان زیادہ وقت کام وکاروبار پہ صرف کرتا ہے۔ اُن

کی نظر میں مسجد جانا صرف اُنہی لوگوں کا کام ہے کہ جو گھر میں رہتے ہیں۔ لہذا وہ ایک دفعہ جمعہ پہ یا ماہِ رمضان میں ہی مسجد جانا کافی سمجھتا ہے۔

2 معاشرے کے زیادہ تر افراد کا معاشی حوالے سے کمزور ہونا۔ اِس کی وجہ سے بہت سے افراد مسجد آنے جانے کے کرایہ اور دیگر لوازمات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس لیے وہ مسجد کی برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔

یہ کچھ اسباب ہیں جو نمونہ کے طور پر گنوائے ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ اگر مومنین توجہ کریں تو اُنہیں کچھ اسباب بھی مل جائیں۔ اِسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اِن میں سے کچھ اسباب کسی علاقے سے متعلق ہوں۔

اِن اسباب کو حسب ذیل طریقوں کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے:

۱۔ لوگوں کے دینی شعور میں اضافہ کیا جائے اور اُنہیں مسجد سے ملنے والی برکات کی طرف متوجہ کیا جائے۔

۲۔ آئمہ جماعت اور مسجد کے دیگر ذمہ داران کا اخلاق عمدہ اور جاذبیت کا حامل ہونا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن اور اہل بیت سے بھی ہمیں حسن اخلاق سے پیش آنے کا درس ملتا ہے۔

۳۔ ایسے کاموں سے حتی المقدور اجتناب کیا جائے کہ جو لوگوں کے مسجد سے دور ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

۴۔ خدا پر یقین کامل رکھا جائے کہ جو اُس کی راہ پر صرف کیا جائے تو وہ اُس کا نعم البدل ضرور دیتا ہے۔

۵۔ لوگوں کو آخرت کی طرف متوجہ کیا جائے اور دینی اعتبار سے کمال حاصل کرنے کی رغبت دلائی جائے۔ تا کہ اُن کا ہدف صرف دنیائے دوں نہ رہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ خدا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول، اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ (سورۃ القصص: 77)

اِسی طرح ایک روایت میں ہے:

اعمل لدنیاك كانك تعیش ابدا اور اعمل لآخرتك كانك تموت

''دنیا کے لیے ایسے کام کرو کہ گویا تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور آخرت کے لیے ایسے محنت کرو کہ گویا تم نے کل ہی مرجانا ہے۔''

سوال ۸: بعض آئمہ مساجد اپنے علاقوں میں حوزوی دروس کے حلقے لگاتے ہیں۔ کیا اِسے حوزہ علمیہ کے اثر و رسوخ میں اضافے کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اِس سسٹم کو صرف نجفِ اَشرف میں محدود رکھنے کی بجائے اَطراف

عالم میں رائج کیا جاسکتا ہے۔ اِس کے متعلق آپ کے ارشادات کیا ہیں؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ مسجد کو مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بنانے کے کچھ اِقدامات اُٹھانا ضروری ہے۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اِس سلسلہ میں ہر حوزہ علمیہ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ اُن دروس کو ایک باقاعدہ سلیبس کی صورت میں پیش کیا جائے۔ اور اِس میں بنیادی طور پر فقہ، عقائد، تفسیر، اخلاق، تاریخ اور مبادی العربیہ کے دروس شروع کیے جائیں۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ اِن درسی حلقوں کے ذریعہ لوگوں کو نجفِ اَشرف میں تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔

سوال ۹: معاشرے میں مسجد کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے کیا اِقدامات کرنے چاہئیں؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ معاشرے میں مسجد کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے درج ذیل اقدامات اُٹھائے جاسکتے ہیں:

۱۔ مسجد چاہے چھوٹی اور آبادی سے دور ہی ہو۔ اُس میں باقاعدہ طور پر ایک امامِ جماعت مقرر کیا جائے جو اُس میں شعائرِ دینیہ کو قائم کرے۔ اور کسی علاقے، یا محلے میں مسجد نہ ہو تو اُس علاقے، یا محلہ کے کسی گھر کے مہمان خانے (بیٹھک) کا دروازہ نمازوں کے اَوقات اور شعائرِ دینیہ کے قائم کرنے کے لیے کھول دیا جائے۔ اور وہاں بلند آواز میں اذان کہی جائے۔ اِس عمل میں زیادہ تکلف یا زحمت بھی نہ ہوگی اور بہت زیادہ برکات بھی حاصل ہو جائیں گی۔

۲۔ تمام نمازوں اور بالخصوص مغرب وعشاء کی جماعت کا اہتمام کرنا۔ اِسی طرح نماز آیات اور عیدین وغیرہ کے اجتماع کی بھی کوشش کرنا۔ یہ ہمارا تجربہ ہے کہ جس مسجد میں باقاعدگی کے ساتھ جماعت ہوتی ہے اُس کی فعالیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور لوگ اُس کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اور اِس کے کئی ایک اسباب ہیں:

(الف) جماعت میں شریک ہونے سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً جب جماعت میں نمازیوں کی تعداد دس ہو جائے تو اُن کا ثواب اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اُسے خدا کے علاوہ کوئی بھی شمار نہیں کر سکتا۔

(ب) امام جماعت کے وجود سے لوگوں کو جماعت کے علاوہ بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً امامِ جماعت لوگوں کو روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل بتاتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے اجتماعی مسائل کو بھی حل کرتا ہے۔ جیسے ناراض فریقین میں صلح کرانا اور اختلافی معاملات کو وعظ ونصیحت کے ذریعہ حل کرنا وغیرہ۔

۳۔ ایسے امامِ جماعت کا انتخاب کرنا کہ جو خلوص کے ساتھ اپنی دینی واخلاقی ذمہ داریوں کو انجام دے۔

۴۔ دینی شعائر کو زندہ کرنا اور آئمہ اہل بیتؑ کی ولادت وشہادت اور دیگر مواقع ومناسبتوں پر مجالس ودروس کا اہتمام کرنا۔ تاکہ تبلیغ کے لیے صرف ماہِ رمضان اور عشرہ محرم الحرام پر ہی اِکتفاء نہ کیا جائے۔ گھروں کی بجائے مساجد

میں دینی پروگرام رکھنے سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے:

ا۔ ریاکاری اور تکبر سے بچنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

ب۔ مسجد میں حاضر ہونا خالصتاً خدا کے لیے ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ دنیاوی تعلق نبھانے کا شائبہ نہیں رہتا۔

ج۔ معاشرے میں مسجد کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

د۔ عام طور پر ایسی مجالس نمازِ جماعت کے ساتھ متصل ہوتی ہیں۔

ھ۔ ایسی مجالس کے اجر وثواب میں کئی گنا اِضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد میں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ جیسا کہ حدیثِ شریف میں آیا ہے۔

۵۔ مساجد میں دینی اور ثقافتی مسابقہ جات (کوئز پروگرامز) اور شارٹ کورسز رکھنا۔ بالخصوص ماہِ رمضان اور سکول و کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں ایسی سرگرمیوں کو مزید منظم بنانا۔ اور کامیاب ہونے والے امیدواروں کو انعامات دینا۔ اِس عمل سے کم سے کم دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو لوگوں میں دینی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسرا وہ مزید شوق ومحبت کے ساتھ مسجد آنے لگتے ہیں۔

۶۔ مسجد میں ایک نوٹس بورڈ نصب کیا جائے۔ جس میں ایک آیتِ قرآنی، ایک حدیثِ معصومؑ اور ایک شرعی مسئلہ یا اِس طرح کوئی علمی مواد پیش کیا جائے۔

۷۔ اذان کے قبل خوب صورت آواز میں قرآن کی تلاوت کی جائے اور اِسی طرح ہر شبِ جمعہ دعائے کمیل یا حدیثِ کساء اور زیارتِ امام حسینؑ پڑھی جائیں، یا جمعہ کے دن ظہر سے پہلے دعائے ندبہ اور اِسی طرح مناسب اَوقات پر مختلف ادعیہ واذکار اور ختمِ قرآن وغیرہ کا بندوبست کیا جائے۔

۸۔ قرآن کی قرات وتجوید، تفسیر، فقہ، اخلاق اور عقائد پر دروس پڑھائے جائیں۔

۹۔ نمازِ جماعت اور مجالس عزا میں عورتوں کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی جائے۔

۱۰۔ مسجد میں ایک مناسب لائبریری بنائی جائے اور لوگوں کو دینی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دلائی جائے۔

سوال ۱۰: عام طور پر بعض افراد کی زبانوں سے یہ بات سننے میں آتی ہے کہ تم لوگ جو مسجد پر اتنا زیادہ خرچ کر رہے ہو، کیا ہی اچھا ہوتا کہ جو یہ مال فقراء اور نادار لوگوں پر صرف کیا جاتا۔ جو کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے لیے کوڑی کوڑی کے محتاج ہیں۔ ایسے موارد میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اور کس طریقے سے اپنے دینی واخلاقی فریضے سے سبکدوش ہوسکتا ہے؟ اِن میں سے کون سا کام زیادہ اہم ہے: مسجد بنانا، یا مساکین کو کھانا کھلانا اور زندگی کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا؟

جواب: بسمہ تعالیٰ: نیکی کے بہت سے راستے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقے کئی ایک ہیں۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اَخْفٰی رِضَاہُ فِی طَاعَتِہٖ (بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور اپنی اطاعت میں چھپا کر رکھی ہے۔) اِس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت میں کوئی حد بندی نہیں کہ کون سی عبادت زیادہ اہم ہے، کون سی کم اہم؟ تاکہ بندے تمام عبادات کو شوق و رغبت کے ساتھ انجام دے اور اُسے رضائے اِلٰہی تک پہنچنے کی ضمانت مل جائے۔

کیونکہ جب وہ صرف ایک ہی عبادت کو انجام دیتا ہے تو اُسے رضائے خدا حاصل کرنے کا یقین نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ممکن ہے کہ دوسری عبادت جو اُس سے رہ گئی، وہ خدا کو زیادہ محبوب ہو۔ اِس لحاظ سے انسان کو عبادت کے ہر فعل کو انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہاں! یہ درست ہے کہ بعض مخصوص حالات میں عبادات میں سے کسی ایک عبادت کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ مثلاً جہاں ہزاروں کی تعداد میں مومنین ہوں اور وہاں مسجد نہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد بنانا ہی اچھا ہوگا۔ اور اگر کہیں پہلے ہی بہت زیادہ تعداد میں مسجدیں موجود ہوں۔ تو ایسی جگہ خدا کے غریب و نادار بندوں کی دیکھ بھال مسجد بنانے کی نسبت زیادہ اہم ہوگا۔ اِسی طرح یہ بھی قطعاً درست نہیں کہ صرف مسجد کی زیبائش و آرائش پر بے دریغ سرمایہ لگا دیا جائے اور لوگ فقر و تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر چوری و راہزنی جیسے جرائم کا شکار ہو جائیں۔

سوال ۱۱: ہم دیکھتے ہیں کہ بعض تاجر اور آسودہ حال افراد (وفقہم اللہ) ایک مسجد سے سو، دو سو میٹر کے فاصلے پر نئی مسجد بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ بعض غریب علاقوں اور دیہاتوں میں ایک چھوٹی مسجد، یا لاؤڈ سپیکر بھی نہیں ہوتا۔ تو ایسے افراد کے لیے آپ کیا نصیحت کریں گے؟

جوب: بسمہ تعالیٰ۔ درحقیقت اہل ایمان پر فرض ہے کہ وہ خدا کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کریں۔ لہذا اگر کسی جگہ بہت زیادہ مسجد بنا دی جائیں اور اُن کی کثرت کی وجہ سے کچھ مساجد بند رہیں۔ تو اِس سے مومن کو اتنا زیادہ ثواب نہیں ہوتا۔ جتنا وہ کسی ایسے علاقے، یا آبادی میں مسجد بنائے کہ جو مسجد کے نہ ہونے کا شکوہ کر رہی ہو۔ خدا سے حقیقی تجارت کرنے والا شخص وہی ہوتا ہے۔ جو ایسا موقع تلاش کرے کہ جس میں فوائد و برکات زیادہ سے زیادہ ہوں۔ بلکہ ممکن ہے کہ اگر کوئی علاقہ مسجد سے خالی رہ جائے اور وہ اُس کی طرف توجہ نہ دیں۔ تو خدا اُن سے اِس بات پر مؤاخذہ کرے۔ اگر پوری مسجد بنانا ممکن نہ بھی ہو کسی گھر کی بیٹھک وغیرہ کو نمازوں کے اَوقات میں کھول کر اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ بلاشبہ ایسا کرنا سراسر خیر و برکت کا باعث ہے۔

سوال ۱۲: بعض احادیث میں آخری زمانے کی جامع مسجدوں کے حوالے سے ملتا ہے کہ اُن کی مسجد (ظاہری بناوٹ وآرائش کے لحاظ سے) آباد تو ہوں گی۔ مگر اُن میں ذکرِ خدا نہ ہوگا۔ اِسی طرح فقہاء نے اپنے رسائل عملیہ میں لکھا ہے کہ مسجد کو سجانا سنوارنا مکروہات میں سے ہے۔ تو مساجد کے ذمہ دار افراد کو اِس حوالے سے کیا نصیحت کریں گے؟ دوسرا مسجد کی دیواروں پر آئمہ اہل بیتؑ کی تصاویر اور دیگر پوسٹرز و پینا فلیکس وغیرہ لگانے کا کیا حکم ہے کہ جن پر نماز ووضو کے احکام لکھے ہوں؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ ہم پہلے اِس بات کی طرف اِشارہ کر چکے ہیں کہ مساجد کی سونے سے آرائش، اُس میں نقش ونگار بنانا اور اُس کی ظاہری خوبصورتی کے لیے بے دریغ وسائل کا استعمال مکروہات میں سے ہے۔ اگر اُن وسائل کو نادار ومحتاج مومنین کی مدد کے کاموں میں صرف کیا جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ اور اُس میں خدا کی خوشنودی کے حصول کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مسجدیں خدا کی اطاعت، اُس کے ذکر، شعائرِ مقدسہ کے قیام اور ذکر اہل بیتؑ کی مجالس سے آباد ہوتی ہیں۔

دوسرا وضو خانوں میں ایسے پوسٹرز اور پینا فلیکس لگانے میں حرج نہیں کہ جن پر وضو کے احکام اور مسجد ونماز کے آداب واحکام وغیرہ کا ذکر ہو۔ بلکہ یہ کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرہ میں آتا ہے۔

سوال ۱۳: بعض مساجد کے متولی حضرات اہل علاقہ سے مسجدوں میں مجالس وغیرہ کے پروگرام کرنے کے پیسے لیتے ہیں۔ جو مسجد کی جگہ کو کرائے پر دینے سے مشابہت رکھتا ہے۔ اِس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ اِس مسئلہ کا حکم وقف کے تابع ہے۔ جب یہ بات یقینی ہے کہ مساجد میں فاتحہ خوانی اور دیگر شعائر بلا معاوضہ ہیں تو اُس کے بدلے میں اُجرت لینا بھی جائز نہیں۔ ہاں! متولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوسری خدمات پر اُن سے اُجرت لے۔ (جیسے امام جماعت کو گاڑی پر بٹھا کر لانے اور اِسی طرح مجلس وفاتحہ خوانی کے لیے ضروری سامان فراہم کرنے کی اُجرت۔) نیز وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کے لیے چندہ بکس رکھ دے۔ لیکن ہر حال میں دینی معاملات میں دنیادار تاجروں جیسا معاملہ وسودہ بازی کرنے سے گریز کیا جائے۔

سوال ۱۴: ہم بعض مساجد میں دیکھتے ہیں کہ فاتحہ خوانی کے پروگراموں پر مسجد کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اور ایک لحاظ سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ ایسے میں آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟ اور کیا امام بارگاہوں میں اِسی طرح شرعی آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ اِس عنوان پر مستقل بحث کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اِس میں بہت سے تفصیلی احکام ہیں۔ جنہیں بیان کرنا اور جن کی طرف متوجہ رہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع پر بہت سے خلافِ شرع افعال

دیکھنے میں بھی آتے ہیں۔ جیسے قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش نہ رہنا، دنیا کی فضول باتوں میں لگے رہنا، غیبت، چغل خوری اور لڑائی جھگڑا کرنا۔ یہ افعال ویسے بھی حرام ہیں، چہ جائیکہ اِن کا ارتکاب مساجد میں کیا جائے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گی اور اُنہیں خدا کی رحمت سے دور کر دیا جائے گا۔ اُن میں سے ایک وہ ہے کہ جو قرآن کی تلاوت کے دوران اور مسجد میں فضول باتوں میں لگا رہے۔

مساجد کی طرح امام بارگاہوں کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اِس اعتبار سے اُن کی اہمیت بھی مساجد سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری مجالس میں وہ معنویت نہیں کہ جو ہونی چاہیے۔

سوال ۱۵: جب مسجد سے فاتحہ خوانی کے پروگرام میں قاری کی زبان سے، یا لاؤڈ اسپیکر سے تلاوت سنائی دے۔ تو اُس کے لیے خاموش ہونا اور توجہ سے سننا واجب ہے؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۲۰۴ میں ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے توجہ کے ساتھ سنو اور خاموشی اختیار کرلو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

یہ دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے۔ چاہے کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو، یا کسی الیکٹرانک ڈیوائس سے تلاوت کی آواز آ رہی ہو۔ جو شخص قرآن کی تلاوت کے دوران باتوں میں مشغول رہے۔ اَحادیث میں اُس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔ وارد ہوا ہے کہ ایسا شخص خدا کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

سوال ۱۶: بہت سی جامع مساجد میں نمازی اگلی صف میں جانے، یا نماز کے بعد دعائے کمیل و حدیث کساء وغیرہ پڑھنے، یا اذان و اِقامت وغیرہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیا ایسے موارد میں ایک دوسرے پر سبقت چاہنا شرعاً درست اور قابلِ قبول ہے؟ آیا اِس کی کوئی حد بندی بھی ہے، یا نہیں؟ اِس سلسلے میں ہمیں آپ کی رائے اور نصیحت درکار ہے۔

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ باقی صفوں کی نسبت اَگلی صف میں اور اِسی طرح صفوں کی بائیں کی نسبت دائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ بعینہٖ اذان و اقامت کہنا بھی بڑے اَجر و ثواب کے کام ہیں۔ اگر سبقت کا مقصد زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کرنا ہو۔ تو درست ہے اور قرآن میں اِس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان شرعی حدود و قیود کا لحاظ ہی نہ رکھے اور بات سخت لہجے اور تلخ کلامی تک پہنچ جائے۔ اِس لیے اِسلام میں کچھ ترجیحات موجود ہیں۔ مثلاً پہلی صف صاحبانِ علم و فضل کے لیے مخصوص ہے۔ اِسی طرح اگر

باقاعدگی سے اذان دینے والا مؤذن موجود ہو تو اُسے دوسروں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا اذان دینا چاہے تو وہ اُس سے اِجازت لے گا۔

سوال ۱۷: ہم نے رسائلِ عملیہ میں پڑھا ہے کہ جب انسان کسی کو اذان کہتے ہوئے سن لے تو اُس سے اذان کہنا ساقط ہو جاتی ہے۔ آیا یہ حکم اذانِ اِعلامی کو بھی شامل ہے؟ چاہے وہ کسی ڈیوائس سے چل رہی ہو، یا مؤذن خود کہہ رہا ہو؟

جواب: بسمہ تعالیٰ۔ ظاہراً اِس سے مقصود وہ اَذان ہے کہ جو نماز کے لیے دی جائے۔ نہ کہ وہ اِعلام اور کسی بات سے باخبر کرنے کے لیے کہی جائے۔ بعض فقہاء نے اِس حکم کو خصوصیت کے ساتھ نمازِ جماعت کے لیے دی جانے والی اذان کے ساتھ مقید کیا ہے۔ علاوہ بریں یہ سقوط رخصت ہے، عزیمت نہیں۔ لہٰذا اپنی الگ سے اَذان و اِقامت بھی کہہ سکتا ہے۔ خواہ اُس نے پہلے اَذان و اِقامت سن رکھی ہو۔

***

امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

- امامِ زمانہؑ کی معرفت۔۔
- سلفِ صالح کے طریقہ سے دوری۔۔
- شرائط اور علامات میں فرق۔۔
- مومن کی صفات۔۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں آخری خطبہ ۔۔

پہلا باب

امامؑ کی معرفت سے بے خبری

یہاں تک ہم نے قرآن و مسجد کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اور اب اپنا کعبۂ سخن قرآن ناطق عترتِ طاہرہؑ کو بناتے ہیں۔ اور اُن حقوق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اہل بیت اور بالخصوص امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے متعلق ہیں۔

قرآن کریم جو کہ ثقل اکبر ہے اسے معاشرے کی بہتری میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ جو اس کے صحیح معانی و مفاہیم کو بیان کرے اور اس کے احکام و قوانین نافذ کرے۔ اور یہ کام صرف امام معصوم ہی انجام دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب خوارج نے امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلے میں ضد اور ہٹ دھرمی دکھائی اور حق بات سننے سے اپنے کان بند کر کے کتاب خدا سے دلیل مانگی۔ تو آپؑ نے ان سے ناراضگی کا اظہار کیا اور قرآن ان کے حوالے کر کے فرمایا: یہ لو قرآن تمہارے سامنے ہے، اس سے پوچھ لو۔ (اصول کافی: کتاب الحجہ)

امامؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے، اور اس میں کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی۔ لیکن یہ بھی اسی صورت میں کافی ہوسکتا ہے کہ جب خدا کا منتخب نمائندہ اس کی تفسیر و تشریح کرے۔ بصورت دیگر یہ اہل ہوس کی من پسند تاویلات کی جولان گاہ بن جائے گا اور ہر کس و ناکس اسے اپنی خواہش کی طرف موڑنے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیرِ اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب)

ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔''

روایات میں ہے کہ **راسخوان فی العلم** محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں۔ اسی لیے جب امیر المومنین علیہ السلام حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے مد مقابل پر حجت قائم کرنے کے لیے بھیجا تو فرمایا: ''ان کے سامنے قرآن سے دلیل پیش نہ کرنا۔ کیونکہ یہ کئی پہلوؤں کا حامل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مطلب کو ثابت کرنے قرآن کو سہارا بنا سکتا ہے۔

یہاں سے امام برحق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جو اُمت کے امور کو منظم رکھتا ہے۔ اور وہ اس کی قیادت میں ہدایت کے راستے پر چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ جناب سیدہؑ نے بھی مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے اسی نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **و جعل امامتنا نظاماً للملة** ''اور خدا نے ہماری امامت کو ملت کے منظم و مربوط ہونے کا ذریعہ بنایا۔''

ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب **من وحی الغدیر** اور **دور الائمة فی الحیاة الا سلامیه** میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

امام زمانہؑ کی معرفت

اُمت کا سب سے اہم فریضہ امام وقتؑ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ اگر امامؑ کی صحیح معرفت نہ ہو تو اس کے نتائج بڑے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً اسلامی معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، ان کے رجحانات مختلف ہونے لگتے ہیں اور بہت سے جھوٹے افراد اس منصب پر فائز ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک بڑا الٰہی منصب ہے اور لوگ اس منصب پر فائز ہونے والے کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی لیے آئمہ طاہرینؑ نے غیبت امامؑ کے زمانے شیعوں کو کچھ دعائیں تعلیم کیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ عَرِّفْنِی نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی نَفْسَكَ لَمْ اَعْرِف نَبِيَّكَ اَللّٰهُمَّ عَرِّفْنِی رَسُولَكَ فَاِنَّكَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی رَسُولَكَ لَمْ اَعْرِفْ حُجَّتَكَ اَللّٰهُمَّ عَرِّفْنِی حُجَّتَكَ فَاِنَّكَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی حُجَّتَكَ ضَلَلْتُ عَنْ دینی (الکافی: کتاب الحجة)

آئمہ طاہرینؑ کی معرفت، معرفت الٰہیہ کا تسلسل ہے جو کہ دین کی اساس و بنیاد ہے۔ جیسا کہ حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: **اول الدین معرفته** ''دین کی ابتداء اللہ کی معرفت ہے۔''

زیارت جامعہ میں ہم آئمہ طاہرینؑ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں: **من عرفکم فقد عرف الله** ''جس

نے آپ اہل بیتؑ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔ ''من اراد اللہ بدأ بکم و من وحدہ قبل عنکم ''خدا نے جو چاہا اس کی ابتداء آپ اہل بیتؑ سے کی اور جس نے خدا کو ایک مانا اس نے وہ توحید آپؑ سے لی۔'' اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حجت خدا کی معرفت نہ ہونے کی نتیجے میں لوگ دین سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اور اس سے برا انجام کیا ہوسکتا ہے؟! ایک دوسری حدیث میں اس برے انجام کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ ''جو شخص مرجائے اور اسے اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' جاہلیت کی موت سے مراد ایسی موت ہے کہ جو دور جاہلیت کے تمام تر انحرافات، خرابیوں اور عقلی، روحانی اور قلبی تباہ کاریوں کے بعد آئے اور جس کے بعد انسان کا ٹھکانہ تنگ ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ طہ میں ارشاد پروردگار ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

''اور جو کوئی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا تو اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی۔ اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا محشور کریں گے۔''

روایات میں وارد ہوا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد اہل بیتؑ ہیں۔ یعنی جس نے اہل بیت پیغمبرؐ سے روگردانی کی اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور وہ بروز قیامت اندھا محشور کیا جائے گا۔ اس کی تائید قرآن کے سیاق سے بھی ہوتی ہے۔

امامؑ اور شیعوں کی خصوصی تربیت

حقیقت یہ ہے کہ امام مہدی عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْفَ جو کہ اس دور کے امام اور آخری حجت خدا ہیں۔ آپؑ کو اپنے شیعوں سے کچھ باتوں کا شکوہ ہے۔ اور وہی باتیں سبب بنی ہوئی ہیں کہ وہ امامؑ کی ملاقات سے محروم ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپؑ غیر شیعہ سے راضی اور مطمئن ہیں۔ بلکہ ان سے امامؑ کی ناراضگی اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ امامؑ اپنے شیعوں کے ذمہ دار ہیں اور وہ آپؑ کو امام برحق مانتے ہیں اور آپؑ کی ولاء کا دم بھرتے ہیں۔ اور امامؑ ان کے لیے ایک شفیق باپ کی مانند ہیں کہ جب اس کی اولاد سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ اس کا مواخذہ کرتا ہے۔ لیکن وہی غلطی کوئی اور کرے تو اس میں اس قدر سنجیدہ نہیں ہوتا۔ اور یہ صرف اس لیے کہ اسے احساس ہے کہ اس کی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری اسی پر ہے۔

اِسی طرح امام علیہ السلام بھی شیعوں کی تربیت کے حوالے سے اپنی ذمہ داری انجام دیتے ہیں اور راہِ راست کی

طرف ان کی ہدایت کرتے ہیں۔لہذا آپؑ روزانہ یا ہفتے کی بنیاد پر اپنے شیعوں کے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں۔جیسا کہ یعقوب بن شعیب سے روایت ہے، آپ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس فرمان الٰہی: وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: یہاں مومنین سے مراد آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ایک روایت میں آیا ہے:

ان اعمال العباد تعرض علی نبیکم کل عشیة خمیس و علی الائمة (ع) فلیستحی احدکم ان یعرض علی نبیه العمل القبیح فلا تسوؤا رسول الله وسروه

''ہر شب جمعہ لوگوں کے اعمال تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرینؑ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔لہذا تمہیں اس بات سے شرم کرنی چاہیے کہ تمہارا کوئی برا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے۔تو تم (برے اعمال انجام دے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ پہنچاؤ، بلکہ (اچھے اعمال سے) آپؐ کو خوش کرو۔'' (جو لوگ یہ حدیث سن رہے تھے ان میں سے) ایک شخص نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: آپؑ کے حب داروں میں سے بعض نے مجھ سے کہا کہ آپؑ سے ان کے لیے دعا کی درخواست کروں۔اس پر امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ہر روز ان کے اعمال خدا کے حضور پیش کرتا ہوں۔(الوسائل: ۱۱/ ۳۹۱)[1]

توجہ رہے کہ اس زمانے میں چونکہ امام رضا علیہ السلام امام وقت تھے۔اور اب یہ ذمہ داری امام مہدی عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشَّرِيْفَ کی ہے کہ جو اس زمانے کے امام اور مخلوق پر خدا کی حجت ہیں۔

معرفت کا مطلب

امام زمانہ عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشَّرِيْفَ کی پہلی شکایت یہ ہے کہ لوگ آپؑ کی معرفت سے بے خبر اور آپؑ کے معاملے میں جہالت وغفلت کا شکار ہیں۔کیونکہ امامؑ کی معرفت سے مراد فقط امامؑ کا نام ونسب جاننا نہیں، کیونکہ یہ تو ہر کوئی، حتی کہ غیر شیعہ بھی جانتے ہیں۔بلکہ انہوں نے امامؑ کے بارے میں باقاعدہ کتابیں لکھیں اور ان کا یہ کام شیعوں

---

[1] ارشاد القلوب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے شیعہ ہمارا جزو ہیں اور انہیں ہماری بچی ہوئی طینت سے خلق کیا گیا ہے۔جو چیز ہمیں بری لگے وہ انہیں بھی بری لگتی ہے اور جو ہمیں خوشگوار لگے وہ انہیں بھی خوشگوار محسوس ہوتی ہے۔(۲/ ۵۷) اس اتصال کا تقاضا یہ ہے کہ شیعہ سے جو بھی کوتاہی ہو اس سے ائمہ طاہرینؑ کو اذیت ہوگی۔اور یہ اذیت اس بدبو کے علاوہ ہے کہ جو گناہوں سے اٹھتی ہے۔جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: تعطروا بالاستغفار لا تفضحنکم روائح الذنوب ''خود کو استغفار کے ذریعے معطر کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی بدبوئیں تمہیں رسوا کر دیں۔''

کی نسبت زیادہ ہے۔ بہرکیف امامؑ کی معرفت کے کچھ خاص طریقے ہیں جنہیں ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

امامؑ کو ہمیشہ یاد رکھنا

اول: امامؑ کی معرفت میں سب پہلے یہ ہے آپؑ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے، اپنے اچھے کردار کے ذریعے امامؑ کی تائید کی جائے اور آپؑ کی حفاظت ونصرت اور تعجیلِ ظہور کی دعا کی جائے۔ اور اپنی حاجات کی برآوری کے لیے خدا کو آپؑ کا واسطہ دیا جائے۔ اور اس بات پر آپؑ کا شکر کیا جائے اور آپؑ پر درود بھیجا جائے کہ آپؑ ہمارا خیال رکھتے ہیں اور ہمارے حق میں دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ مفیدؒ کے نام خط میں آیا ہے:

نحن وان کنا ناوین بمکاننا النائی عن مساکن الظالمین ،حسب الذی ارادہ اللہ تعالی لنا من الصلاح ولشیعتنا المؤمنین فی ذالك ما دامت دولة الدنیا للفاسقین ،فانا نحیط علماً بأنبائکم ولا یعزب عنا شئی من اخبارکم و معرفتنا بالذی اصابکم من جنح کثیر منکم الی ماکان السلف الصالح عنہ شاسعاً ،ونبذوا العھد الماخوذ وراء ظھورھم کانھم لایعلمون ،انا غیر مھملین لمراعاتکم ،ولا ناسین لذکرکم ،ولولا ذالك لنزل البلاء و اصطلمکم الاعداء

''ہم اگرچہ ظالموں کی سکونت گاہوں سے دور ایک مقام پر رہتے ہیں۔ ہمارا یہاں رہنا خدا کے اس ارادے کے تحت ہے کہ جو اس نے ہماری اور ہمارے شیعوں کی بہتری کے لیے فرمایا ہے۔ ہم اس وقت تک یہیں رہیں گے کہ جب تک دنیا کی حکومت کے فاسق اور ظالم لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود تمہارے حالات اور تمہیں درپیش مشکلات سے خوب واقف ہیں۔ یہ حالات اس وقت پیدا ہوئے کہ جب تم میں سے بہت سے افراد نے سلف صالح کے طریقے سے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنا کیا ہوا وعدہ اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں۔ (یاد رکھو کہ) ہم تمہارے بارے میں نہ تو لاپرواہی کرتے ہیں اور نہ ہی تمہارا خیال بھولے ہیں۔ اگر یہ ہماری عنایت نہ ہوتی تو تم پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی اور دشمن تمہیں کچل ڈالتے۔'' (الاحتجاج: ۲/ ۳۲۲)

امامؑ کے اس لطف وکرم کی وجہ سے ہم پر امامؑ کے بہت سے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ جیسے آپؑ کی نیابت

---

[1] یہاں سے کوئی شخص غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اس سلسلے میں موجود تمام تر تفصیلات کا دارومدار اہل سنت کی کتابوں پر ہے اور اس بارے شیعہ علماء نے کوئی قابل ذکر خدمات سرانجام نہیں دیں۔ تو واضح رہے کہ یہ جو اہل سنت کے مقابلے میں ظاہراً تھوڑی کمی دکھائی دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب کو بہت سے اضطرابات اور کڑے حالات کا سامنا رہا، یہاں تک کہ ارباب اقتدار جسے بھی اہل بیتؑ کو دوست پاتے اسے اپنے مظالم کے نشانے پر رکھ لیتے۔ جس کے نتیجے میں شیعہ علماء کو مجبوراً چھپ چھپا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا پڑی۔ واللہ اعلم ''از مترجم''

میں نیک کام کریں ۔مثلاً صدقہ دیں ،نوافل ادا کریں ،زیارات کریں اور قرآن اور مخصوص دعاؤں کی تلاوت کریں۔امام علیہ السلام سے مخصوص ادعیہ میں سے ایک یہ ہے:

اللھم اعز نصرہ ومد فی عمرہ و زین الارض بطول بقائہ ،اللھم اکفہ بغی الحاسدین واعذہ من شر الکائدین ادحر عنہ ارادۃ الظالمین و تخلصہ من الجبارین اللھم اعطہ فی نفسہ وذریتہ وشیعتہ ورعیتہ وخاصتہ و عامتہ و عدوہ و جمیع اھل الدنیا ،ماتقر بہ عینہ و تسر بہ نفسہ وبلغہ افضل املہ فی الدنیا والآخرۃ ،انک علی کل شئی قدیر ،اللھم جدد بہ ما غیر من حکمک ،حتی یعود دینک بہ وعلی یدیہ ،غضاً جدیداً خالصاً مخلصاً لا شک فیہ و لا شبھۃ معہ و لا باطل عندہ و لا بدعۃ لدیہ

''اے اللہ! امامؑ کی نصرت فرما،انہیں لمبی عمر عطا کر اور ان کی لمبی زندگی سے زمین کو زینت دے ۔اے اللہ ! حاسدوں کی بغاوت کے مقابلے میں ان کی مدد فرما،انہیں حیلہ گروں کے شر سے پناہ دے،ظالموں کا ارادہ ان سے قطع کر ،اور انہیں جابروں سے نجات عطا فرما۔۔ اے اللہ ! امام عالی مقام کو آپؑ کی جان و اَولاد شیعوں،دشمنوں،رعیت،خاص،عام اور تمام اہل دنیا کے بارے میں وہ دکھا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل خوش ہوجائے اور دنیا وآخرت میں ان کی تمنا کو بہترین طریقے سے پورا فرما بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔اے اللہ ! تیرے جس بھی حکم میں تبدیلی ہوچکی ہے امامؑ کے ذریعے اس کی تجدید کر،یہاں تک ان کے ذریعے اور ان کے ہاتھوں سے دین تر وتازہ ،نیا،خالص اس طرح پاکیزہ ہوجائے کہ اس میں کوئی شک وشبہ اور کوئی باطل و بدعت نہ ہو ''۔

امامؑ ہمارے درمیان موجود ہیں

امام زمانہ علیہ السلام کی معرفت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ آپؑ سے مربوط رہیں اور آپؑ کے لیے اپنی زندگی کو اس طرح منظم کریں کہ گویا آپؑ ہمارے پاس موجود ہیں ۔اور حقیقت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں،مگر یہ کہ ہم آپؑ کو دیکھ نہیں سکتے ۔یعنی امامؑ ہمارے درمیان موجود تو ہیں لیکن معین طور پر یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ کس جگہ پر ہیں ۔ہمارے اعمال تفصیل کے ساتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں اور آپؑ ان پر اپنی مہر اقدس ثبت کرتے ہیں ۔یہ ہماری غفلت ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی دیکھ نہیں رہا،اور ہمارے اعمال کی کسی کو خبر نہیں ۔

ایک عالم کا بیان ہے کہ ماہِ رمضان کی ۲۳ ویں شب کو کچھ عاشقان امام کو آپؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے وہ رات جاگ کر گزاری اور ساری رات دعا ومناجات اور تضرع وزاری کرتے رہے ۔اس رات انہوں نے بہت سی برکتیں سمیٹیں اور ان کی بہت سی حاجات کی برآوری ہوئی ۔ان میں سے ایک پاکیزہ دل اور نیک سیرت شخص نے امامؑ کو ان کے درمیان تشریف فرما دیکھا۔وہ کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ امام عصر علیہ السلام اپنی مسند پر تشریف

فرما ہیں۔آپؑ کی عظمت وجلالت کا عالم بیان سے باہر ہے۔فرشتے گروہ در گروہ مخلوقات کے اعمال نامے لے کر امامؑ کی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں۔اور امامؑ ہر شخص کے اعمال نامے پر اپنی مہر ثبت فرما رہے ہیں۔اور خدا کے عطا کردہ علم کے مطابق ان کی تصدیق فرما رہے ہیں۔آپؑ کی ہیبت ورعب اتنا ہے کہ نظر میں دیکھنے کی تاب ہے نہ زبان میں بولنے کی سکت۔

اس دوران ایک فرشتہ نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں آیا اور میرا اعمال نامہ امامؑ کے حضور پیش کیا۔اس کے سب سے اوپر میرا نام لکھا ہوا تھا۔میں چونکہ اپنے گزشتہ گناہوں کے بارے میں جانتا تھا اس لیے مجھے معلوم تھا کہ میرا اعمال نامہ سیاہ ہوگا اور میرا شمار بھی بدنصیبوں میں ہوگا۔اس وقت میں شرم کے مارے گویا زمین میں گڑھ گیا۔میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب میں خود امامؑ کے پاس موجود ہوں تو یہ فرشتہ میرا اعمال نامہ کس لیے یہاں لے آیا ہے؟!لیکن اس سب کے باوجود میرے دل میں امید کی ایک کرن تھی جو مجھے سہارا دیے ہوئے تھی۔ اور وہ یہ کہ میں امامؑ کے اپنے اعمال نامے پر دستخط کرنے سے پہلے آپؑ سے توسل کروں گا،آپؑ سے معافی مانگوں گا اور خدا کے حضور دعا وفریاد کروں گا کہ وہ میری خطائیں نیکیوں میں بدل دے اور میرا نام بھی مقدر والوں میں لکھ دے۔جیسا کہ ہم شب ہائے قدر کے اعمال میں بار بار یہ دعا پڑھتے ہیں:

اللھم ان کان اسمی مکتوبا عندك فی الاشقیاء۔۔فامحنی من الاشقیاء واکتبنی فی السعداء

''اے اللہ!اگر تیرے پاس میرا نام بدنصیب لوگوں میں لکھا ہوا ہے تو اسے وہاں سے مٹا دے اور میرا نام خوش نصیب لوگوں کی فہرست میں شامل کر دے۔''

چنانچہ اسی لمحے میں امامؑ کے قدموں پر گر پڑا۔۔کبھی آپؑ کی عبا چومتا اور کبھی آپؑ کے مقدس ہاتھوں کا بوسہ لیتا اور عرض کرتا کہ میرے اعمال نامے میں موجود گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیجیے۔

امامؑ نے فرمایا:اچھا!لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم سچی توبہ کرو اور دوبارہ ایسے گناہوں سے خود کو بچاؤ؟اگر کوئی عام شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے تو اس کی ایک برائی شمار ہوتی ہے،جبکہ تمہارا معاملہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ تو ہمارا نام لیوا،ہماری محبت کا دم بھرنے والا اور ہمارا قریبی وخاندان کا فرد(یعنی سید)ہے۔

اس وقت میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی اور آہیں بلند ہو رہی تھیں۔میں نے کہا:میری جان آپؑ پہ فداء!آپؑ کی مہر ومحبت اور فضل واحسان پر آپؑ کا شکر گزار رہوں۔آج کے بعد کبھی گناہ نہیں کروں گا۔(الکمالات الروحیہ عن طریق اللقاء بصاحب الزمانؑ[ملاقات باامامؑ])

قارئین کرام!ہمیں چاہیے کہ اپنے تمام تر اقوال وافعال اور افکار ونظریات میں امامؑ کے اس فرمان کو پیش نظر

رکھیں تا کہ امامؑ ہمارے جس نامہ اعمال پر اپنی مہر لگائیں وہ اعمال صالحہ کی وجہ سے سفید و نورانی ہو اور جو دیکھنے والے کو شاد و مسرور کر دے۔

شبہات سے دور رہنا

امام زمانہ عَجَّلَ اللہُ فَرَجَہُ الشَّرِیف کی معرفت کا تیسرا پہلو آپؑ کی ذات پر پختہ ایمان رکھنا، آپؑ کے بارے میں عقائد، تاریخ، اور فکری و اجتماعی ہر حوالے سے پوری معلومات رکھنا اور آپؑ کے بارے میں کیے جانے والے اعتراضات و شبہات کا حل جاننا ہے۔ اب جبکہ امامؑ مصلحت خداوندی کے تحت پردۂ غیب میں اور ان سے ملنا مشکل ہے لہذا شیعوں کا بنیادی اور اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدے کا دفاع کریں۔ اس کی دو جہتیں ہیں۔

اوّلاً: امامؑ کے بارے میں وارد کیے جانے والے اشکالات اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف صورتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض عقائد سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے یہ ایمان رکھنا کہ زمین کسی بھی صورت میں حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی، لہذا ضروری ہے کہ امام مہدی عَجَّلَ اللہُ فَرَجَہُ الشَّرِیف اپنے بابا امام حسن عسکریؑ کے حین حیات میں موجود ہوں۔ اسی طرح بعض اشکالات تاریخ سے مربوط ہوتے ہیں۔

امام علیہ السلام کے بارے میں بہت سے سوالات اٹھائے جاتے ہیں مثلاً اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آخری زمانے میں کوئی نجات دہندہ ہوگا، اور وہ کیوں امام عسکریؑ ہی کا فرزند ہوگا؟، آخر آپؑ اس زمانے میں پیدا ہی کیوں ہوئے کہ آپؑ کو اتنی لمبی عمر گزارنا پڑی؟، آیا ممکن ہے کہ کوئی انسان اتنا طویل عرصہ زندہ رہے؟، امامؑ نے ان ادوار میں ظہور کیوں نہ کیا کہ جب شیعوں کو مشکل حالات کا سامنا تھا؟، اگر آپؑ کو اپنے انصار کا انتظار ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ حکومت شیعوں کے پاس بھی آئی، لہذا آپؑ نے ان ادوار میں ظہور کیوں نہ کیا؟، آپؑ نے اپنی وسیع و عالمگیر حکومت کے قیام کے لیے کیا اقدام کیے ہیں؟، کیا کسی فردِ واحد کے بس میں ہے کہ وہ دنیا کا نقشہ تبدیل کرے؟، جبکہ باطل طاقتوں کے پاس ایسا ایسا جنگی سامان موجود ہے کہ ان کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل ہے؟،

امامؑ کے لیے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ پوری دنیا ان کے تابع ہو جائے؟ آپؑ نے کس طرح خود کو اتنا عرصہ پوشیدہ رکھا، جبکہ دوسری طرف دشمن آپؑ کے تعاقب میں ہیں، اس غیبت کے زمانے میں آپؑ کون سے اعمال و فرائض انجام دے رہے ہیں؟، جب آپؑ کا ظہور ہوگا تو آپؑ عراق کو ہی اپنا دار الخلافہ کیوں بنائیں گے؟، آپؑ کے ظہور کے بعد دنیا کے حالات کیسے ہوں گے؟، اس زمانہ غیبت میں ہمارا فریضہ کیا بنتا ہے؟، اور کیا امام علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھیں گے اور ظلم و ناانصافی کے مقابلے میں خاموش رہیں۔

ایسے تمام سوالوں کے جواب میں ہمارے علماء ومفکرین نے مستقل کتابیں لکھیں۔جن میں سے بعض مختصر جیسے شہید محمد باقر الصدرؒ کی کتاب بحث حول المہدیؑ اور بعض مفصل اور طویل تر ہیں جیسے شہید محمد الصدر کی موسوعۃ الامام المہدیؑ وغیرہ۔

امامؑ کے بارے میں لوگوں کو اطمینان دلانا

ثانیاً: دفاعِ عقیدہ کی دوسری جہت یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام سے متعلق عقیدہ کسی ایک مسلک یا گروہ کا مسئلہ نہیں، بلکہ یہ پوری نوع بشریت کا مسئلہ ہے۔اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے بارے میں ہر زبان میں گفتگو ہونی چاہیے اور وہ بھی مدِ مقابل کی ثقافت اور اس کے فکر وشعور کے مطابق ہونی چاہیے۔لہذا اگر کسی شیعہ کو مطمئن کرنا ہو تو اس کا طریقہ کار ایک خاص نوعیت کا ہوگا، اگر معترض غیر شیعہ ہو تو اس کے لیے اس سے مختلف طریقہ اختیار کیا جائے گا۔اور اگر وہ غیر مسلم ہو تو اُسے سمجھانے کا طریقہ اس سے بھی مختلف ہوگا۔[1]

مثلاً جب ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں کہ یہ بات تسلیم کرنا کیوں واجب ہے کہ امام مہدی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام میں موجود تھے اور اب تک زندہ ہیں۔یہاں کئی اور اعتراضات اٹھتے ہیں۔جیسے کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اتنا لمبا عرصہ زندہ رہے، اور جب امامؑ زندہ رہ کر بھی غائب ہیں تو اس کا فائدہ کیا ہے؟ اس طرح کے سوال اٹھاتے اٹھاتے سائل اتنا تسلیم کر لیتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا عقیدہ تو صحیح ہے، لیکن وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے، بعد میں پیدا ہوں گے۔

---

[1] علم کلام کے بزرگان شبہات کی درج ذیل چار اقسام بیان کرتے ہیں:

۱۔بعض اوقات شبہ کسی ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے کہ جو دین ومذہب میں ہمارے ساتھ متحد (یعنی شیعہ) ہوتا ہے۔اسے مطمئن کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم کہیں: امام صادق علیہ السلام یہ فرماتے ہیں۔۔۔

۲۔کبھی شبہ ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے کہ جو دین میں تو ہمارے متحد لیکن اس کا مذہب ہم سے مختلف ہوتا ہے۔جیسے ہمارے اہل سنت بھائی، تو ایسے شخص کو امام صادق علیہ السلام کے فرمان سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسے سمجھانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث مبارکہ پیش کی جائے۔

۳۔کبھی شبہ ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے جو صرف مبداء ومعاد میں ہمارا ہم خیال، لیکن اس کا دین ہم سے جدا ہوتا ہے۔جیسے یہود ونصاری، تو انہیں ان کی کتابوں سے یا کوئی عقلی دلیل کے ذریعے ہی مطمئن کیا جا سکتا ہے۔

۴۔کبھی شبہ ایسے شخص کی طرف سے ہوتا ہے جو کسی بھی بات میں ہمارے ساتھ نہیں ہوتا۔جیسے مادہ پرست اور ان کے علاوہ ملحدین۔ان لوگوں کو صرف عقلی دلیل کے ذریعے ہی راہِ راست پر لگانا ممکن ہے۔

مسئلہ طول عمر

اس سوال کا جواب کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

اولاً: پہلا جواب عقائد کی رو سے دیا جاتا ہے۔ اور وہ اِس طرح کہ خدا پر لطفاً واجب ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنی طرف سے حجتیں ارسال کرے، جو انبیاء و رسل اور آئمہ ہدیٰؑ کی شکل میں ہوتی ہیں۔ اور ان کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ لہذا زمین خدا کی حجت سے کبھی خالی نہیں رہتی، خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی۔ جب حجتوں کے پے در پے آنے میں کسی وقفے کی گنجائش نہیں تو ماننا پڑے گا کہ امام مہدی عَجَّلَ اللہُ فَرَجَہُ الشَّرِیف، سلسلہء امامت کا تسلسل برقرار رکھے ہوئے ہیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے دنیا سے جانے کے بعد سے آپؑ کی امامت کا دور شروع ہو چکا ہے۔

نیز ہم آئندہ صفحات میں وہ روایات بھی ذکر کریں گے کہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسن عسکریؑ تک ہر حجت نے آپؑ کی بشارت دی اور بتایا کہ آپؑ امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ہوں گے اور آپؑ کا اسم گرامی محمد ہوگا وغیرہ۔ جیسا کہ ان کی تفصیلات شیعہ و سنی دونوں مصادر میں موجود ہیں۔ بلکہ بعض نصوص تو اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ انبیاء ماسبق نے بھی اس کی بشارت دی ہے۔

اس کے علاوہ یہ امام کے لیے معصوم ہونا شرط ہے۔ اور آئمہ اہل بیتؑ کے سوا کسی کا معصوم ہونا ثابت نہیں، جیسا کہ حدیث ثقلین اور آیت تطہیر اس پر بطور نص موجود ہیں۔

ثانیاً: یہ کہ علمی طور پر یہ بات ثابت ہے، نہ عقل و فلسفہ اسے محال کہتا ہے اور نہ ہی علم طبیعات۔ یعنی یہ امر عقلاً محال نہیں کیونکہ یہ نہ تو اجتماع ضدین ہے اور نہ ہی بغیر علت کے امکان وجود ہے۔ اور جہاں تک علم طبیعات کی بات ہے تو بہت سے ماہرین کی آراء موجود ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالہادی فضلی نے انتظار امامؑ اور شہید صدر اول نے بحوث حول المہدیؑ میں اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

ثالثاً: اس کا تیسرا جواب اجتماع حوالے سے دیا جاتا ہے۔ اور وہ ان الٰہی قوانین و اطوار سے ماخوذ ہے کہ جن پر دنیا اور اس کے معاشروں کا نظام قائم ہے۔ ان الٰہی سنتوں سے ان معاشروں کے ارتقاء و اضمحلال کے اسباب کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ ان تہذیبوں اور معاشروں کے طویل تاریخی مطالعے پر مبنی ہے۔ بالخصوص جبکہ امام زمانہ پوری دنیا کے فاسد نظام کی اصلاح کرنے کے لیے ظہور کریں گے۔ لہذا اتنے بڑے انقلاب کو برپا کرنے والے مصلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام تغیراتِ زمانہ کو اپنے پیش نگاہ رکھے اور ان کے لیے عملی طور پر خود کو تیار رکھے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگرچہ باطل اور شیطانی قوتیں دیکھنے میں طاقتور ہوتی ہیں لیکن جو شخص ان کے زوال وانحطاط کی کیفیت کا علم رکھتا ہے اس کی نظر میں ان کی حیثیت مکڑی کے جال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اور وہ انسان ایسے عزم وہمت کا مالک نہیں ہوسکتا جس نے ان شیطانی طاقتوں کے زیر تسلط زندگی گزاری ہو۔ بلکہ ایسا انسان ان کے جبر وتشدد کو دیکھ کر خود کو شکست خوردہ محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم سویت یونین کے بارے میں یہ خیال کرتے تھے کہ اس کا زوال ناممکن ہے۔

لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا شیرازہ بکھرتے اور اس کا تسلط ختم ہوتے دیکھا۔ اس سے ہمارا خدا کے ان قوانین وسنن پر اطمینان اور زیادہ ہوگیا کہ جو ہر چھوٹی بڑی سلطنت پر حاکم ہیں۔ پس جب ہم جیسے کہ جنہوں فقط ایک آدھ طاغوتی سلطنت کا خاتمہ دیکھا، سنن الہیہ سے اس قدر مطمئن ہوگئے ہیں تو اس ہستی کے اطمینان کی کیفیت کیا ہوگی کہ جس نے اپنی ولادت کے زمانے سے عباسی سلطنت اور اس جیسی دیگر جابر حکومتوں کا زوال دیکھا۔ مثلاً بنی عباس کی حکومت کا حاکم بادل کو مخاطب کر کے کہتا تھا کہ تو جہاں بھی برسے، میری مملکت میں ہی برسے گا۔ اور تیرا خراج مجھے ہی ملے گا۔

اس کے بعد امامؑ نے سلطنت عثمانیہ کا مشاہدہ کیا کہ جو ایشیاء، شمالی افریقہ، مشرقی یورپ، برطانیہ، فرانس اور روس کے وسیع ترین خطے پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا وجود بھی ایسے مٹ گیا جیسے ڈیٹا سیونگ ڈیوائس میں موجود چیزیں خود بخود ضائع اور ختم ہوجاتی ہیں۔

ہم یہ بات اصحاب کہف کے واقع سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ سمجھ گئے کہ فی الحال اس فاسد نظام کو بدلنا ان کے بس میں نہیں۔ وہ ان کے درمیان سے نکل کر ایک غار میں روپوش ہوگئے۔ اور خدا نے وہاں انہیں تین سو سال تک سُلا دیا۔ پھر جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے اس ظالمانہ نظام کا خاتمہ دیکھا کہ جو ماضی کی داستان بن چکی تھی۔ لہذا جب خدا اپنے کچھ بندوں کو تین سو سال کے لیے سلا سکتا ہے تو اس کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ امام منتظرؑ کو زندہ رکھے تا کہ آپؑ ان تغیرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سنت الہیہ ہے کہ وہ مصلحین کو کچھ عرصے کے لیے گناہ گار معاشرے سے دور رکھتا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ غار حرا میں خلوت کو عام لوگوں کے درمیان رہنے پر ترجیح دیتے تھے۔ تا کہ ان سے الگ رہ کر خود کو ان کی صلاح کے لیے تیار کریں۔ اور اس خلوت سے آپؐ کی تبلیغ کو بڑی تقویت ملی۔

علم امامؑ کا ماخذ

چوتھا جواب فکری ہے۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ کسی قائد کے اندر خداداد صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو اسے قیادت کے اہل بناتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بڑے قائد اور مربی کے پاس تربیت حاصل کرے۔ اور جیسے جیسے ذمہ داری بڑی ہوگی اس کے حساب سے کامل درس گاہ کی ضرورت ہوگی۔ اور چونکہ امام مہدی علیہ السلام کا ہدف پوری نوع انسانی کی اصلاح ہے اور معصومینؑ کے علاوہ کسی کے بس میں نہیں کہ انہیں اس حوالے سے تیار کریں۔ لہذا آپؑ کی تعلیم و تربیت کا ماخذ آئمہ طاہرینؑ ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہستیاں پہلے اس دنیا کے اتار چڑھاؤ کا اچھی طرح مشاہدہ کر چکی ہیں اور وہ اس امر کی انجام دہی پر قادر ہیں۔ بصورت دیگر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ آپؑ کی تربیت کی ذمہ داری خود خداوند عالم انجام دے رہا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت خداوند عالم نے ہی کی تھی۔ لیکن اگر مقصد عام طریقے سے حاصل ہو جائے تو وہاں معجزے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زمانۂ غیبت میں امامؑ کا وجود

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ غیبت کے زمانے میں اُمت کا کوئی ہادی موجود نہیں تو یہ اُمت اور قائد دونوں کے حق میں اچھا نہیں۔ اس کا بیان کچھ اس طرح ہے:

ا۔ زمانۂ غیبت میں زندہ نہ رہنے کی وجہ سے امامؑ کے لیے تکامل اور ارتقاء کے مواقع مفقود ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام علی زین العابدین علیہ السلام اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں: **واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر** ''اور میری زندگی کو میرے لیے ہر اچھائی میں اضافے کا سبب بنا۔''

معصومؑ کی زندگی کا طویل ہونا اس کے مدارج میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ وہ معصومؑ ہونے کی بنا پر پہلے سے ایک بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے استاد شہید صدر نے **موسوعۃ الامام المھدی** علیہ السلام میں بھی یہی فرمایا ہے[1]۔

---

[1] ممکن ہے کہ شاید کسی کو یہ وہم ہو کہ جب امامؑ پہلے ہی امامت و عصمت جیسے بلند مراتب پر فائز ہیں تو آپؑ کے لیے اس ریاضت کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ خدا کے علاوہ ہر مخلوق کے مدارج میں ارتقاء کی گنجائش ہوتی ہے۔ جیسے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت عبادت کو دیکھ کسی نے کہا کہ جب آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں تو اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں تو آپؐ نے جواب دیا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اسی طرح جب آپ علم میں اپنے کمال پر فائز تھے پھر آپؑ یہ دعا فرماتے تھے: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ از مترجم۔

۲۔ امامؑ کی عدم موجودگی میں جو کہ محال ہے، اُمت ان برکتوں سے محروم ہوجاتی ہے جن سے وہ امامؑ کی موجودگی میں مستفیض ہوتی تھی ۔ جیسا کہ امامؑ نے اپنی غیبت کی افادیت کو اس طرح بیان کیا : اما وجه الانتفاع بی فی غیبتی فکالانتفاع بالشمس اذا غیبها عن الابصار السحاب ''میری غیبت کے عرصے میں میرے فیض کی مثال سورج کی طرح ہے کہ جب اسے بادل نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔'' نیز فرمایا : وانی امان لاهل الارض کما ان النجوم امان لاهل السماء ''اور بے شک میں زمین والوں کے لیے اسی طرح امان کا باعث ہوں کہ جس طرح ستارے آسمان والوں کے لیے باعثِ امان ہیں ۔'' (الاحتجاج ۱: ۲۸۴)

شیخ مفیدؒ کے نام خط میں امامؑ نے فرمایا:

انا غیر مهملین لمراعاتکم ،ولا ناسین لذکرکم ،ولولا ذالك لنزل البلاء و اصطلمکم الاعداء

''ہم نہ تو تمہارے متعلق لاپرواہ ہیں اور نہ ہی تمہاری یاد بھولنے والے ہیں ۔ اگر یہ ہماری عنایت نہ ہوتی تو تم پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی اور دشمن تمہیں کچل ڈالتے ۔'' (الاحتجاج: ۲/ ۳۲۲)

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اگر امامؑ موجود نہ ہوتے تو زمین ، اہل زمین کو دھنسا دیتی ، اور یہ آپؑ روزانہ کی بنیاد پر لوگوں کے اعمال پر مطلع ہوتے ہیں اور نیکوکاروں کے لیے برکت اور گناہ گاروں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں ۔ اور یہ فائدہ ان مشکلات کے حل اور قضائے حوائج کے علاوہ ہے جن کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں ۔ان میں ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جن کی امامؑ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے آپؑ کے فیض صحبت سے برکات سمیٹیں ۔ بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ ہر وہ مشروع کام جس میں اُمت مسلمہ کی بہتری ہو یا جس میں کوئی اجتماعی سنت حسنہ ہو یا وہ عمل جس کا مقصد آوازِ حق بلند کرنا ہو یا جو مسلمانوں کی عزت وسربلندی اور اہل کفر ونفاق کی ذلت ونابودی کا سبب ہو اس کے پس پردہ جو حقیقی طاقت کارفرما ہوتی ہے ۔ وہ امام عالی مقامؑ کی ذات گرامی ہوتی ہے ۔ جیسا کہ علماءِ صالحین کا خیال بھی یہی ہے ۔

۳۔ اگر امامؑ کے عرصہ غیبت میں زندہ رہنے کو نہ مانا جائے تو وہ ایک قائد کے شعور سے عاری ہوجاتی ہے کہ جو اس کے دکھ سکھ میں ساتھ ہو، اس کی امیدوں کو پورا کرے اور اس کے اجتماعات میں شریک ہو ۔ جیسا کہ عبید بن زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یفقد الناس امامهم، یشهد الموسم، فیراهم ولا یرونه ''لوگ امامؑ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ، جبکہ وہ ان کے درمیان موجود ہوتا ہے، چنانچہ وہ انہیں دیکھتا ہے اور وہ اسے نہیں دیکھتے ۔'' (الکافی ، کتاب الحجۃ ، ج ۶ ، باب ۷۷)

وہ انہیں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ دیتا ہے اور اصلاحِ نفس کی ترغیب دلاتا ہے تاکہ وہ اپنے

امامؑ کی مرضی کے مطابق چل کر اس کے انصار میں شامل ہوسکیں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ جب انہیں اس بات کا شعور ہو کہ ان کا اخلاص اور اعمال صالحہ جس قدر زیادہ ہوں گے ان کے امامؑ کے ظہور میں اتنی ہی جلدی ہوگی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظارِ امامؑ کے اس حقیقی معنی کا ادراک بھی ضروری ہے جس کی طرف امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا: **ما من مات منتظرا لامرنا الا یموت فی وسط فسطاط المهدی وعسکرہ** ''جو ہمارے امر کے انتظار میں دنیا سے چلا جائے اس کے لیے کوئی مشکل نہ ہوگی، اور وہ (گویا) امام مہدی علیہ السلام کے خیمے اور لشکر کے درمیان مرے گا۔'' (الکافی: ۸۰/۶)

نیز انتظار کے صحیح مفہوم کے ادراک کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے اس غیبت کے زمانے میں امامؑ سے متعلق ایک مومن کا فریضہ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا بنیادی تربیتی عمل ہے جس سے انسان ایک مسلسل جہاد اکبر میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سے ایسے افراد سامنے آجاتے ہیں جو ہر لحاظ سے شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ شاید یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی توجیہات میں سے ایک ہے کہ جس میں آپؐ نے فرمایا: **من انکر القائم من ولدی فقد انکرنی** ''جس نے میری اولاد میں سے قائم علیہ السلام کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔'' اور فرمایا:

سنته سنتی، یقیم الناس علی ملتی وشریعتی، یدعوهم الی کتاب ربی عزو جل، من اطاعه فقد اطاعنی، من عصاه فقد عصانی، ومن انکره فقد انکرنی، ومن کذبه فقد کذبنی، ومن صدقه فقد صدقنی

''ان کی سنت میری سنت ہے، وہ لوگوں کو میرے دین وشریعت کا پابند بنائیں گے اور انہیں میرے رب کی کتاب کی طرف بلائیں گے۔ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی، جس نے ان کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا، جس نے انہیں جھٹلایا اس نے مجھے جھٹلایا اور جس نے ان کی تصدیق کی اس نے مجھے سچا تسلیم کیا۔'' (تاریخ الغیبۃ الکبری: ۲۸۸، اکمال الدین، منتخب الاثر)

اِس کے علاوہ ہمیں یہ بات بھی ہمیں ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہمارے اعمال روزانہ اور تفصیل کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہر کوئی یہ کوشش کرے گا کہ کہیں میرا کوئی برا عمل امامؑ کے سامنے نہ جائے جس سے آپؑ کو اذیت ہو۔

۴۔ فکر مہدویت کی گہرائی، اس کے محکم خطوط، اس کی دقیق تفاصیل اور اس کے متعلق کیے جانے والے سوالات فکری انسانی میں راسخ ہوجاتے ہیں۔ پھر جو مہدویت کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں یہ فکر ان کا پوری طریقے سے دفاع کرتی ہے اور اس میں تشکیک پیدا کرنے والوں کو ان کی راہوں میں منتشر کردیتی ہے۔ اس فکری

تناؤ سے امامؑ کے انصار کے فکری اور نفسیاتی تکامل کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اور امامؑ کے مخلص جانثاروں اور آپؑ کی حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

اِصلاحِ نفس، نصرت امامؑ کا ذریعہ ہے

رابعاً: معرفت امامؑ کے سلسلے میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور اسے برائیوں سے بچائے رکھے۔ تاکہ وہ امامؑ کے انصار و اعوان میں شامل ہوسکے اور اس کا شمار پوری دنیا کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے والوں میں ہو۔ جیسا کہ اہل بیتؑ بھی ہم سے یہی تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے سخت جدوجہد اور ہر قت محاسبۂ نفس کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت کرنا، امور خیر کا انجام دینا اور ان کی دعوت و ترغیب دینا امامؑ کے ظہور اور آپؑ کی عادلانہ حکومت کے قیام کی تیاری کے بنیادی عوامل میں سے ہیں۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ امامؑ کے بارے میں غفلت و کوتاہی کا شکار ہیں۔ وہ اس نہج زندگی سے بہت دور ہیں جو امامؑ کو مطلوب ہے اور ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اپنی ذات اور اپنے معاشرے کی اصلاح، اعمال خیر کی کثرت اور گناہ و معصیت کے کاموں کو کم کرسکیں۔ اس سے امامؑ کا دل دکھتا ہے کیونکہ امامؑ جو ان پر احسان کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے شر کو دفع کرتے ہیں اور ان کی حاجات کو پورا کرتے ہیں ان کا یہ صلہ نہیں بنتا۔

یہ ہیں وہ باتیں جن کا امامؑ کو اپنے شیعوں اور ماننے والوں سے شکوہ ہے۔ جیسا کہ ہم بعد میں ان کے متعلق تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

معاشرے کو امامؑ کے لیے تیار کرنا

خامساً: امامؑ کی معرفت میں پانچویں جو ضروری ہے وہ ہے معاشرے کی اس طرح تربیت کرنا تاکہ وہ امام زمانہؑ کی الٰہی حکومت کے قیام کے لیے آمادہ ہو کہ جو پوری انسانیت کے لیے باعث رحمت ہے۔ اس کا بیان کچھ یوں ہے:

۱۔ پوری نوع انسانی کو ایک ایسی عالمی حکومت کی ضرورت ہے جو انانیت و شخصی مفاد سے پاک بلند اہداف کی حامل ہو۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں جو معاشرے میں ظلم و زیادتی کا سبب بنتی ہیں۔ جیسا کہ بہت سے فلاسفہ اور مفکرین بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں۔ مثلاً زیو (زینون) جو کہ قدیم یونانی فلسفی ہے، جس نے مدرسۃ الرواقین کی بنیاد رکھی اور تقریباً ۳۵۰ قبل مسیح تک زندہ رہا۔ وہ کہتا ہے: پوری دنیا کے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک عالمی نظام کے

تحت چلیں تا کہ وہ سعادت مندی کو پالیں۔(المصلح الغیبی و الحکومۃ العالمیۃ الموحدۃ:صفحہ ۱۶)

بیسویں صدی کا مشہور فلسفی اور ریاضی دان اپنی کتاب الآمال الجدیدۃ میں لکھتا ہے : جب اس دنیا میں ظلم ،موت اور پریشانیاں عام ہیں تو ہم مفکرین پر لازم ہے کہ اپنی امیدوں کو زہریلے سانپوں سے محفوظ رکھیں ۔ ان تمام تر الجھنوں اور مشکلات کے باوجود ہمیں آئندہ کی بہتری کی امید رکھنی چاہیے ۔کبھی یہ مشکلات انسانوں کے لیے آسانی کا دروازہ ثابت ہوتی ہیں اور وہ جلد ان سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر انسان کے ہوش وحواس سلامت رہیں تو وہ مشکلات سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے کہ جو اپنی عقولِ سلیمہ اور ایجابی توقعات کی حفاظت کرتے ہیں۔(حوالۂ سابقہ)

اب جبکہ اقوام عالم دو عالمی جنگوں کا مزہ چکھ چکی ہیں تو انہوں نے اس سلسلے میں تیزی کے ساتھ کام شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت تمام ممالک کو منظم کیا گیا اور یونائٹڈ نیشنز، یو این ایس سی اور ورلڈ بینک ایسے اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔اگرچہ استکبار کے مسلط ہونے کے باعث یہ ادارے اپنے فرائض کما حقہ ادا نہیں کر پا رہے،لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ نوع انسانی کو اس قسم کی عالمی حکومت کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔انسان نے بہتری کے حصول کے لیے جو نظام ایجاد کیا تھا اس میں وہ بری طرح ناکام ہوا ہے۔ بلکہ اس کا نتیجہ برعکس ثابت ہوا۔کیونکہ اس کی وجہ سے قوموں کے مابین جنگیں اور لڑائیاں شروع ہوئیں،جگہ جگہ ظلم وزیادتی کا دور دورا ہوا اور قومیں پستی میں گرتی چلی گئیں۔

ہم نے سابقاً اپنے دروس میں بیان کیا ہے کہ یہ ناکامی نظریاتی اور عملی ہر دو طرح سے ہوئی ہے۔نظریاتی ناکامی سے میری مراد وہ اقتصادی، سیاسی، اور اجتماعی فاؤنڈیشنز ہیں کہ جو ان معاشروں کی طرف منسوب ہیں۔عملی ناکامی سے مراد ان فاؤنڈیشنز اور آرگنائزیشنز کا دیگر اقوام کے مقابلے میں گھٹنے ٹیک دینا ہے۔اس کے علاوہ ان باطل قوتوں نے خود اپنے ہاتھوں سے کچھ ایسے احمقانہ اقدام کیے ہیں جو ان کی رسوائی کا باعث بنے ہیں۔آج وقت کی ضرورت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم ان عوامل کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ جو ان کی اس ناکامی کا سبب بنے ہیں۔اور یہ جاننا کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ آج کے جدید میڈیا نے عراقی قیدیوں پر امریکہ کے مظالم،ان کے ساتھ غیر اخلاقی رویہ اختیار کرنا،انہیں مارنا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کرنا سب کچھ دکھا دیا ہے۔

نیز ان مواصلاتی ذرائع نے غزہ کے شہروں رفح اور قطاع میں اسرائیلیوں کے مظالم،ان کے گھروں کو گرانا ،انہیں وطن سے نکالنا، بے گناہ اور معصوم شہریوں کے قتل عام کرنا ساری دنیا پر آشکار کر دیا ہے۔ان کے مظالم اور غیر انسانی رویہ یہیں پر بس نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی شخص پر امن احتجاج کرے اور اپنا بنیادی انسانی حق جیسے غذا اور علاج

ومعالجہ کا مطالبہ کرے تو بھی انہیں گولیوں کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح شیشان اور افغانستان میں روسی جرائم اوران کے آزاد موسکو میں قاتلانہ حملے بھی اسی بربریت کا حصہ ہیں۔

یہاں امامؑ کے بارے میں اُمت کا فریضہ یہ بنتا ہے کہ وہ ان استکباری قوتوں سے کھل کر اعلان برات کریں، لوگوں کے ان کے جرائم کے بارے میں مسلسل آگاہی فراہم کریں۔ اوراقوامِ عالم کوان کے شر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی طرف متوجہ کریں۔ تاکہ وہ کھل کر امامؑ کی دعوت پر لبیک کہیں اورظلم وناانصافی کے خاتمے کے لیے آپؑ کا ساتھ دیں۔

۳۔ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی کرنا۔ کیونکہ عظیم الٰہی فریضے کی ادائیگی سے اسلامی روایات کوتحفظ ملتا ہے، راہیں پرامن ہوتی ہیں اور مشکلات آسان ہوجاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس فرض کی ادائیگی سے بہت سے اچھے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کے تمام وسائل کومہیا کرنے سے زیادہ مشکل اس کے لیے وقت نکالنا ہے اور یہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ اوراس کے بارے میں غفلت کرنا امامؑ کے ظہور کی تاخیر کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ سید توکلی ؒ روایت کرتے ہیں: اس زمانے کی بات ہے کہ جب ایران کے بادشاہ رضا خان نے خدا کے مقابلے میں سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جبراً بے پردگی اور تعلیم وثقافت کا ماحول خراب کرنے کا آرڈیننس جاری کیا تو امامؑ کی مجھ سے ملاقات ہوئی اور آپؑ نے فرمایا: دو چیزوں نے میری کمر توڑ دی ہے۔ پہلی یہاں کے مدارس اور ثقافت کا متاثر ہونا اور دوسری چیز خواتین کا بے پردہ ہونا۔ پھر فرمایا: میری ماں فاطمہؑ کا دل ان کی پسلی سے زیادہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کے بعد امامؑ گریہ فرمانے لگے اور آپؑ کا گریہ سن کر میں بھی رونے لگا۔

پس اگر ہم امامؑ کے دل کو خوش اور آپؑ کے ظہور کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پوری ہمت وحوصلے کے ساتھ ظلم وانحراف کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیے۔

۴۔ اسلام کے اخلاق، عقائد اور نظام زندگی میں اس کی عظمت کو پہچاننے کی کوشش کرنا۔ بشریت کوسعادت کی راہ پر گامزن کرنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ کیونکہ یہ صنعت الٰہی ہے۔ اس کے لیے وسیع پیمانے پر کتابیں شائع کرنے اور بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بحث تمام زبانوں میں ہونی چاہیے۔ اس سے اسلام کا پیغام مزید پھیلے گا اوراس کی مقبولیت عام ہوگی۔ جس کے نتیجے میں لوگ مادی دنیا سے متنفر ہوکر اُس سے دور بھاگیں گے۔ اور بالآخر اسلام کے پرامن پیغام کوقبول کرلیں گے۔ جیسا کہ اب مغرب میں اس طرح کی آوازیں اٹھائی جارہی ہیں۔ کیونکہ وہ آہستہ آہستہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تعلیمات الٰہیہ سے دور ہونے کی وجہ سے ان کی زندگیوں کو بڑا خطرہ لاحق ہو

رہا ہے۔

اس بنا پر ہم پہ بھی واجب ہے کہ اسے اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کریں اور اُمم سابقہ میں خدا کی جاری ہونے والی سنتوں کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کریں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بھی نوع بشر کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ایک کے بعد دوسرا نمونہ پیش کیا ہے کہ جس میں سابقہ امتوں کی تاریخ سے متعلقہ چیزیں بیان کی گئی تھیں۔

قربِ امامؑ حاصل کرنے کے ذرائع

۱۔ پوری کائنات سے بے نیاز ہو کر خدا سے لو لگانا۔ جیسے کوئی بیمار، پریشان حال اور بے آسرا انسان اپنی ساری امیدیں اس سے وابستہ کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں اس کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾

''پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو ایمان وعقیدہ کے پورے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو فوراً شرک اختیار کر لیتے ہیں۔''

لیکن واضح رہے کہ یہاں ہمارے بیان کا مقصد ہر حال میں خدا کی رحمت سے امید رکھنا ہے، نہ صرف مشکل و پریشانی کے عالم میں۔

۲۔ جو علم خالصتاً رضائے پروردگار کے لیے سیکھا ہو اس پر عمل کرنا۔ کیونکہ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے خدا اسے ان چیزوں کا علم بھی دے دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

العلم مقرون الی العمل فمن علم عمل و من عمل علم ، والعلم یهتف بالعمل فان اجابه والا ارتحل عنه

''علم عمل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لہذا جو علم رکھتا ہے وہ عمل کرتا ہے اور جو عمل کرتا ہے وہ (جن چیزوں سے لاعلم ہوتا ہے ان کے بارے میں) جان لیتا ہے۔ علم، عمل کو بلاتا ہے، چنانچہ اگر وہ اس کی پکار کا جواب دے تو اس شخص کے پاس رہتا ہے، ورنہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔'' (الکافی)

۳۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ امام زمانہ علیہ السلام اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مومنوں پر اپنی رحمت وشفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ لہذا امامؑ صرف تلوار سے ہی نظام عدل قائم نہیں کریں گے، بلکہ تمام اطراف وجوانب میں اپنی پرامن دعوت عام کریں گے اور اقوام عالم آپؑ کی دعوت کو قبول کریں گی اور ظلم کے خاتمے میں آپؑ کا ساتھ دیں گی۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے امامؑ کے قیام کا آغاز ہی تلوار سے ہوگا اور آپؑ کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ ایسا شخص وہم کا شکار ہے، بلکہ لوگوں کو امامؑ سے دور کرنے کا سبب بن رہا ہے اور ان کے دلوں میں امامؑ کے لیے نفرت پیدا کر رہا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) امام علیہ السلام تو صرف وہاں تلوار استعمال کریں گے کہ جہاں کوئی دوسری راہ نہ ہوگی۔

ہم چونکہ امامؑ کے لطف و کرم سے واقف ہیں اس لیے ہم اس طرح کا خیال سوچ بھی نہیں سکتے۔ اب جبکہ امامؑ پردہ غیب میں رہ کر بھی اپنے مومنوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آتے ہیں تو جب ظاہر ہوں گے تو کیوں نہ شفقت کا مظاہرہ کریں گے؟! حالانکہ آپؑ اپنے اجداد کرامؑ کی طرح خدا کی رحمت اور اس کی دوسری تمام صفات کا مظہر ہیں، سوائے ان صفات کے کہ جو خدا کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے اور بہت سے دوسرے افراد نے یا ابا الصالح المهدی ادرکنی کے استغاثہ کا تجربہ کیا ہے۔ اس سے بہت سے مشکلات حل ہوتی ہیں اور چھوٹی بڑی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

۴۔ مومنین کا مساجد، امام باگاہوں اور اس کے علاوہ جہاں بھی اجتماع ہو وہ اس آیت کریمہ کا تکرار کریں:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ

۵۔ لوگوں کے ساتھ رحمت و شفقت اور احسان کے ساتھ پیش آنا امام زمانہ عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْفَ کی روحانی قربت حاصل کرنے کے ذرائع میں سے ہیں۔ وہ لوگ جن کے لیے تزکیہ نفس کرنا مشکل ہوتا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ کم سے کم یہ کریں کہ دوسروں کو تکلیف نہ دیں، ان سے نفرت نہ کریں، حسد و کینہ سے اجتناب کریں اور انتقام کے خواہش مند نہ ہوں۔ جیسا کہ مقولہ ہے: دوسروں پر رحم کرو تا کہ تم پر بھی رحم کیا جائے۔ کیونکہ حسد و کینہ اور حب انتقام انسان کو امامؑ سے محجوب کر دیتے ہیں۔ اور اگر انسان کی روح میں کوئی ایک حجاب بھی باقی رہ جائے تو اسے دسیوں حجابات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ خواہ رکیک ہی کیوں نہ ہوں انسان کی نظروں سے حقائق کو اوجھل رکھتے ہیں۔

لہذا مومن کو اس بات کا عزم کرنا چاہیے کہ وہ کسی کو اذیت نہ دے گا اور روزانہ کی بنیاد پر مثلاً پانچ افراد کا دل خوش کرے گا۔ کیونکہ امام زمانہ عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْفَ کا اخلاق بھی یہی ہے کہ آپؑ کسی کو تکلیف نہیں دیتے، اور دوسروں کا دل خوش کرنا پسند کرتے ہیں۔ یعنی دوسروں لفظوں میں امامؑ کے ساتھ ملاقات کے لیے دل کا ہر طرح کی باطنی نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ جو شخص کینہ پرور، حاسد اور غیبت و عیب جوئی کرنے والا اور دوسروں کو کم تر سمجھنے والا ہو وہ اس سعادت سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ امامؑ اس خدا کے نمائندے ہیں کہ جسے ہم ان الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں: یا من اظهر الجمیل و ستر القبیح ''اے وہ ذات! جو اپنے بندوں کی

اچھائیوں کو ظاہر کرتی ہے اور ان کے برے کاموں پر پردہ ڈالتی ہے۔"لہذا امامؑ بھی لوگوں کے عیوب چھپاتے ہیں، ان کی اچھائیوں کو عام کرتے ہیں اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں۔

۶۔ خدا کے کمالِ مطلق اور اس کی بے شمار نعمتوں کی وجہ سے اس سے محبت کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ امامؑ سے بھی دلی وابستگی اور عقیدت رکھنا۔ کیونکہ آپؑ خدا کی رحمت و فیض کا واسطہ ہیں۔ نیز زیارات میں آیا ہے: **من احبکم فقد احب الله** "جس نے آپؑ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی۔" اسی طرح جناب سیدہؑ کی شان میں ایک حدیث نبویؐ میں آیا ہے: **من احبها فقد احبنی و احبنی فقد احب الله** "جس نے فاطمہؑ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی۔"

محبت کے ساتھ ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً اس کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت کی جائے اس کی ہر بات مانی جائے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: **ان المحب لمن یحب مطیع** "بے شک محب اپنے محبوب کا تابع فرماں ہوتا ہے۔"[1] اور ارشاد خداوندی ہے: **وَ الّذِیۡنَ آمَنُوا اَشَدُّ حُبّاً لِلّٰہِ** "اور جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے بڑی محبت کرتے ہیں۔" یعنی وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اس کی نافرمانی کی وجہ سے اس کی نظرِ محبت سے گر نہ جائیں۔

۷۔ جس کھانے کے بارے میں اشتباہ ہو کہ اس کے مالک نے اس میں سے واجبات شرعیہ جیسے خمس و زکوۃ نہ نکالے ہوں گے، اسے کھانے سے بچنا۔ چہ جائیکہ وہ کھانا اصلاً حرام ہو۔

۸۔ معصومینؑ کی وصیتوں اور ان کے کلام جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب ابوذرؓ کو کی جانے والی وصیت، سے استفادہ کرنا۔

۹۔ جس قدر ممکن ہو، قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا۔[2]

۱۰۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، اور اگر وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔ تو ان کے

---

[1] محولہ بالا فقرہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس شعر کا ایک حصہ ہے:

تعصی الہ و تظهر حبه	لعمرك هذا فی الفعال بدیع
لو كان حبك صادقا لطعته	لان المحب لمن یحب مطیع

"ایک طرف تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ قسم سے یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کا فرمان بردار ہوتا ہے۔" (کتب سیر و تواریخ) از مترجم

[2] اس سلسلے میں مزید تفصیل ہماری کتاب شکوۂ قرآن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ایصال ثواب کے لیے نیک کام کرنا۔

۱۱۔ آئمہ طاہرینؑ کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرنا، خواہ دور سے اور مختصر الفاظِ زیارت کے ساتھ ہی ہو۔ اسی طرح آئمہؑ کی نیک اولادوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔

۱۲۔ نماز تہجد ترک نہ کرنا اور اسے خاص اہتمام کے ساتھ ادا کرنا۔ امام علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یا حسرۃ علی اھل العلم الذین یرون انفسھم مرتبطین بنا ثم لا یواظبون علی صلاۃ اللیل ''ان اہل علم پر افسوس ہے کہ جو خود کو ہم اہل بیتؑ سے مربوط سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی نماز تہجد کی پابندی نہیں کرتے۔''

مفاتیح الجنان میں سید رشتی کے واقعہ میں آیا ہے کہ اس بابرکت نماز کے بارے میں غفلت و کوتاہی سے رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں۔

۱۳۔ جناب سیدہؑ کونینؑ کا خطبہء فدک[1]، مولا امیر المومنینؑ کا خطبہء شقشقیہ اور جناب ثانیہء زہراؑ کا دربار یزید میں دیا ہوا خطبہ مسلسل پڑھتے رہنا۔

۱۴۔ جناب سیدہؑ کی تسبیح کو بالخصوص فریضہ نمازوں کے بعد ترک نہ کرنا۔ اور یہ نماز کے بعد پاؤں کو اپنی جگہ سے حرکت دینے سے پہلے پڑھے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب سیدہؑ کی اس ذکر کثیر میں سے ہے جس کا خدا نے اس فرمان میں حکم دیا ہے: اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کثیرًا، ایک روایت میں آپؑ نے فرمایا: جو شخص فرض نماز کے بعد پاؤں کو اپنی جگہ سے ہٹانے سے پہلے تسبیح زہراؑ پڑھے تو خداوند عالم اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اس تسبیح کا آغاز اللہ اکبر سے کرے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایسی کسی بھی چیز سے خدا کی حمد نہیں کی گئی کہ جو جناب سیدہؑ کی تسبیح سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو۔ اگر کوئی چیز اس سے افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیدہؑ کو وہ تحفے میں دیتے۔ (الکافی)

۱۵۔۔ دور یا نزدیک سے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی پابندی کرے۔ بالخصوص شبہائے جمعہ اور ان دنوں میں کہ جو امامؑ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ وسائل الشیعہ جو کہ شیخ حر عاملی کا رسالہ عملیہ ہے۔ اس کے باب ''زیارت امام حسینؑ کا مستحب تاکیدی اور واجب کفائی ہونا'' میں آیا ہے:

ہارون بن خارجہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خدا نے امام حسین علیہ السلام کی

---

[1] یہ خطبہ احتجاج طبرسی کی جزو اوّل میں موجود ہے۔ آقائے حسین شرف الدین موسوی صاحب المراجعات نقل کرتے ہیں کہ ماضی کے نیک بزرگان اس خطبے کو بھی قرآن کریم کی مانند حفظ کیا کرتے تھے۔

قبر اطہر پر چار ہزار فرشتے مقرر کیے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں۔ وہ روز قیامت تک امام عالی پر گریہ وزاری کرتے رہیں گے۔ جب کوئی شخص امام حسین علیہ السلام کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے ان کی زیارت کو جاتا ہے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، یہاں تک کہ اسے رہائش گاہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو صبح و شام اس کی عیادت کو آتے ہیں اور اگر وہ دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کے جنازے پر آتے ہیں اور روز قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص امام حسین علیہ السلام کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے ان کی زیارت کرے تو اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: جس نے فرات کے کنارے پر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اس نے گویا عرش پر خدا کی زیارت کی۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ فرماتے ہیں: ''ہمارے شیعوں کو قبر حسینؑ کی زیارت کا حکم سناؤ۔ بے شک وہاں جانا رزق میں اضافہ اور عمر دراز کرتا ہے اور برائی کے مقامات سے بچاتا ہے۔ جو ان کی امامت کو منصوص من اللہ مانتا ہو اس پر وہاں جانا فرض ہے۔'' صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کی قبر کی جگہ جس دن آپؑ اس میں دفن ہوئے، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

آپؑ سے ہی مروی ہے کہ جو شخص قبر حسینؑ کی زیارت کرے تو اس کے گناہوں کو اس کے گھر کے دروازے پر پل بنا دیا جاتا ہے تو اس کے اوپر گزر جاتا ہے۔ جیسا کہ تم سے کوئی جب پل سے گزر جاتا ہے تو اسے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ایک روایت میں آپؑ فرماتے ہیں: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علیؑ اور جناب سیدہؑ کی ہمسایگی چاہتا ہو تو امام حسین علیہ السلام کی زیارت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ایک اور روایت میں فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص ہر سال حج کرے اور امام حسین علیہ السلام کی زیارت پر نہ جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے ایک حق کا تارک کہلائے گا۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کا حق خدا کی طرف سے فرض ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپؑ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ جو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی استطاعت کے باوجود زیارت نہ کرے؟ آپؑ نے فرمایا: ایسے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم اہل بیتؑ کے واجب حق میں کوتاہی کی اور اس امر کو کم تر سمجھا کہ جس میں خود اسی کی بہتری تھی۔

۱۶۔ بندوں کے احسانات پر ان کا شکریہ ادا کرنا۔ جو شخص خدا کے بندوں کا شکر ادا نہ کرے، وہ اس کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے شکر کی روح ختم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے خدا کے نیک بندوں کے ساتھ جو بھی بھلائی کرتا وہ اس کا شکریہ ادا کرتے تھے، خواہ وہ کافر ہی ہوتا۔

۱۷۔ زیارت جامعہ کی تلاوت کی پابندی کرنا۔ کیونکہ یہ سند و متن ہر دو لحاظ سے صحیح ہے۔ اسے امام زمانہ عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْفَ کے سامنے پڑھا گیا تو آپؑ نے اس کے مضامین کا اقرار کیا اور اس کے بارے میں شیعوں کی لاپرواہی پر ناراضگی ظاہر فرمائی۔ جیسا کہ مفاتیح الجنان کے اواخر میں سید رشتی کے واقعہ میں آیا ہے۔

۱۸۔ امام زمانہ (عج) سے توسل کرنا اور آپؑ کو جناب سیدہؑ کا واسطہ دے کر استغاثہ کرنا۔ اس سے امامؑ فریاد کرنے والے کی فریاد سنتے ہیں اور اس کی حاجت کو پورا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کا جناب سیدہؑ کے ساتھ ایک گہرا ربط ہے۔ یہاں تک کہ ایک امام معصومؑ نے فرمایا:

جب ہمیں خدا کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہوتی ہے تو اپنی ماں جناب سیدہؑ کو وسیلہ بناتے ہیں۔

اسی طرح امام زمانہؑ کی والدہ محترمہ جناب نرجسؑ سے توسل کرنا۔ جو کہ ایک مجرب عمل ہے۔[1]

۱۹۔ خواہشات نفس پر قابو رکھنا اور اس کے پیچھے چلنے سے گریز کرنا۔ جیسا کہ امامؑ کے ساتھ ملاقات کے ایک واقعہ میں آیا ہے کہ جب شیخ حسن کو امام زمانہ (عج) کی زیارت ہوئی تو ان کے ایک استاد کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں بھی امامؑ کی زیارت نصیب ہو۔ تو امامؑ نے ان سے کہا: کب وہ وقت آئے گا کہ تم بھی شیخ حسن کی طرح اپنی نفسانی خواہشات کا پیچھا چھوڑو گے اور ان کی خلاف ورزی کر کے دین کی راہ پر چلو گے۔ جب تم ایسا کرو گے تو ہم خود تمہاری زیارت کے لیے تمہارے پاس آئیں گے۔

۲۰۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور مراقبہ کرنا۔ مراقبہ سے مراد حرام کاموں کو چھوڑنے، مکروہات سے دامن بچانے اور واجبات کو ان کے افضل وقت پر اور صحیح طریقے سے ادا کرنا۔ اس کے لیے فقہ و عقائد کی تعلیم ضروری ہے۔ جبکہ محاسبہ یہ ہے کہ انسان ہر رات سونے سے قبل خود کو امامؑ کے سامنے پیش کرے اور برے کاموں پر غور کرے، ہر برے عمل سے توبہ و استغفار کرے و راس کی تلافی کی کوشش کرے اور ہر اچھائی پر خدا کا شکر کرے۔

جب انسان گناہوں کو ترک کرتا ہے اور واجبات کو ادا کرتا ہے تو اس کے دل سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ ان روحانی اور معنوی بیماریوں کا علاج کرنا ہے جن کی وجہ سے انسان ایسے گناہوں میں پڑتا ہے کہ جو ہلاکت ابدی کا موجب بنتے ہیں۔ اور یہ امراض ان جسمانی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہیں کہ جو فقط انسان کی دنیا کی زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔

۲۱۔ شہر کی جامع مسجد میں تین دن اعتکاف بیٹھنا اور بالخصوص ماہ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد کوفہ

---

[1] جو احباب اس بی بیؑ کی عظمت و جلالت کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں وہ سید مرتضیٰ شیرازی کی کتاب ''نرجسؑ'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

میں اعتکاف بیٹھنا۔ اسی طرح ماہ رجب المرجب کے ایام بیض کو مسجد میں اعتکاف کی حالت میں گزارنا۔ منقول ہے کہ آقائے بروجردی کے زمانے میں قم المقدسہ کا حوزہ علمیہ ان ایام میں بند ہوتا تھا اور وہاں دروس سے چھٹی ہوتی تھی۔ ان دنوں میں علماء مساجد میں اعتکاف بیٹھنے والے طلباء کے پاس جاتے اور ان کی مادی و روحانی امداد فرماتے تھے۔

۲۲۔ سارا سال اہل بیتؑ کے غم منانا اور محض محرم الحرام کے چند ایام پر اکتفاء نہ کرنا۔ بالخصوص جناب سیدہؑ، امام حسینؑ، جناب علی اصغرؑ، جناب علی اکبرؑ کے مصائب اور اسی طرح امام مظلومؑ کا بچوں اور اہل خانہ سے وداع اور سید زادیوںؑ کی اسیری کو یاد کر کے گریہ کرنا۔ جیسا کہ زیارت ناحیہ میں امام زمانہؑ فرماتے ہیں: لابكين عليك صباحا و مساءا ''اے میرے مظلوم داداؑ! میں صبح بھی آپؑ پر روؤں گا اور شام کو بھی۔'' شعائر حسینیہؑ اور خاص طور پر دسویں محرم کے دن کے جلوس میں خلوص نیت کے ساتھ شامل ہونا۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا حسینی شعار ہے۔

۲۳۔ ادعیہ توسل کی تلاوت کرنا اور ان کے معانی پر غور کرتے ہوئے خدا سے دعا و التجا کرنا۔ شب ہائے جمعہ کو مساجد اور امام بارگاہوں وغیرہ میں جا کر دعائے کمیل اور روز جمعہ دعائے ندبہ کی تلاوت کرنا۔

۲۴۔ انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ زندگی کی مشکلات اور زمانے کی سختیوں میں بدظن نہ ہو، اور نہ ان سے بالکل لاپرواہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں بسا اوقات انسان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں اور کبھی اس کی تربیت و تزکیۂ نفس کا سبب قرار پاتی ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں صورتوں میں اچھی ہوتی ہیں۔

۲۵۔ بار بار خدا کے حضور سجدہ ریزی کرنا، خواہ وہ اس کی ان گنت نعمتوں کے شکر کے طور پر ہو، یا اس سے کسی کام کی دعا کی غرض سے ہو۔ کیونکہ انسان اس وقت خدا کے بہت قریب ہوتا ہے کہ جب وہ سجدہ کی حالت میں ہو اور سات مرتبہ یا ارحم الراحمین کہے۔ اور پھر خدا سے سوال کرے اور حضرت یونس کی اس دعا کا بار بار تکرار کرے: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ جس کے جواب میں خداوند عالم نے فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ ''ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔'' سورۃ الصافات میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔'' (۱۴۳، ۱۴۴)

۲۶۔ زیارۃ آل یاسین کی پابندی کے ساتھ تلاوت کرنا اور اس کے بعد وہ دعا پڑھنا کہ جو مفاتیح الجنان میں موجود ہے۔ جیسا کہ علماء و صالحین کا معمول ہے کہ وہ اسے پابندی کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔

دوسرا باب

سلفِ صالح کے طریقہ سے دوری

یہ امام زمانہ کے بارے میں دوسرا درس ہے۔ اور یہ آج کے دن پیش کیے جانے سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ آج مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب کا روز ولادت ہے۔ جس کی خوشی، نہ صرف شیعہ یا مسلمان کو ہے، بلکہ اس خوشی میں نوع انسانی کا ہر وہ فرد شریک ہے جو آپؑ کی پیش کردہ عدالت، رفعت و سربلندی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ آج کے دن کے بارے میں شیعوں کی خوشی باقی لوگوں کی نسبت زیادہ ہے۔ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے شیخ مفیدؒ کی طرف ارسال کیے ہوئے مکتوب میں فرمایا:

و لو ان اشیاعنا (وفقهم الله لطاعته) على اجتماع من القلوب فى الوفاء بالعهد عليهم لما تاخر عنهم اليمن بلقائنا و لتعجلت لهم السعادة بمشاهدة على حق المعرفة و صدقها منهم بنا فما يحبسنا عنهم الا ما يتصل بنا مما نكرهه و لا نؤثره منهم. والله المستعان وهو حسبنا و نعم الوكيل

''خدا ہمارے شیعوں کو اپنی اطاعت کی توفیق دے! اگر وہ پورے دلی جذبے کے ساتھ اس وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کرتے کہ جو ان سے لیا گیا تھا تو وہ ہماری ملاقات کی برکت سے محروم نہ رہتے اور انہیں جس قدر ہماری معرفت ہوتی اور اس میں وہ جتنے سچے ہوتے اتنا ہی جلد انہیں ہماری زیارت کی سعادت نصیب ہو جاتی۔ جس چیز نے انہیں ہماری زیارت سے محروم کر رکھا ہے وہ ان کے ناپسندیدہ اعمال ہیں جو ہم تک پہنچتے ہیں اور ہم انہیں اچھا نہیں سمجھتے۔ ہم خدا ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، وہی ہمارے لیے کافی اور اچھا مددگار ہے۔'' (الاحتجاج: ۳۲۵/۲)

یہ دوسری خط کی عبارت تھی۔ امامؑ کی جانب سے شیخ مفیدؒ کو اِس سے پہلے بھی ایک خط موصول ہوا۔ جس میں آپؑ فرماتے ہیں:

فانا نحيط علماً بأنبائكم ولا يعزب عنا شئى من اخباركم و معرفتنا بالذى اصابكم مذ جنح كثير منكم الى ما كان السلف الصالح عنه شاسعاً و نبذوا العهد الماخوذ وراء ظهورهم كانهم لا يعلمون

''ہمیں تمہارے حالات کا علم ہے، تمہاری کوئی بات ہم سے ڈھکی چھپی نہیں اور ہم ان مشکلات سے بھی آگاہ ہیں جن کا تمہیں سامنا ہے۔ یہ مشکلات اس وقت کھڑی ہوئیں کہ جب تم میں سے بہت سے افراد نے سلف صالح کے طریقے سے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنا کیا ہوا وعدہ اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

(۳۲۲)''

جوصورت ان خطوط میں بیان ہوئی ہے ایسا ہی واقعہ ایک تالا فروش کے ساتھ پیش آیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا اور اسے امام زمانہؑ سے ملاقات کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی ریاضتیں کیں اور عبادات میں خود کو تھکایا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ قلبی طور پر امامؑ کی ملاقات سے مایوس ہو چکا تھا کہ اسے غیب سے ایک آواز سنائی دی: ''دیارِ حبیب کی جانب سفر کے لیے کمر باندھ لو۔'' یہ سن کر اس نے پھر سے عبادت و ریاضت شروع کر دی اور پہلے کی نسبت زیادہ نمازیں پڑھنے لگا۔ پس جب اسے مسجد کوفہ میں عبادت کرتے چالیس روز مکمل ہوئے تو ایک اور آواز سنائی دی کہ تمہارے مولا تم سے لوہاروں کے بازار میں ملاقات کریں گے۔ وہ ایک بوڑھے شخص کی دکان کے دروازے کے پاس موجود ہوں گے کہ جو تالے تیار کر رہا ہوگا۔

یہ آواز سنتے ہی جلدی سے لوہاروں کے بازار میں گیا اور وہاں امامؑ کو دیکھا۔ آپؑ کے چہرۂ انور سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ یوں امامؑ کو اچانک دیکھ اس عبادت گزار کی عقل دنگ رہ گئی۔ پھر امامؑ نے اس سے فرمایا: اب جو ہوگا اسے غور سے دیکھنا۔ چنانچہ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ وہاں ایک ضعیف خاتون آئی جس کے ہاتھ میں بند تالا تھا اُس نے تالا فروش سے کہا: کیا تم یہ تالا تین دینار میں مجھ سے خرید لو گے؟ اس نے کہا: نہیں، یہ تالا آٹھ دینار کا ہے، اور جب میں اسے ٹھیک کر لوں گا تو اس کی قیمت دس دینار ہو جائے گی۔ وہ بوڑھی عورت سمجھ رہی تھی کہ شاید یہ تالا فروش مجھ سے مذاق کر رہا ہے مگر اس نے سات دینار نکال کر اس بڑھیا کے ہاتھ میں دے دیے۔ اور کہا: میں اسے تم لے کر آگے بیچ دوں گا۔ میں اسے سات دینار کا لیتا ہوں تا کہ ایک دینار کا نفع حاصل کروں۔ چنانچہ اس ضعیفہ نے وہ دینار لیے اور خوشی سے واپس چلی گئی۔

تب امامؑ نے اس عبادت گزار کی طرف دیکھ کر فرمایا: اس طرح ہو جاؤ جیسے یہ بوڑھا تالا فروش ہے۔ تا کہ ہم خود تمہارے پاس آئیں۔ چالیس روز کی عبادت یا علم جفر و حروف کا کچھ فائدہ نہیں، (اگر ہماری ملاقات کے خواہش مند ہو تو) صرف اپنے اعمال کی اصلاح کر لو۔

تو اب ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ وہ کون سی صفات ہیں جو ایک حقیقی شیعہ میں ہونی چاہئیں اور وہ ہمارے اندر نہیں پائی جاتیں۔ جس کی وجہ سے ہم امام زمانہؑ کی ملاقات اور آپؑ کے ظہور کی برکت سے محروم ہیں۔ تو ان صفات کو ہم ذیل میں آنے والی احادیث کی روشنی میں کوشش کریں گے جن میں شیعانِ اہل بیتؑ کی قدر و منزلت اور خدا کے یہاں ان کے مقام و مرتبے کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کم سے کم حد کیا ہے جس پر ہم شیعہ جیسے عظیم کا نام کا مصداق بن سکتے ہیں؟ ظاہر یہ ہے ان افراد کی تعداد بہت کم ہے جن پر یہ عنوان منطبق ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ

میں ارشاد رب العزت ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾

''اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔ نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے۔ بہت سے لوگ اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور کچھ آخر دور کے ہوں گے۔'' سبقت کرنے والے ہی آگے بڑھنے والے ہیں، وہی بارگاہِ الٰہی کے مقرب اور نعمتوں سے بھری جنتوں میں رہیں گے۔ اس طبقے میں زیادہ تر افراد پہلے زمانہ کے ہوں گے، اور کچھ تھوڑے بعد والوں میں سے ہوں گے۔'' (آیات :۱۰ تا ۱۴) لیکن یہاں فکرمندی اور ناامید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ انسان رفتہ رفتہ ترقی کر کے کمال کے درجے تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ جب سورۃ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ''ایمان والو اللہ سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے۔'' (آل عمران، ۱۰۲)

تو صحابہ کرامؓ بیٹھ کر رونا شروع کر دیا اور انہیں ایک طرح کی مایوسی ہونے لگی کہ کس میں ہمت ہے کہ وہ خدا سے اس طرح ڈرے جیسے ڈرنے کا حق ہے؟ تو ان کی اس پریشانی کا جواب اس فرمان الٰہی میں آیا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''جس قدر ہو سکے خدا سے ڈرتے رہو۔'' (التغابن :۱۶) چنانچہ اگر تم نے تقویٰ الٰہی اختیار کیا اور اپنی استطاعت کے عمل انجام دیا تو اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کے اہل بن جاؤ گے۔ پھر جب تم سے اس درجے پر پہنچ جاؤ تو اس کے مطابق تقویٰ اختیار کرو تو خدا تمہیں اس سے اوپر والے درجے پر لے جائے گا۔ اور یوں اس طرح تقویٰ الٰہی اختیار کر لو گے کہ جیسا اس کا حق ہے۔

ایک بات سب کے لیے

یہاں جو ہم ایک حقیقی شیعہ اوصاف بیان کر رہے تو اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فقط شیعہ ہی ان اوصاف کو اپنائیں، بلکہ اس میں ہمارے مخاطب غیر شیعہ، حتیٰ غیر مسلم بھی ہیں۔ اور ان سب کو مخاطب کرنے کے تین مقاصد ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

شیعوں کو اس لیے مخاطب کیا گیا ہے تا کہ وہ اپنا محاسبہ کریں، اپنے اعمال کو اس دقیق میزان پر پرکھیں اور اس بعد دیانت داری کے ساتھ سوچ کر فیصلہ کریں کہ آیا وہ حقیقت میں بھی ایسے شیعہ کہلا سکتے ہیں کہ جو ان بلند مقامات کے حامل ہوں گے یا نہیں؟ دیگر مسلمانوں کو مخاطب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں پتہ چلے شیعہ کیا ہیں اور ان کا مقام کیا ہے؟ پھر وہ اس بات پر غور کریں کہ کیا ان کی مخالفت، انہیں سب وشتم کرنا، ان سے بائیکاٹ کرنا اور انہیں کافر کہنا

جائز ہے یا نہیں؟

غیر مسلموں کو مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ انہوں کیوں مسلمانوں کے ساتھ ثقافتی جنگ چھیڑی ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کو بدنام کرنا اپنا پسندیدہ مشغلہ بنایا ہوا ہے؟! یہاں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ایک مسلمان کی شخصیت کا نمایاں چہرہ اور ان عناصر کو دنیا کے سامنے رکھیں جن سے اس کی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ وہ شخصیت کہ جس کو مجسم صورت اہل بیت اطہارؑ نے اپنے عمل کے ذریعے پیش کیا۔

اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ تشیع اسلام کی روح اور اس کا جوہر ہے، جیسا کہ ہمارے قارئین عن قریب اس حقیقت کو احادیث نبویؐ اور اصحاب کبار جیسے حضرت سلمان محمدی، جناب ابوذر، حضرت مقداد، حضرت عمار، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت ابن تیہان، حضرت ابوایوب انصاری اور جناب خالد بن سعید بن عاص اموی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کے فہم کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

شیعانِ علیؑ کے فضائل

قبل اس کے کہ ہم شیعہ کی حقیقی صفات کے بارے میں بیان کریں، مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں بعض وہ احادیث بیان کریں جن میں شیعانِ علیؑ کے فضائل اور ان کے بلند مقامات کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر الدر المنثور میں سورۃ مبارکہ بینہ کی درج ذیل آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝﴾

''بے شک وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ انجام دیے تو وہی سب مخلوق سے افضل ہیں۔ اُن کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں (یہ سب کچھ) اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار (کی حکم عدولی) سے ڈرتا ہے۔''

ابو ہریرہ سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: کیا تم اس بات پر حیران ہوتے ہو کہ فرشتے خدا کے یہاں بلند مقام و مرتبے کے حامل ہیں؟! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے روز خدا کی بارگاہ میں ایک بندہ مومن کی منزلت فرشتے سے زیادہ ہوگی۔ اگر تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝﴾

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے، آپؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ مولا علیؑ وارد محفل ہوئے۔ آپؐ کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے

میں میری جان ہے قیامت کے روز یہ اور اس کے شیعہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ۷﴾

اس کے بعد جب مولا علیؑ کسی محفل میں تشریف لاتے تو صحابہ کرامؓ کہتے ہیں: خیر البریہ (تمام مخلوقات سے افضل) تشریف لے آئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: وہ خیر البریہ آپؑ اور آپ کے شیعہ ہیں۔ آپؑ لوگ میدان قیامت میں اس حال میں وارد ہوں گے کہ آپ خدا سے راضی اور وہ آپ پر خوش ہوگا۔ جبکہ آپؑ کے دشمن غضب ناک حالت میں آئیں گے اور (گلے میں ڈالی گئی زنجیروں کے باعث) ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہوں گے۔ (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور)

صواعق محرقہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپؑ اس پر راضی نہیں کہ آپؑ جنت میں میرے ساتھ، حسنؑ و حسینؑ اور ہماری ذریت ہمارے پیچھے اور ہماری ازواج ان کے پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔ (باب:۱۱)

اگر ہم شیعہ کی صفات کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان تمام خصوصیات کو ذکر کریں جو خدا کو پسند ہیں اور ان تمام کو ترک کر دیں جو خدا کو ناپسند ہیں۔ اس مختصر سے بیان میں ان تمام کا جمع کرنا ممکن نہیں، لہذا میں بعض کتابوں کے نام ذکر کرتا ہوں جن میں ان صفات کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسے شیخ صدوقؒ کی صفات الشیعہ اور ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، وسائل الشیعہ کی گیارہویں جلد کے ابواب جہاد بالنفس اور باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، اسی کتاب کی آٹھویں جلد کا باب آداب العشرۃ اور کتاب تحف العقول وغیرہ۔

اگر کوئی شخص نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا وہ خطبہ پڑھ لے جس میں آپؑ نے متقی لوگوں کے اوصاف کے بیان کیے ہیں تو اسے شیعہ کی صفات کے بارے میں کافی حد تک آشنائی ہو جائے گی۔ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک رسالہ بھی ملتا ہے جسے آپؑ نے اپنے شیعوں کی طرف بھیجا انہیں اس کو پڑھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔ سلف صالح اسے اپنی جائے نماز میں رکھتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد اسے پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح سلف صالح اپنے نفس کا مراقبہ کرتے اور اپنے اعمال کو اہل بیتؑ کے بتائے ہوئے معیار پر پرکھتے تھے۔ یہ رسالہ روضۂ کافی میں صفحہ ۳۲۵ سے ۳۳۶ تک مکمل موجود ہے۔

مومن کی صفات

مومن کی صفات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ حسبِ ذیل ہیں:

اول: خدا سے متعلق۔

ثانی: اپنی ذات سے متعلق۔

ثالث: دوسرے لوگوں سے متعلق۔

یہ محور فقط سمجھانے کے لیے بنائے گئے ہیں، ورنہ حقیقت میں تو مومن وہ ہوتا ہے جو اپنے تمام تر امور و معاملات کو خدا کی مرضی کے مطابق منظم کرتا ہے۔

پہلا محور:

معرفت الٰہی

۱۔ دین کی اصل و اساس خداوند متعال کی معرفت ہے۔ جیسا کہ مولا امیر کائناتؑ ارشاد فرماتے ہیں: **اول الدین معرفته** ''دین کی ابتدا، معرفت خداوندی ہے۔ بنیاد اور اس کا اصل خدا کی معرفت ہے۔ یہاں ممکن ہے کہ اس معرفت کا ذریعہ عقلی براہین سے اخذ کیا گیا ہو۔ بہر حال اس معرفت کا دلیل کے ساتھ ہونا ضروری ہے، خواہ وہ سادہ اور فطرت کے مطابق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقائد کا کسی دلیل پر مبنی ہونا ضروری ہے خواہ قلبی وجدان ہو۔ اور یہ اُس عقلی دلیل کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے کہ جسے براہین کے ذریعے اخذ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: دل کی معرفت، آفاق کے مطالعے سے حاصل ہونے والی معرفت سے بہتر ہے۔ سورۃ فصلت کی اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ﴾

اس معرفت کو حاصل کرنے کا سب بڑا ذریعہ قرآن کریم اور آئمہ معصومینؑ سے وارد ہونے والی احادیث اور ادعیہ، بالخصوص دعاء صباح، دعاء کمیل، روزِ عرفہ والی امام حسینؑ کی دعا، ابوحمزہ ثمالیؒ سے مروی دعائے سحر، عارفین کی مناجات، بلکہ امام زین العابدینؑ کی پندرہ مناجات میں غور و تدبر کرنا اور عبد و معبود کے مابین محبت کے رشتے کی معرفت حاصل کرنا۔ اگر ان کے ترجمہ و مفہوم کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کی شروحات کو بھی دیکھ لیا جائے تو زیادہ اچھا ہوگا۔

معرفت کی فضیلت

خداوند متعال کی معرفت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: اگر لوگ جان لیں کہ خدا کی معرفت میں کتنی زیادہ فضیلت ہے تو وہ ہرگز دنیا کی آسائشوں اور نعمتوں کی طرف نہ دیکھیں گے کہ جو خدا نے اپنے دشمنوں کو عطا کی ہیں۔ اس صورت میں کافروں کی دنیا کی تمام تر لذتیں ان کی نظر میں زمین کے اس حصے سے بھی حقیر ہو جائیں گی کہ جسے وہ اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ وہ خدا کی معرفت میں خوش اور ایسے شخص کی مانند لطف اندوز ہوں گے جو جنت کے باغوں میں خدا کے دوستوں کے ساتھ رہ کر خوشی و سرور کا احساس پاتا ہے۔

بے شک خدا کی معرفت ہر طرح کے خوف و وحشت میں مونس، ہر تنہائی میں ساتھی، ہر تاریکی میں نور، ہر کمزوری میں طاقت اور ہر بیماری کی شفاء ہے۔

پھر فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے، جنہیں مارا جاتا، آگ میں ڈالا جاتا اور آروں سے چیرا جاتا تھا اور زمین وسیع ہونے کے باوجود ان پر تنگ تھی، بڑی سے بڑی مشکل بھی انہیں ان کے عقیدے سے منحرف نہ کر سکتی تھی، اور اس استقامت کے باعث کے انہیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے، اور انہیں صرف اس بات کی سزا دی جاتی تھی کہ وہ خداوند عزیز و حمید پر ایمان کیوں لائے ہیں؟ پس تم خدا سے ان لوگوں کے درجات کا سوال کرو اور زمانے کی سختیوں پر صبر کرو تو تم بھی ان کے کارناموں کو پالو گے۔

قبولیتِ اعمال کی شرط

۲۔ اہل بیتؑ کی محبت و ولایت اور ان کے حق کی معرفت واجب ہے۔ کیونکہ خدا نے ان ذواتِ مقدسہؑ کی مودت و ولایت کو اجر رسالت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾

''آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اَقرباء سے محبت کرو۔'' (سورۃ شوریٰ: ۲۳)

انہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کے سبب اعمال قبول ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ خدا کے فیض اور اس کی عطا کا واسطہ ہیں۔ اگر یہ بات کسی پر گراں گزرے اور وہ کہے کہ بھلا خدا کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کو اپنے فیض کا واسطہ بنائے۔ تو اسے چاہیے کہ وہ اس حقیقت کو اس طرح سے سمجھ لے کہ جیسے خدا محمدؐ و آل محمدؐ کو امور تشریعہ میں اپنا واسطہ بنا

سکتا ہے تو وہ انہیں اپنے فیوض و برکات کے مخلوق تک پہنچانے کا وسیلہ بھی بنا سکتا ہے۔[1] مزید ایسے شخص کو زیارت جامعہ کبیرہ کو غور سے پڑھ لینا چاہیے کہ جو امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے اور سند و متن ہر دو لحاظ دیگر زیارات کی نسبت قوی تر ہے۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو ہم اہل بیتؑ کے ساتھ محبت کرے، وہ قیامت کے روز ہمارے ساتھ ہوگا، یا (فرمایا:) ہمارے ساتھ آئے گا۔ پھر فرمایا: خدا کی قسم! اگر کوئی شخص دنوں کے روزے رکھے اور راتیں عبادت میں قیام کر کے بسر کرے، لیکن خدا کے حضو ہماری ولایت کے بغیر پیش ہو تو خدا اس سے راضی نہ ہوگا، یا اس پر غضب ناک ہوگا۔ (روضۃ الکافی: ۹۲)

ایک مقام پر فرمایا: حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ دنیا میں صرف دو لوگوں کے لیے ہی بھلائی ہے۔ ایک وہ جو ہر روز نیکی میں اضافہ کرے، اور ایک وہ جو اپنی موت کو توبہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ اور (ولایت اہل بیتؑ کے بغیر) اس کے لیے توبہ کیونکر ممکن ہے؟! خدا کی قسم! اگر وہ اس قدر لمبا سجدہ کرے کہ اس کی گردن کٹ جائے تو بھی خدا اس کا عمل ہماری ولایت کے بغیر قبول نہیں کرے گا۔ (روضۃ الکافی: ۱۱۱)

واضح رہے کہ یہاں محبت فقط جذبات کا اظہار نہیں، بلکہ یہاں وہ محبت مراد ہے جو انسان کو اپنے محبوب کے پیچھے چلنے پر آمادہ کرے۔ جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے اس حقیقت کو منظوم انداز میں یوں بیان:

تعصی الاله و انت تظهر حبه هذا محال فی الفعال بدیع

---

[1] ہم اہل بیتؑ کے لیے ولایت تکوینی کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں، جبکہ یہ اُن کے پاس بھی موجود ہے کہ جو مرتبے میں ان سے بہت کم ہیں۔ مثلاً حضرت عزرائیل علیہ السلام روحیں قبض کرنے میں ولایت تکوینی کے حامل ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ پوری دنیا ان کے لیے ہاتھ پر رکھے ہوئے سکے کی مانند ہے وہ اسے جیسے چاہتے ہیں الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپؑ پانچ نمازوں کے اوقات پر ہر انسان کے چہرے کو پانچ دفعہ دیکھتے ہیں۔ اسی طرح خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو مردے زندہ کرنے اور مٹی سے پرندہ خلق کرنے جیسے تکوینی امور پر قدرت عطا کی تھی۔

[2] ایک شخص حج پہ جا رہا تھا۔ وہ راستہ بھول گیا تو امام زمانہؑ اس کی مدد کے لیے آئے اور اسے تین بار فرمایا: ''زیارت جامعہ پڑھو۔''

اس زیارت میں ولایت تکوینی کے بارے میں واضح اشارات موجود ہیں۔ جیسا کہ اس کے آخر میں آیا ہے: بکم فتح الله و بکم یختم و بکم ینزل الغیث و بکم یمسك السماء ان تقع علی الارض الا باذنه و بکم ینفس الهم و یکشف الضر ''خدا نے ابتداء بھی آپ اہل بیتؑ سے کی اور انتہا بھی آپؑ ہی پر کرے گا، وہ آپؑ ہی کی وجہ سے بارش نازل کرتا ہے اور آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہیں زمین پر نہ گر پڑے، سوائے اس کے اذن کے۔ آپؑ ہی کے سبب وہ پریشانیاں دور کرتا ہے اور دکھ ختم کرتا ہے۔''

لوکان حبك صادقا لاطعته ان المحب لمن احب مطیع

''ایک طرف تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی محبت کا دعوی بھی کرتا ہے۔ یہ ایک امرِ محال ہے اور عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اس کے حکم کی پیروی بھی کرتا کیونکہ جو جس سے محبت کرے وہ اس کا فرماں بردار ہوتا ہے۔''

وسائل الشیعہ میں صادق آل محمدؐ سے ہی روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

واللہ ما انا امام الا من اطاعنی، فاما من عصانی فلست له امام، فواللہ لا یجمعنی اللہ وایاھم فی دار

''خدا کی قسم! میں انہیں لوگوں کا امام ہوں جو میرے حکم کے پابند ہوں، لہذا جو لوگ میری نافرمانی کریں میں ان کا امام نہیں۔ خدا کی قسم! وہ مجھے اور ان لوگوں ایک گھر (جنت) میں اکٹھا نہ کرے گا۔'' (وسائل: ۴۸۶/۱۱)

عقیدہ، ایمان و عمل کا امتزاج

۳۔ عقائد حقہ اور ان چیزوں پر ایمان رکھنا کہ جنہیں قرآن نے ایمان بالغیب سے تعبیر کیا اور ایسے صاحبان ایمان کی تعریف کی۔ یہ ایمان والے خدا، اس کے فرشتوںؑ اور انبیاء و رسلؑ پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہ کہ موت، قبر میں سوال جواب کا ہونا، قیامت کے دن اٹھایا جانا اور حساب و کتاب سب حق ہیں۔ یہ ایمان انسان کو عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں کہ انسان ان تمام چیزوں پر ایمان تو رکھے، مگر ان کے مطابق عمل نہ کرے۔ مثلاً جس شخص کو علم ہو کہ فلاں جگہ پر خطرہ ہے تو وہ اسے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے احتیاط کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتا ہے۔ تاکہ وہ اس خطرے سے بچ جائے۔ چنانچہ اگر وہ خطرے کے علم کے باوجود بھی احتیاط سے کام نہ لے تو اس کے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ بعینہ یہی صورت ایمان کی بھی ہے۔

اسی لیے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عمل کے بغیر ایمان نہیں ہوسکتا، اور عمل ایمان سے ہے۔ اور عمل کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ (وسائل: ۱۲۷/۱۱)

غیب پر ایمان رکھنا ہماری ایک امتیازی صفت ہے جس کی بنا پر ہم اہل مغرب سے جدا ہوتے ہیں۔ وہ صرف محسوسات کو مانتے ہیں اور ایسی ہی لذتوں کی جستجو کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان میں خود پسندی، استکبار، ظلم، حرص، حسد اور لالچ جیسی برائیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ جن کا اثر ان سے تعلق رکھنے والی دوسری اقوام عالم پر بھی پڑ رہا ہے۔

حدیثِ اعتقاد

ایک ایسی حدیث جس میں تمام عقائد کا بیان ہے، وہ سید عبد العظیم حسنی علیہ السلام کی معروف حدیث ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: میں اپنے آقا و مولا امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپؑ نے مجھے دیکھا تو کہا: خوش آمدید، اے ابوالقاسمؑ! آپؑ واقعا ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔

میں نے عرض کی: فرزند پیغمبرؐ! میں آپؑ کے سامنے اپنا دین پیش کرتا ہوں، اگر آپؑ کی نظر میں وہ صحیح ہے تو میں اس پر قائم رہوں، یہاں تک کہ خدا سے جاملوں۔

امامؑ نے فرمایا: بیان کریں، اے ابوالقاسمؑ!

چنانچہ آپؑ نے خدا کی توحید، صفاتِ سلبیہ کے اس میں نہ ہونے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، آپؐ کے خاتم الانبیاء ہونے اور آپؐ کی شریعت کے خاتم الشرائع ہونے کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کیا، اس کے بعد ایک ایک کر کے آئمہ طاہرینؑ کا ذکر کیا اور کہا: اے میرے مولاؑ! پھر آپؑ امام ہیں۔

اس پر امامؑ نے فرمایا: میرے بعد میرے بیٹے حسن عسکری علیہ السلام امام ہیں۔ ان کے بعد ان کے جانشین کے بارے میں لوگوں کی حالت عجیب ہوگی۔

میں نے عرض کی: اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: کیونکہ انہیں اس وقت دیکھا نہیں جائے گا کہ جب تک وہ ظہور کر کے زمین کو عدل و انصاف سے بھر نہ دیں کہ جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

سید حسنیؒ کہتے ہیں: میں نے کہا: میں اقرار کرتا ہوں اور یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ ان (آئمہ اہل بیتؑ) کا دوست خدا کا دوست، ان کا دشمن خدا کا دشمن، ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ معراج حق ہے، قبر میں سوال و جواب حق ہے، جنت و دوزخ حق ہیں، صراط حق ہے، میزان حق ہے، قیامت آنے والی ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ ولایت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف اور نہی از منکر ہیں اور والدین کے حقوق فرائضِ واجبہ میں سے ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد میں نے کہا: میرا دین، مذہب اور عقیدہ و یقین یہی ہے جو میں نے آپؑ کے سامنے بیان کر دیا۔

میری بات سن کر امامؑ نے فرمایا: اے ابوالقاسم، خدا کی قسم! یہی وہ دین ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ لہذا تم اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت میں قول ثابت پر قائم رکھے۔

۴۔ شرعی واجبات ادا کرنا

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، بیت اللہ کا حج کرتے ہیں ، ماہ مبارک کے روزے رکھتے ہیں، اہل بیتؑ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے تبرا و بے زاری کرتے ہیں۔

حضرت جابر جعفیؓ سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے جابرؓ! کیا شیعہ ہونے کے لیے فقط ہم اہل بیتؑ کی محبت کا عقیدہ رکھنا ہی کافی ہے؟! خدا کی قسم! ہمارے شیعہ تو وہ لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور ان کی پہچان تواضع وانکساری، خوف خدا، امانت کی ادائیگی، ذکرِ خدا کی کثرت، روزہ داری، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، فقیر و نادار، ہمسایوں، مقروضوں اور یتیموں کا خیال رکھنے، سچ بولنے، تلاوت قرآن کرنے اور سوائے لوگوں کی بھلائی کے ان کے متعلق اپنی زبان بند رکھنے سے ہوتی ہے۔ اور اپنے معاشرے کے لوگوں کی چیزوں کے بارے میں سب سے بڑے امانت دار ہوتے ہیں۔

جابرؓ نے عرض کی: یا بن رسول اللہؐ! ہمیں تو کوئی ایک بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ جس میں صفات (پوری طرح) موجود ہوں!

اس پر امامؑ نے فرمایا: خبردار اے جابرؓ! ہرگز غلط فہمی میں نہ رہنا!! کیا کسی کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ میں مولا علی علیہ السلام سے محبت وولاء رکھتا ہوں؟! اگر وہ یہ بھی کہہ دے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولا علی علیہ السلام سے افضل ہیں، مگر وہ آپؐ کی سیرت کی پیروی نہ کرے اور آپؐ کی سنت پر عمل نہ کرے تو اسے یہ محبت کچھ فائدہ نہ دے گی۔ اِس لیے تم خدا سے ڈرو! اور خدا کے پاس موجود اجر وثواب کے لیے نیک اعمال انجام دو۔ تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی قرابت و رشتہ داری نہیں۔ خدا کے نزدیک اس کا پسندیدہ اور عزت والا بندہ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ اس کا اطاعت گزار ہو۔ اے جابر! اطاعت کے بغیر کوئی بھی بندہ خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس جہنم سے آزادی کا کوئی پروانہ موجود نہیں۔ اور نہ تم میں سے کسی کی خدا پر کوئی حجت موجود ہے۔ لہذا جو خدا کا اطاعت گزار ہے وہ ہمارا دوست اور جو اس کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ اور ہماری ولایت عمل وتقوی کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ (صفات الشیعہ : حدیث ۲۲)

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطاب کیا: ''اے بنی ہاشم، اے بنی عبد المطلب! میں تمہاری طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تم پر مہربان ضرور ہوں، لیکن تم یہ مت کہنا کہ محمدؐ ہم میں سے ہیں۔ خدا کی قسم! تم میں سے یا تمہارے علاوہ لوگوں میں سے میرے دوست وہی ہیں جو باتقوی ہوں۔''

قرآن کریم بھی اسی کا درس دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تو خداوند متعال کی جانب سے اس کا یہ جواب آیا: اس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، اس کے عمل درست نہیں۔ (سورۃ ہود: ۴۶)

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے قول کی یوں حکایت کی گئی ہے: **فمن تبعنی فانه منی** ''جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے۔'' (سورۃ ابراہیم: ۳۶)

۵۔ حرام کاموں اور گناہانِ کبیرہ سے اجتناب کرنا

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر خدا نے جہنم کا حکم سنایا ہے۔ جیسے زنا، لواطت، شراب نوشی، یتیم کا مال کھانا، جھوٹی گواہی دینا، سود کھانا، بے گناہ آدمی کا قتل اور ناپ تول میں کمی کرنا۔ اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کرنا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: **لا تنظر الی صغر الخطیئة ولکن انظر الی من عصیت** ''گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ تم نے نافرمانی کس کی کی ہے۔''

سرکار صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا، جس نے شراب پی وہ بھی ایمان سے خارج ہو گیا اور جس نے جان بوجھ کر ماہِ رمضان کا روزہ چھوڑا وہ بھی ایمان سے خارج ہو گیا۔ (وسائل الشیعہ: ۱۱/ ۲۵۵)

کبیرہ گناہوں میں سے پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی، ہجرت کے بعد دار کفر میں واپسی، ظالموں کی مدد کرنا، بغیر کسی عذر کے لوگوں کو ان کے حق سے محروم رکھنا، جادو اور جھوٹی قسم کھانا ہیں۔ بلکہ بعض روایات ہر قسم کے گناہ سے ڈرایا گیا ہے۔ جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے: **الذنوب کلها شدید** ''گناہ سارے ہی سخت ہوتے ہیں۔'' (الوسائل: ۱۱/ ۲۳۸) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ان گناہوں سے بچو جنہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ بخشے نہیں جائیں گے۔

روای کہتا ہے: میں نے پوچھا: یہ کون سے گناہ ہوتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: جیسے کوئی شخص ایک گناہ کرے، اور کہے: **طوبی لی ان لم یکن لی غیر ذلك** ''شکر ہے میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کرتا!''[1]

ایسے لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک واقع کے ذریعے مثال بیان کی۔ آپؐ ایک ایسی چراگاہ

---

[1] یعنی وہ یہ کہے کہ میرے گناہ چھوٹے ہیں اور کسی چیز کے برابر نہیں۔ یا اپنا مقابلہ ایسے شخص کے ساتھ کرے جو اس سے بڑے گناہوں میں مبتلا ہو اور کہے: میں جو بھی کرتا ہوں مگر اس کی طرح تو نہیں۔ ایسا شخص شیطان لعین کے دھوکے میں آ کر اپنے گناہوں کو ہلکا سمجھتا ہے۔ جن کی اسے بڑی سخت سزا بھگتنا ہوگی۔

میں اپنی سواری سے اترے جسے مویشی چر چکے تھے اور اس میں کوئی چیز باقی نہ بچی تھی۔ وہاں اتر کر آپؐ نے فرمایا :لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤ۔ صحابہؓ نے عرض کی: یہاں تو سب کچھ مویشی چر گئے ہیں، یہاں لکڑیاں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہر انسان اپنی کوشش کرے اور جس قدر ممکن ہو لکڑیاں اکٹھی کر کے لائے۔ چنانچہ صحابہؓ گئے اور لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے۔ اور آپؐ کے سامنے ان کا ایک ڈھیر لگا دیا۔

اس پر آپؐ نے فرمایا: گناہ بھی اس طرح اکٹھے ہو کر ایک ڈھیر بن جاتے ہیں۔ پھر فرمایا: خبردار! ان گناہوں سے خود کو بچاؤ کہ جنہیں کرنے والا حقیر سمجھتا ہے! ہر چیز کا ایک نگران ہوتا ہے اور وہ لوگوں کے آگے بھیجے ہوئے اعمال اور پیچھے چھوڑے ہوئے آثار کو لکھتا ہے۔ اور ہم نے چیز امام مبین میں لکھ دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آئمہ معصومینؑ نے اپنے شیعوں کو گناہوں سے ڈرایا اور انہیں بتایا کہ وہ جس مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا سبب ان کے گناہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جناب مفضل بن عمرؓ نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپؑ نے فرمایا: اے مفضلؓ! گناہوں سے اپنا دامن بچاؤ اور ہمارے شیعوں کو بھی ان سے ڈراؤ۔ خدا کی قسم! یہ کسی اور کی طرف اتنی جلدی سے نہیں جاتے جتنا تمہاری طرف جاتے ہیں۔ اگر تم میں سے کسی کو حاکم کی طرف کسی سختی کا سامنا کرنا پڑتا تو اس کی وجہ اس کے گناہ ہوتے ہیں، اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر کسی کو رزق کی تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اور اگر کسی کو موت کے وقت سختی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے پاس موجود لوگ یہ کہتے ہیں: اسے موت کی غشی آ گئی۔

جب امامؑ نے دیکھا کہ میری حیرت میں اضافہ ہو رہا ہے تو فرمایا: جانتے ہو، ایسا کیوں ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: خدا کی قسم! یہ سختی اس لیے ہوتی ہے تا کہ قیامت میں تمہارا مواخذہ نہ ہو اور دنیا میں تم اس کی سزا پا لو۔ لہذا تم میں سے جو شخص اپنے آپ کو ان سختیوں سے بچانا چاہتا ہو اسے گناہوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (وسائل الشیعہ: ۱۱/ ۲۴۸)

۶۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا۔

ان دونوں میں فرق ہے۔ ایک دفعہ ہمارے استادِ بزرگوار (قدس سرہ الشریف) نے بیان کیا کہ ورع سے مراد انسان کا حرام کاموں سے اجتناب کرنا اور واجبات کو ادا کرنا ہے۔ اور تقوی سے مراد مذکوہ صفات کے علاوہ مکروہ کاموں سے پرہیز اور مستحبات کو انجام دینا ہے۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں: ہمارا شیعہ تو وہ ہے جو سخت پرہیزگار، اپنے خالق کے لیے عمل نیک انجام دینے والا اور اس کے اجر و ثواب کی امید رکھنے والا ہو۔ بس صرف ایسے لوگ ہی

میرے شیعہ ہیں۔

آپؑ نے اپنے ایک صحابیؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہیں تقوی و پرہیز گاری اور اجتہاد و محنت کی وصیت کرتا ہوں۔ اور جان لو کہ اس محنت کا کوئی فائدہ نہیں جس میں پرہیز گاری نہ ہو۔

ایک مقام پر آپؑ نے اپنے شیعوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: پرہیز گاری تمہارے لیے لازم ہے۔ کیونکہ جو اجر و ثواب خدا کے پاس موجود ہے اس کا حصول پرہیز گاری کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ شخص ہم سے نہیں اور نہ وہ کسی عزت کا حق دار ہے کہ جو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آبادی والے شہر میں رہتا ہو اور وہاں کوئی اس سے زیادہ پرہیز گار موجود ہو۔ لوگوں کو فقط زبان سے دعوت دینے والے نہ بنو تا کہ وہ تمہاری پرہیز گاری وجد و جہد اور نماز و بھلائی کو دیکھ لیں۔ بے شک یہی چیزیں دوسروں کو دعوت دینے والی ہوتی ہیں۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ پرہیز گاری اختیار کرو۔ یہی وہ دین ہے جسے ہم لازم جانتے ہیں، جس کے ذریعے خدا سے معاملہ کرتے ہیں اور جسے اپنے اہل ولاء سے چاہتے ہیں۔ (الوسائل، ۱۱ / ۱۹۳)

تقویٰ کے بارے میں مولا علیؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ تقوی کے ساتھ کوئی عمل کم نہیں ہوتا۔ بھلا جو عمل قبول ہو جائے وہ کیسے کم کہلائے گا۔ اس کا اشارہ اس فرمان الٰہی کی طرف ہے: **انما یتقبل اللہ من المتقین**

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جس شخص کو خدا مصیبتوں کی ذلت سے نکال کر تقویٰ کی عزت میں لائے اسے بغیر دولت کے غنی، بغیر بغیر خاندان کے عزت دار اور بغیر کسی دوست کے مانوس بنا دیتا ہے۔ جو خدا سے ڈرے، خدا ہر چیز کے اندر اس کا رعب ڈال دیتا ہے، اور جو اس سے نہ ڈرے تو وہ اسے ہر چیز سے ڈراتا ہے۔ اور جو خدا کے دیے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو خدا اس کے کیے ہوئے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ (الوسائل: ۱۱/۱/۱۹۰)

اہل تقوی کی صفات بہت بلند ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی امیر المومنینؑ نے متقی لوگوں کے اوصاف کے بیان میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر آپؑ کے ایک صحابی جناب ہمامؓ کی چیخ نکلی اور وہیں ان کی روح پرواز کر گئی۔

۷۔ خوف و رجا کے مابین توازن رکھنا

امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کرتے ہیں کہ میرے بابا یہ فرمایا کرتے تھے: ''ہر مومن کے دل میں دو قسم کا نور ہوتا ہے: خوف کا نور اور امید کا نور۔ اگر ان میں سے ایک کا وزن کیا جائے تو وہ دوسرے سے زیادہ نہ ہوگا اور دوسرے کا وزن کیا جائے تو وہ پہلے سے زیادہ نہ ہوگا۔'' نیز آپؑ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دفعہ جناب لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: نورِ چشم! خدا سے اتنا ڈرو کہ اگر تمام جن وانس کی نیکیاں لے کر بھی اس کے سامنے جاؤ تو تجھے یہ خوف ہونا چاہیے کہ کہیں وہ تجھے عذاب نہ کرے، اسی طرح اس سے یہ امید بھی رکھو اگر تم تمام جن وانس کے گناہوں کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہو تو وہ تجھے معاف کر دے گا۔

یہاں ایک شیعہ نے امامؑ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو گناہ کے کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خدا سے ناامید نہیں، بس اسی طرح ان کی زندگی گزر جاتی ہے اور وہ مر جاتے ہیں؟ امامؑ نے جواب دیا: ایسے لوگ اپنی خواہشوں کے قیدی ہیں اور جھوٹ کہتے ہیں۔ یہ امید رکھنے والے نہیں۔ کیونکہ جس کو کسی چیز کی امید ہو وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو کسی چیز سے ڈرے وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ ایسے لوگ ہمارے موالی نہیں۔ آپؑ ان آیات کے ذریعے اس خام خیالی سے نجات دلاتے تھے: **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** ''بے شک خدا کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔'' (سورہ الاعراف: ۵۶) اور **ولا یشفعون الا لمن ارتضی** ''اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کے بارے میں خدا پسند کرے گا۔'' (سورۃ الانبیاء: ۲۸)

۸۔ خواہشات نفسانی اور لوگوں کی مرضی پر خدا کی رضا کو مقدم کرنا

سرکار باقر علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ خداوند عزوجل فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلالت، کبریائی ونور اور بلندی وعظمت کی قسم! جو شخص بھی میری مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم کرے گا میں اس کا معاملہ منتشر کر دوں گا، اسے دنیا کے دھوکے میں ڈال کر اس کا دل دنیا کے ساتھ جوڑ دوں گا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ دنیا سے اتنا ہی حاصل کر پائے جتنا اس کا مقدر ہوگا۔ مجھے اپنی عزت وجلالت، نور وکبریائی اور عظمت وبلندی کی قسم! جو بندہ اپنی مرضی پر میری مرضی کو ترجیح دیتا ہے میں فرشتوں کے ذریعے اس کی حفاظت کرتا ہوں، زمین وآسمان کو اس کے رزق کا کفیل بناتا ہوں، میں اس کی ہر تاجر کے ساتھ تجارت کے پیچھے موجود ہوتا ہوں۔ اور دنیا اس کے قدموں میں آتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسی چیز کے ذریعے لوگوں کو خوش کرنا چاہے کہ جو خدا کو ناراض کرنے کا سبب بنے۔ تو لوگوں میں سے جو اس کی تعریف کرنے والا ہوگا وہ اس کی مذمت کرنے والا بن جائے گا۔ اور جو شخص کسی ایسے معاملے میں خدا کی اطاعت کرے جو لوگوں کی ناراضگی کا باعث بنے۔ تو خدا اسے دشمن کی دشمنی، ہر حاسد کے حسد اور باغی کی بغاوت کے مقابلے میں مدد کرے گا۔ اور وہی اس کا حامی وناصر ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی صفات ہیں جن کو بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ جیسے رزق، عمر اور نفع ونقصان کے

معاملے میں بھی اللہ پر یقین کرنا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مولا علیؑ فرمایا کرتے تھے: ''بندہ اس وقت تک ایمان کا مزہ نہیں چکھتا جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو اس نے درست سمجھا ہے وہ اسے خطا پر ڈالنے والا نہیں اور جو اس نے مبنی بر خطا سمجھا ہے وہ اسے درست راہ پر ڈالنے والا نہیں۔ اور یہ کہ سارا نفع و نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

ہر حال میں خدا پر توکل کرنا اور سب امیدیں اسی سے وابستہ کرنا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** ''اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہی اس کی مدد کرنے والا ہے۔''

خدا کے حضور رونا اور اپنی خطاؤں پر نادم رہنا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے روز تین آنکھوں کے علاوہ ہر آنکھ رو رہی ہوگی۔ اور وہ تین آنکھ یہ ہیں: ایک وہ جس میں خوف خدا سے آنسو بہیں، ایک وہ جو خدا کی حرام کردہ چیزیں دیکھنے سے باز رہے، اور ایک وہ خدا کی رضا کے لیے بیدار رہی ہو۔ شیعوں کی صفات میں سے ایک خدا پر حسن ظن رکھنا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندے کے حسن ظن کے قریب ہوتا ہے۔

دوسرا محور: ذات سے متعلق

ا۔ جہادِ اکبر

مومن کو چاہیے کہ اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا دشمن قرار دے اور اس کے خلاف جہاد کرنے میں غفلت کا شکار نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: تمہارا سب خطرناک دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلوؤں میں موجود ہے۔ لہذا مومن کو چاہیے کہ وہ اسے ایسا معبود نہ بنا لے کہ اس مرضی کے مطابق چلنا شروع کر دے اور اس کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگ جائے۔ نفس کے پیروکار کی مذمت میں ارشاد باری ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

''کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے باوجود علم کے اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے اللہ کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت کر سکتا ہے؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند صحابہؓ کو ایک جنگ کے لیے بھیجا۔ جب وہ اس جنگ سے کامیاب واپس آئے تو آپؐ نے انہیں مخاطب کر کے کہا: ان لوگوں کو خوش آمدید! جو چھوٹا جہاد کر کے آئے اور ابھی جہاد کرنا ان کے ذمے باقی ہے۔

اس پر آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا: جہاد النفس۔

۲۔اصلاحِ نفس

لوگوں کے عیوب ڈھونڈھنے کی بجائے اپنی ذات کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جس شخص کے اندر یہ تین خوبیاں یا ان میں سے کوئی ایک بھی ہو تو اس روز خدا کے عرش کے سائے تلے ہوگا کہ جس روز اس کے علاوہ اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔

۱) وہ شخص جو لوگوں کو وہ چیز دے، جس کا وہ خود ان سے طلب گار ہو۔

۲) وہ شخص کہ جو کسی انسان کو اس وقت تک مقدم یا موخر نہ کرے کہ جب تک جان نہ لے کہ اس میں رضائے خدا شامل ہے۔

۳) وہ شخص کہ جو اپنے مسلمان بھائی پر وہ عیب نہ لگائے جو خود اس کے اندر موجود ہو اور وہ اسے ختم کرنا چاہتا ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا عیب ختم نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے اندر ایک اور عیب پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کی فکر کرے۔

۳۔لوگوں کو انصاف دلانا

جو اپنے لیے پسند کرے ان کے لیے بھی وہی پسند کرے، جسے اپنے لیے پسند نہ کرے اسے ان کے لیے بھی پسند نہ کرے اور حق بات کرے، خواہ اپنے خلاف ہی کرنا پڑے۔ مولا امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: آگاہ رہو کہ جو اپنی طرف سے لوگوں کو انصاف فراہم کرے گا اس کی عزت میں اضافہ ہوگا۔

۴۔تعصب سے بچنا

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو کوئی تعصب کرے، یا جس کے لیے تعصب کیا جائے وہ اپنے گلے سے ایمان کی رسی کھول دیتا ہے۔

۵۔نیکی کے مواقع کو غنیمت جاننا

ارشادِ خدا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ ''نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔''

سورۃ آل عمران میں وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

''اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنّت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور اسے ان صاحبانِ تقوٰی کے لئے مہیّا کیا گیا ہے۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا علیؑ کو جو وصیت کی، اس میں آیا ہے: اے علیؑ! چار چیزوں سے پہلے چار چیزوں کو غنیمت جانو۔ (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، (۲) صحت کو بیماری سے پہلے، (۳) امیری کو غربت سے پہلے، (۴) زندگی کو موت سے پہلے۔

نیز مومن کو چاہیے کہ ہر آئے دن اس کی نیکی میں اضافہ ہو۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں:

من استوی یوماہ فھو مغبون، ومن کان آخر یومیہ خیرھما فھو مغبوط، ومن کان آخر یومھما فھو ملعون، ومن لم یر الزیادۃ فی نفسہ فھو الی النقصان، ومن کان الی النقصان فالموت خیر لہ من الحیاۃ

''جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے، جس کا دوسرا دن پہلے دن کی نسبت اچھا ہو وہ قابل رشک ہے، اور جس کا دوسرا دن پہلے دن کی نسبت برا ہو وہ ملعون ہے۔ جو شخص اپنے اندر اچھائی میں اضافہ نہ دیکھے وہ نقصان کی طرف جا رہا ہے اور جو نقصان کی طرف جا رہا ہو اس کے لیے زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔''

۶۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

لیس منا من لم یحاسب نفسہ فی کل یوم فان عمل حسنا استزاد اللہ، وان عمل سیئا استغفر اللہ منہ تاب علیہ

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہر دن اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے۔ لہذا اگر اس نے نیکی کی ہو تو خدا سے نیکی میں اضافے کی دعا مانگے اور اگر گناہ کیا ہو اس کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرے اور توبہ کرے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذرؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے ابوذرؓ! آدمی اس وقت تک متقی نہیں کہلاتا جب تک اپنے نفس کا اس طرح سے سخت محاسبہ نہ کرے جس طرح ایک شریک اپنے شریک سے حساب و کتاب کرتا ہے۔ لہذا انسان کو خبر ہونی چاہیے کہ اس کا کھانا پینا کہاں سے آرہا ہے، اور اس کے لباس کا ذریعہ حلال ہے، یا حرام؟

اے ابوذرؓ! جو شخص پرواہ نہیں کرتا ہو کہ اس نے مال و دولت کہاں سے کمایا ہے تو اللہ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اسے کہاں سے جہنم میں ڈال دے۔

۷۔ سچائی اور خلوص

جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

:ابلغ شیعتنا ان اعظم الناس حسرۃ یوم القیامۃ من وصف عدلا ثم یخالفہ الی غیرہ

''ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچادو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت کرنے والا وہ شخص ہوگا جو زبان سے عدل کا بیان کرے لیکن دوسروں کے ساتھ عدل کرنے میں اس بیان کی خلاف ورزی کرے۔'' ایک مقام پر فرمایا

: لیس من شیعتنا من قال بلسانه و خالفنا فی اعمالنا و آثارنا ولکن شیعتنا من وافقنا بلسانه وقلبه و اتبع آثارنا و عمل باعمالنا. اولئك شیعتنا

''وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں کہ جو زبان سے تو شیعہ ہونے کا دعوی کرے مگر ہمارے اعمال وفرامین میں ہماری مخالفت کرے۔ بلکہ ہمارا شیعہ وہ ہے جو اپنی زبان ودل سے ہماری موافقت کرے اور ہمارے فرامین واعمال کی پیروی کرے۔ ایسے ہی ہمارے شیعہ ہوتے ہیں۔'' (وسائل شیعہ ۱۱/ ۱۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کو جو وصیت کی، اس میں آیا ہے: اے ابوذر! اہل جنت کی ایک جماعت جہنمیوں کے ایک گروہ کو دیکھے گی اور یہ لوگ جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ تم کو کس چیز نے جہنم میں ڈال دیا جبکہ ہم تمہارے ہی علم وادب سکھانے کی برکت سے جنت میں داخل ہوئے ہیں۔ تو وہ جواب دیں گے: ''ہم تمہیں بھلائی کا حکم دیتے تھے لیکن ہم خود انجام نہیں دیتے تھے۔'' جیسا کہ سورۃ الصّف ایسے لوگوں پر اپنے غضب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ''اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔''

۸۔ صبر کرنا۔

امام صادق علیہ السلام کی وصیت میں ہے کہ ''دنیا کے امور میں صبر کرو۔ یہ تو بس میں ایک ساعت ہے۔ اس کا جو حصہ گزر چکا ہے اس کی نہ تجھے تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی راحت۔ اور جو ابھی نہیں آیا، اس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ کیسا ہوگا۔ تمہارے اختیار میں بس یہ وقت ہے جو تم گزار رہے ہو۔ لہذا اس میں خدا کی اطاعت پر اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرنے میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرو۔'' امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میرے بابا کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور ارشاد فرمایا: جان پدر! حق پر قائم رہو، خواہ وہ تلخ ہی ہو۔ کیونکہ اس پر قائم رہنے کی صورت میں خدا تجھے بے حساب اجر عطا کرے گا۔

صادق آل محمدؐ سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں اپنے اس غلام اور اپنے گھر والوں کے بارے میں اتنا صبر سے کام لیتا ہوں کہ وہ مجھے حنظل سے بھی کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ بے شک جو صبر کرتا ہے وہ اپنے صبر کے باعث دن کو روزہ، رات کو قیام کرنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تلوار سے شہید کیے جانے

والے کا درجہ پاتا ہے۔

۹۔آخرت کو دنیا پر مقدم کرنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے میں ہے کہ ''جس شخص کے سامنے دنیا اور آخرت دونوں کو پیش کیا جائے اور وہ ان میں سے دنیا کو لے لے اور آخرت کو ترک کر دے تو وہ خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس ایسی کوئی نیکی نہ ہوگی جس سے وہ جہنم سے بچ سکے۔ اور جو دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کر لے وہ اس حال میں خدا کے حضور پیش ہوگا کہ وہ اس سے راضی ہوگا۔''

مومن دنیا کو حقیر جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کو آخرت کی فکر بھلا دیتی ہے۔ جیسا کہ حدیث رسولؐ ہے: جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! خدا نے دنیا کی طرف یہ وحی کی: جو میری بندگی کرے تو اس کی خدمت کر، اور جو تیرا خادم بنے اسے تھکا دے۔ یا علیؑ! اگر دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر جتنی بھی ہوتی تو خدا کافر کو اس میں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پلاتا۔ اے علیؑ! اولین و آخرین میں سے ہر ایک قیامت کے دن یہ حسرت کرے گا کہ اے کاش اسے دنیا میں سوائے ایک وقت کے کھانے سے کچھ نہ دیا جاتا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے دنیا کی حرص رکھنے والے کو ریشم کے کیڑے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: جوں جوں یہ ریشم میں لپٹتا جاتا ہے اس کا اپنے بنے ہوئے جال سے نکلنا مشکل ہوتا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ نے اپنے شیعوں کو دنیا میں زہد اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرے، خدا اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے، اور اس حکمت کو اس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔ اور اسے دنیا کے عیوب و نقائص پر مطلع کرتا ہے کہ اس میں بیماری کیسے لگتی ہے، اور اس کا علاج کیسے کیا جاتا ہے۔ اور اسے اس دنیا سے سلامتی کے ساتھ نکال کر سلامتی والے گھر کی طرف لے جاتا ہے۔

۱۰۔شیعہ کی گفتگو پست، فحش، اور لعنت و دشنام طرازی سے پاک ہونی چاہیے۔ ایک دفعہ امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں شکایت آئی ہے کہ فلاں شخص نے آپؑ کے ایک شیعہ پر ظلم کیا تو اس نے اس ظلم کرنے والے کو برا بھلا کہا۔ اس پر آپؑ نے فرمایا: ''میں نہ خود ایسا کرتا ہوں اور نہ ہی اپنے شیعوں کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔ اپنے رب سے استغفار کرو اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ جو نہ اس بات کی پرواہ کرتا ہو کہ اس کی زبان

سے کیا نکل رہا ہے اور نہ ہی اس بات کی کہ جواب میں اسے کیا کہا جائے گا تو وہ شیطان کا ساتھی ہے۔

(۱۱) شیعہ کو کسی کے خلاف بھی بغاوت نہیں کرنی چاہیے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحابؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: خبردار! ایک دوسرے سے بغاوت مت کرنا۔ یہ نیک لوگوں کی صفات میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے خلاف بغاوت ہو اور وہ اس پر صبر کرے۔ تو اُسے خدا کی مدد حاصل ہوگی، اور جسے خدا کی مدد مل جائے وہ غالب آجاتا ہے اور خدا اسے کامیابی عطا کرتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ موجود ہیں: اگر کوئی پہاڑ، دوسرے پہاڑ سے بغاوت کرے تو خدا اسے بھی ریزہ ریزہ کردے گا۔ بغاوت کے نتیجے میں جلدی شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نیکی کے نتیجے جلدی بھلائی میسر ہوتی ہے۔

۱۲۔ جب ان سے کوئی غلط کام سرزد ہوتا ہے، یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں یا پھر انہیں کسی شیطانی حیلے کا سامنا ہوتا ہے تو فوراً یادِ خدا میں لگ جاتے ہیں اور انہیں احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے کریم و مہربان خدا کے حق میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ لہٰذا وہ توبہ و استغفار کے ذریعے اس کوتاہی کی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ خداوند کریم توبہ کرنے والوں کو تین ایسی خاصیتیں عطا کرتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک خاصیت بھی تمام آسمان و زمین والوں کو دے دی جائے تو وہ اس کے سبب نجات پالیں گے۔ اور وہ تین خاصیتیں یہ ہیں:

۱) سورۃ البقرہ میں اس کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ ''بے تحقیق خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' پس جسے وہ پسند کرے اسے عذاب نہیں دے گا۔

۲) سورۃ مبارکہ غافر کی ساتویں آیت میں ہے: فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ ''لہٰذا ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کا اتباع کیا ہے اور انہیں جہنّم کے عذاب سے بچالے۔''

۳) سورۃ الفرقان وہ فرماتا ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ ''علاوہ اس شخص کے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل بھی کرے کہ پروردگار اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے تبدیل کردے گا اور خدا بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری اور زادِ راہ تاریک رات میں گم ہوگیا ہو۔ اور وہ اسے پالے۔ پس جتنی خوشی اس شخص کو اپنی سواری اور زادِ راہ

دیکھ کر ہوگی، اس سے زیادہ خوشی خدا کو اپنے بندے کی توبہ سے ہوتی ہے۔

توبہ کے ساتھ ساتھ مومنین استدراج یعنی خدا کی طرف سے ڈھیل اور مہلت دیے جانے کے حوالے سے فکر مند رہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے استدراج کا معنی پوچھا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کرے اور اسے مہلت دی جائے۔ اور پھر اس پر نعمتیں زیادہ کر دی جائیں تا کہ وہ اسے استغفار کرنے سے غافل رکھیں۔ پھر اسے اس طرح پکڑا جاتا ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

۱۳۔ مومن اپنے پیٹ اور شرمگاہ کو حرام سے بچاتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا:

واللہ! ما شیعة علی علیہ السلام الا من عف بطنه و فرجه، و عمل لخالقه، و رجا ثوابه و خاف عقابه

''خدا کی قسم! وہی شخص علیؑ کا شیعہ ہے جو اپنے شکم اور شرمگاہ کو پاک رکھے، اپنے خالق کی خوشنودی کے لیے عمل کرے، اس کے ثواب کی امید رکھے اور اس عذاب سے خائف رہے۔'' ایک روایت میں آیا ہے کہ کچھ لوگ مولا امیر المومنینؑ کے پیچھے چل رہے تھے۔ آپؑ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ انہوں کہا: ہم آپؑ کے شیعہ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تو تم میں اپنے شیعوں کی نشانیاں نہیں دیکھتا؟! انہوں نے کہا: شیعہ کی کیا نشانیاں ہوتی ہیں؟ فرمایا:

صفر الوجوه، من السهر، خمص البطون من الصيام ذبل الشفاه من الدعاء، عليهم غبرة الخاشعين

''شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد، اور روزوں کی وجہ سے ان کے پیٹ اندر کی طرف سکڑے ہوئے اور مسلسل دعا و پکار کی وجہ سے ان کے ہونٹ خشک ہوتے ہیں ان پر خاک پڑی ہوتی ہے اور وہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔''

۱۴۔ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا، اور بالخصوص ان مسائل کا جاننا کہ جو انسان کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام موسی کاظم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں کسی سوال نہ کریں کہ جن کی انہیں ضرورت ہوتی ہے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور خدا علم حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں کے سروں پر کوڑے لگائے جائیں تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لیں۔ پھر آپؑ نے اپنے اصحابؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ دین خدا کو سمجھو اور بے خبر بدو نہ بنو۔ کیونکہ جو خدا کے دین کو نہ سمجھے تو خدا اس پر قیامت کے دن رحمت کی نظر فرمائے گا نہ ہی اس کے عمل کو پاکیزہ بنائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے تیل کا کام کرنے والے بشر الدھان سے فرمایا: ہمارے شیعوں میں سے جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل نہ کرے اس کے لیے کوئی بھلائی نہیں۔ اے بشیر! جو شخص اپنی سمجھ کے حوالے سے مستحکم نہ ہو تو وہ غیروں کا محتاج ہو جائے گا اور جب اس کی یہ حالت ہو جائے گی تو وہ گمراہی کے دروازے میں دھکیل دیں گے اور اسے خبر بھی نہ ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ اس شخص سے دور رہنا چاہیے جو دین کی سمجھ بوجھ کا حامل نہ ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''اس آدمی پر افسوس ہے جو ہر جمعہ کے روز اپنے دین کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔ تاکہ وہ اسے سیکھ کر اس کا پابند بنے۔ اور اس سے دین کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی

۔

ان کے علاوہ بھی مومن میں بہت سی صفات موجود ہوتی ہیں۔ جیسے نرم لہجہ، برائی سے دور اور نیکی کے قریب ہونا، سچ بولنا، اچھا عمل کرنا، اچھائی کو آگے اور شر کو پیچھے کرنا۔ ایسا شخص سخت حالات میں بھی پروقار، مشکلات میں صابر اور آسانیوں میں شکر گزار ہوتا ہے۔ جسے ناپسند کرتا ہے اس پر الزام تراشی نہیں کرتا، جس سے نفرت کرتا ہے اسے گناہ گار نہیں سمجھتا۔ جس چیز کا اہل نہیں ہوتا اس کا دعوی بھی نہیں کرتا، حق اگر اس کے خلاف بھی ہو تو اس کا انکار نہیں کرتا قبل اس کے کہ اس کے خلاف کوئی شہادت پیش کی جائے، وہ امانت کو ضائع کرتا ہے نہ دوسروں کو برے القابات سے پکارتا ہے، کسی کے ساتھ دشمنی نہیں کرتا اور نہ ہی حسد کا شکار ہوتا ہے۔ ہمسائے کو نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ مشکلات و مصائب پر پھٹ پڑتا ہے۔

تیسرا محور: دوسروں سے متعلق

۱۔ ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنا۔ امام سجاد علیہ السلام نے اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو بیٹا! جو بھی آپؑ سے نیکی کی توقع رکھتا ہو اس کے ساتھ نیکی کرو، اگر وہ نیکی کیے جانے کا اہل ہوا تو آپؑ کی نیکی برمحل قرار پائے گی، اور اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو آپؑ تو اس کے اہل ہیں (کہ دوسروں کے ساتھ نیکی کریں) اور اگر کوئی آپؑ کے دائیں جانب سے آکر برا بھلا کہے، پھر بائیں جانب سے آکر آپؑ سے معذرت کرے تو اس کا عذر قبول کر لیں۔''

اس کی اصل قرآن میں موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد خدا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ﴿۹۶﴾ ''(اے رسول (ص)) آپ برائی کو احسن طریقہ سے دفع کریں۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ (آپ کی نسبت) بیان کرتے ہیں۔'' (المومنون)

۲۔دوسروں کے ساتھ ظلم وزیادتی سے اجتناب کرنا۔امیر المؤمنین علیہ السلام جانتے تھے کہ آپؑ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم ہے اور آپ کے بارے میں بُرا ارادہ رکھتا ہے۔جب آپؑ سے کہا گیا کہ اسے مار کیوں نہیں دیتے، یا اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کو قید کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا:لا یجوز القصاص قبل الجنایۃ ''جرم سے پہلے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔''

اس کے برعکس آپ مغربی تہذیب کی متحدہ ریاستوں کو دیکھیں کہ فقط احتمالی خطرے نہ جانے کتنی جانوں کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔کہاں وہ اور کہاں اسلام اور اہل بیتؑ کی سکھائی ہوئی تہذیب!

آئمہ طاہرینؑ نے ظلم سے ڈرایا ہے خواہ وہ نچلی سطح کا ہی ہو۔جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ صراط پر ایک پل ہے جس سے بندہ اپنے ظلم کے ساتھ نہیں گزر سکتا۔امام سجاد علیہ السلام کی حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم شخص، ظالم کے دین سے جو لیتا ہے وہ اس دنیا سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو وہ مظلوم سے لیتا ہے۔امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ لوگوں پر ظلم کرنا ان گناہوں میں سے ہے جنہیں خدا معاف نہیں کرتا۔یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ اپنے ماننے والوں کو نصیحت کرتے تھے کہ موت سے پہلے ہر اس زیادتی اور ناانصافی کی تلافی کریں کہ جو انہوں نے دوسروں کے حق میں کی ہے۔اور ظالموں کی مدد کرنے سے بچتے رہیں۔

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں:ظلم کرنے والا، اس کی مدد کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا تینوں شریک (ایک جیسے ساتھی) ہیں۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱)اے علیؑ! لوگوں میں برا وہ ہے جو اپنی آخرت کو دنیا کی خاطر فروخت کرے اور اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو دوسرے کی دنیا (دنیوی مفاد) کی خاطر اپنی آخرت بیچ دے۔''

۳۔محب ونفرت کا مدار خدا کی ذات کو بنانا۔یہ ایک قرآنی اساس ہے۔خدا نے اس کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔اور خدانخواستہ اگر یہ اساس ختم ہوگئی تو دین کا نام ونشان ہی نہ رہے گا۔جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

''تم کوئی ایسی قوم نہیں پاؤ گے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو (اور پھر) وہ دوستی رکھے ان لوگوں سے جو خدا اور رسول (ص) کے مخالف ہیں اگرچہ وہ (مخالف) ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی ہی ہوں یا

ان کے قبیلے والے یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی ایک خاص روح سے ان کی تائید کی ہے اور انہیں ایسے باغہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں آگاہ رہو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (اور کامیاب ہونے والا) ہے۔''

لیکن خدا جانے یہ قرآنی حقیقت کہاں کھو گئی ہے؟ لوگ اہل مغرب اور استکباری قوتوں کے اشاروں پر چلتے نظر آتے ہیں۔ ان استکباری طاقتوں نے لوگوں کو اس بات پر خریدا ہوا ہے کہ وہ دینی تعلیم کہ جن میں سرفہرست قرآن کریم، کے حصول کے طریقوں کو بدل دیں۔ کیونکہ تعلیمات انسان کو ظلم کے خلاف قیام کرنے کے تیار کرتی ہیں۔ جیسا کہ ان کا خیال بھی یہی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: **کذب من زعم انه من شیعنا وهو متمسك بعروة غیرنا**

''جو ہمارے غیر کا دامن تھام کر خود کو ہمارا شیعہ سمجھے تو وہ جھوٹا ہے۔''

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

من والی اعداءا لله فقد عادی اولیاء الله و من عادی اولیاء الله فقدعادی الله تبارك وتعالی، و حق علی الله ان یدخله فی نار جهنم

''جس نے خدا کے دشمنوں سے رسم وراہ رکھی، اس نے خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی کی۔ اور جس نے خدا کے دوستوں سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی۔ ایسے شخص کے بارے میں خدا حق رکھتا ہے کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈالے۔''

آپؑ سے ہی مروی ہے کہ ہم اہل بیت علیہم السلام سے محبت رکھنے والوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو دجال سے بھی زیادہ ہمارے شیعوں کے ساتھ نفرت کرتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا کہ فرزندِ رسولؐ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: کیوں کہ وہ ہمارے دوستوں سے دشمنی اور دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ جب صورتِ حال ایسی ہو تو حق باطل کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے، حقیقت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ اور پھر مومن و منافق کی پہچان نہیں ہوتی۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مومن محض خدا کی خوشنودی کے لیے دوسرے مومن سے محبت کرنا ایمان کے بڑے اور مستقل حصوں میں سے ہے۔ اور جو شخص صرف خدا کے لیے محبت کرے، یا نفرت کرے، یا کسی کو کچھ دے، یا کسی کو دینے سے ہاتھ روک لے تو وہ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوتا ہے۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کرنا۔ یہ اس اُمت محمدیہؐ کی اہم صفات میں سے ہے کہ جسے لوگوں کی بھلائی

کے لیے پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

لاتزال امتی بخیر ما امروا بالمعروف ونهوا عن المنکر و تعاونوا علی البر فاذا لم یفعلوا ذلك نزعت منهم البرکات و سلط بعضهم علی بعض، ولم یکن لهم ناصر فی الارض ولا فی السماء

''میری اُمت کی بھلائی اس وقت تک ہے کہ جب تک وہ اچھائی کا حکم دے، برائی سے منع کرے اور نیکی کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ لیکن جب یہ کام چھوڑ دیں گے تو ان سے برکتیں اٹھالی جائیں گی، وہ ایک دوسرے پر مسلط ہو جائیں گے اور زمین و آسمان میں ان کا مدد کرنے والا نہ ہوگا۔'' (وسائل الشیعہ، ۱۱/ ۳۹۸)

امام صادق علیہ السلام نے شیعوں کے نام تحریر فرمایا: ''تم میں جو عمر رسیدہ اور پختہ عقل و رائے والے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ جاہلوں اور حکومت کے طلب گاروں سے محبت و مہربانی کا مظاہرہ کریں، ورنہ تم سب پر میری لعنت ہوگی۔'' برائی سے روکنے کا جو کم سے کم درجہ ہے وہ اسے دل میں برا سمجھنا ہے۔ جیسا کہ مولا امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کسی کام کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اسے برا جانے تو وہ ایسا ہے کہ گویا وہاں تھا ہی نہیں، اور کسی واقع میں موجود تو نہ ہو، لیکن جب اسے اس کی خبر ملے تو وہ اس پر راضی ہو تو وہ ایسے ہے کہ وہ خود اس واقع کے دوران موجود تھا۔ آپؐ سے ہی مروی ہے کہ برائی سے روکنے کا ادنی ترین درجہ یہ ہے کہ تو گناہ گاروں کے ساتھ غصے کے لہجے میں ملاقات کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں تم میں سے جو تندرست (نیک) کو بیمار (گناہ گار) کی وجہ سے پکڑ لوں۔ اور یہ مجھے کیونکر حاصل نہ ہوگا جب کہ تم میں کسی اور دوسرے شخص کی برائی کا علم ہوتا ہے اور تم اس سے برا نہیں مانتے، اسے چھوڑ نہیں دیتے اور اسے اذیت نہیں دیتے تا کہ وہ اس برائی کو چھوڑ دے۔'' آپؑ نے ہی فرمایا کہ مومن کے لیے اس محفل میں بیٹھنا جائز نہیں جہاں خدا کی معصیت ہوتی ہو اور وہ اس کا ماحول تبدیل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

۵۔ مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کے امور کی فکر کرنا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من لم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم

''جو شخص مسلمانوں کے امور کے بارے میں فکر مند نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں۔''

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: اگر کسی مومن کے پاس اپنے مومن بھائی کی کوئی حاجت پیش ہو اور وہ اسے پورا نہ کر سکتا ہو لیکن اس کا دل اس کے لیے فکر مند ہو جائے تو اللہ تعالی اس فکر مندی کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرے گا۔

۶۔آئمہ طاہرینؑ نے اپنے شیعوں کو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاقات کا حکم دیا ہے۔تا کہ اس ملاقات کی برکت سے انہیں مفید باتیں حاصل ہوں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ایک دوسرے کو ملتے جایا کرو، تا کہ تمہارے دل زندہ ہوں اور تم ایک دوسرے کو ہماری احادیث سناؤ۔ ہماری احادیث تمہیں ایک دوسرے پر مہربان بناتی ہیں۔لہذا اگر تم نے ہماری احادیث پر عمل کیا تو سیدھی راہ اختیار کرو گے اور نجات پا لو گے، اور اگر انہیں ترک کر دیا تو گمراہ ہو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے۔پس اگر تم نے ان احادیث کو لے لیا تو میں تمہاری نجات کا ضامن ہوں۔''

نیز فرماتے: اما والله ! لوددت انی معکم فی بعض تلك المواطن ''خدا کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ان ملاقاتوں میں میں بھی تمہارے ساتھ ہوتا۔''

۷۔آئمہ طاہرینؑ نے اپنے شیعوں کو دوسرے مومن بھائیوں کے کام کرنے بڑی ترغیب دلائی ہے۔جیسا کہ صادق آل محمدؑ کا فرمان ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان کا کام انجام دیتا ہے تو خداوند عالم اسے نداء دیتا ہے: تمہاری محنت کا ثواب میرے پاس ہے اور میں (اس کے صلے میں) جنت کے سوا تمہارے لیے کچھ پسند ہی نہیں کرتا۔

امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مومن کے پاس اس کا دوسرا مومن بھائی کوئی کام لے کر آئے تو یہ خدا کی رحمت ہوتی اس کام کو مومن کے پاس لاتی ہے۔سو اگر وہ اس رحمت کو قبول کرے تو یہ اسے ہماری ولایت کے ساتھ ملا دے گی کہ جو خدا کی ولایت کے ساتھ متصل ہے۔اور اگر وہ اس کام کو کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود بھی نہ کرے تو خدا اس کے اوپر جہنم کا ایک سانپ مسلط کرے گا جو اس کی قبر میں قیامت تک اسے ڈستا رہے گا تا کہ اس کی مغفرت ہو جائے یا وہ عذاب میں مبتلا رہے۔(وسائل الشیعہ :۱۱/ ۴۰۹)

آئمہ طاہرینؑ نے دوسرے نیک کاموں جیسے مستحب حج، عمرہ، اعتکاف اور طواف وغیرہ کی نسبت زیادہ اہمیت دی ہے۔حتی کہ ایسا بھی ہوا کہ امامؑ بیت اللہ کا طواف چھوڑ کر مومن کا کام کرنے کے لیے چلے جاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ نے اس سلسلے میں کوتاہی کرنے والوں کو سخت سے سخت دھمکیاں دی ہیں۔مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مومن کے پاس کوئی دوسرا مومن اپنا کام لے کر آئے اور وہ اس کام کے کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود بھی نہ کرے تو خدا اسے اس طرح آزمائش میں ڈالے گا کہ ہمارے دشمنوں کے کئی کام سنوار دے گا جن پر خدا اسے قیامت کے دن عذاب دے گا۔'' اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے۔

۸۔آئمہ طاہرینؑ نے جن کاموں کے کرنے کی خصوصیت کے ساتھ تاکید کی، وہ یہ ہیں: فقیروں کی مدد،

حاجت مندوں کو قرض دینا اور جن کے لیے قرض ادا کرنا مشکل ہو انہیں مہلت دینا۔ جیسا کہ حضرت ابو بصیرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے بعض صاحبان مال و دولت شیعوں کا ذکر کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہم ان کے بارے میں جو باتیں امامؑ کے گوش گزار کر رہے وہ آپؑ کو ناگوار معلوم ہو رہی ہیں۔ جب ہم اپنی بات تمام کر چکے تو امامؑ نے فرمایا:

''اے ابو محمد! جب مومن غنی، صلہ رحمی کرنے والا، مہربان اور اپنے دوستوں سے نیکی کرنے والا ہو تو وہ جو بھی نیک کام پر خرچ کرے خدا اسے دوگنا اجر عطا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝

''اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کوئی ایسی چیز نہیں ہیں) جو تمہیں ہمارا مقرب بارگاہ بنائیں مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے (اسے ہمارا قرب حاصل ہوگا) ایسے لوگوں کیلئے ان کے عمل کی دوگنی جزا ہے اور وہ بہشت کے اونچے اونچے درجوں میں امن و اطمینان سے رہیں گے۔'' (سورۃ سبا)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدقہ دس نیکیوں کا، قرض حسنہ اٹھارہ، بھائیوں کے ساتھ صلہ بیس اور صلہ رحمی کرنا چوبیس نیکیوں کا حامل ہوتا ہے۔

۹۔ ان میں مذکورہ بالا صفات کے علاوہ بھی صفات موجود ہوتی ہیں۔ جیسے مومن کو خوش کرنا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں سرور داخل کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مومن کی پردہ پوشی، اس کی عزت بچانا، اس کی عدم موجودگی میں اس کی برائی سے باز رہنا اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا، اپنے مومن بھائیوں کو نصیحت کرنا، انہیں دھوکہ نہ دینا، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دینا اور سب لوگوں پر مہربان ہونا وغیرہ۔ جیسا کہ امام علیؑ نے جناب مالک اشتر کے وصیت نامے میں فرمایا: رعایا کے لیے اپنی دل کو نرمی، ان سے محبت اور ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا سکھاؤ، خبردار ان کے لیے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بننا۔ کیونکہ ان کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ وہ دینی بھائی ہیں یا تمہارے ہی جیسی مخلوق ہیں۔ ان کے ساتھ اس طرح عفو و درگزر سے پیش آؤ کہ جیسے تم چاہتے کہ خدا تمہیں معاف کرے اور تمہاری غلطیوں سے درگزر کرے۔''

یہ وہ ہے تعلیم و تہذیب جو آئمہ طاہرینؑ نے اپنے شیعوں کو سکھائی تا کہ وہ اچھی صفات کے حامل ہوں اور ان کا معیار بلند ہو۔ اور یہ اس لیے آئمہؑ اپنے چاہنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور انہیں بلند مرتبے پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں تمہاری خوشبو اور تمہاری ارواح کو پسند کرتا ہوں۔ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ خدا کے نور سے دیکھتے ہیں، اس کی رحمت کے سائے میں رہتے ہیں اور اس

کی کرامت کو حاصل کرتے ہیں۔ جب ہمارا کوئی شیعہ بیمار ہوتا ہے تو ہمیں بھی تکلیف ہوتی ہے، جب ہمارے شیعوں میں سے کوئی شخص غمگین ہوتا ہے تو ہم بھی غمزدہ ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی خوش ہوتا ہے تو ہم بھی خوش ہوتے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی شیعہ ہم سے غائب نہیں ہوتا، خواہ وہ زمین کے مشرق میں ہو، یا مغرب میں۔

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ بنی امیہ کے آخری حاکم مروان حمار کے زمانے میں ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمیں دیکھا امامؑ نے فرمایا: تم کون ہو؟

ہم نے کہا: ہم کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

تو امامؑ نے فرمایا: تمام شہروں میں سے شہرِ کوفہ کو ہم سے جتنی محبت ہے اتنی کسی کو نہیں۔ اور ان سے بھی خاص طور یہ لوگ۔ خدا نے تمہیں اس امر کی ہدایت دی جس سے دوسرے لوگ جاہل ہیں۔ تم نے ہم سے محبت کی جبکہ لوگوں نے ہم سے نفرت کا برتاؤ کیا، تم نے ہماری پیروی کی جبکہ باقی لوگ ہمارے مخالف بنے اور تم نے ہم کو سچا تسلیم کیا جبکہ دوسرے ہمیں جھٹلاتے رہے۔ خدا تمہیں ہماری طرح ہی زندہ رکھے اور ہماری طرح ہی موت دے۔ میں اپنے باباؑ کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے: تمہارے ہر ایک فرد اور اس چیز کے درمیان، جس سے خدا اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے اور وہ اس پر رشک کرے اتنا ہی فاصلہ ہے کہ اس کی سانس یہاں تک پہنچے۔ (یہ فرماتے ہوئے آپؑ نے اپنے حلق مبارک کی طرف اشارہ کیا۔)

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بابا گھر سے نکلے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر و منبر کے درمیان پہنچے تو وہاں کچھ شیعہ حضرات موجود تھے۔ میرے باباؑ نے ان پر سلام کیا اور فرمایا: تم خدا کے شیعہ اور اس کے انصار ہو۔ تم ہی پہلے سبقت کرنے، تم ہی دوسرے سبقت کرنے تم ہی دنیا میں سبقت کرنے اور تم ہی آخرت میں سبقت کرنے والے ہو۔ ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضمانت کے تحت تمہاری جنت کے ضامن ہیں۔۔۔۔ یہ حدیث طویل ہے، اس میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا: جان لو کہ ہماری ولایت پرہیزگاری اور سخت محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ تم میں سے جو بھی کسی کو اپنا امام بنائے تو اسے اس کے علم کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ (روضۃ الکافی: حدیث: ۲۵۹)

ہم خدا کی بارگاہ میں دست دعا بلند کیے ہوئے عرض کرتے ہیں: اے اللہ! ہمیں محمد و آل محمد کی سیرت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے اور ہماری موت اُن کی موت کے طرح فرما۔ ہمارا حشر و نشر ان کے ساتھ کر اور ہمارے اور ان کے درمیان جدائی پیدا نہ فرما۔ اے بہت زیادہ رحم کرنے والے! پروردگار! ہمیں محمد و آل محمد کی حیات پر زندہ رکھنا، ان کی جیسی موت دینا اور ان کے ساتھ محشور فرما اور ہمارے اور ان کے درمیان جدائی نہ ڈال، اے ارحم الراحمین، اور درود بھیج حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی پاکیزہ آل پر۔

تیسرا باب:

شرائط کی اہمیت، اور مغرب کا مادی فتنہ

یہاں میں اپنے قارئین کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ امام زمانہؑ کے ظہور پرنور کی علامات سے زیادہ ان کی شرائط کو پورا کرنے پر زور دینا ضروری ہے۔ جبکہ ہم اس کے برخلاف چل رہے ہیں۔ ہمیں آئے دن یہ سوجھی ہوتی ہے کہ آج امامؑ کے ظہور کی فلاں نشانی پوری ہوگئی، آج فلاں۔۔

اس حوالے سے ہمارے استادِ محترم کی کتاب الغیبۃ الکبری میں بہت مفید باتیں موجود ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو اس بحث میں ہم اس کتاب سے بھی استفادہ کریں گے۔

شرائط اور علامات اس لحاظ سے ایک جیسی ہیں کہ امامؑ کے ظہور سے قبل ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ یہ لازم آئے گا مشروط، شرط سے پہلے ظاہر ہوگیا۔ یعنی جن مقاصد کے لیے امامؑ کا ظہور موخر کیا گیا تھا، ان کے پورے ہونے سے پہلے ظہور ہوگیا۔ اور اگر علامات کے پورا ہونے سے پہلے ظہور ہو جائے تو ان اخبار کو جھوٹا ماننا پڑے گا جن میں آیا ہے کہ جب فلاں وفلاں علامت ظاہر ہو جائے تو آپؑ کا ظہور ہوگا۔

شرط اور علامت میں فرق

شرط اور علامت کے درمیان پہلا اور اہم فرق یہ ہے کہ شرط، مشروط کو ایجاد کرنے میں علت مانند دخالت رکھتی ہے۔ جس طرح کسی چیز کو جلانے کے لیے صرف آگ کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ آگ کے اتنا قریب رکھا جائے کہ وہ اسے چھو سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے جلے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آگ کے قریب ہو، ورنہ آگ اپنے اندر جلانے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی اسے نہ جلا سکے گی۔ اسی طرح ظہور کی شرط کے بغیر اس کا واقع ہونا محال ہے۔ ظہور کا واقع ہونا بھی محال ہے۔

جبکہ علامت میں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے بطور علت دخل حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض اس کے واقع ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسے کسی دور مقام سے اٹھتا ہوا دھواں اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مثال ہم نے صرف شرط اور علامت کے مابین فرق کو واضح کرنے کے لیے پیش کی ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ امامؑ کا ظہور ہو جائے گا تب یہ علامت ظاہر ہوں گی۔ لہذا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پہلے یہ علامات ظاہر ہوں گی، جو آپؑ کے ظہور کی جانب اشارہ کریں گی اس کے بعد آپؑ ظہور فرمائیں گے۔ تاکہ اس سلسلے میں جو اخبار نقل ہوئی ہیں وہ اپنے مقام پر صحیح ثابت ہو جائیں۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ظہور امامؑ کا شرائط کے جو

ربط ہے وہ حقیقی ہے۔ کیونکہ وہ ظہور کے لیے ایک سبب اور علت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علامات کا ظہور کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ظاہری ہے۔ کیونکہ وہ اس لیے کہ آپؑ کے ظہور کی جانب راہنمائی کرتی ہیں۔

ان دونوں کے درمیان کچھ اور بھی فرق بتائے جاتے ہیں، لیکن وہ قابل اعتناء نہیں۔

علامت کے کم اہم ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ جن روایات میں ظہور کی علامات ذکر کی گئی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ اگر انہیں اس اعتبار سے قبول کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

۲۔ ان روایات میں علامات کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں، ان کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

۳۔ یہ روایات اس قابل ہیں کہ انہیں بہت سے واقعات پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ظہور کی ایک علامت سید حسنیؑ کو شہید کیا جانا بتایا جاتا ہے۔ تو امام حسنؑ کی اولاد میں سے بہت سوں نے اموی اور عباس دورِ حکومت میں باطل کے خلاف قیام کیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور ان کے علاوہ بھی بہت سے حسنی سادات کو شہید کیا گیا۔ لہذا اس علامت کو ان سیدزادوں میں سے کسی خاص شان کے حامل بزرگ کی شہادت پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

یا ظہور کی ایک علامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امامؑ کا ظہور اس وقت ہوگا کہ جب ترک عراق میں بین النہرین جزیزہ میں پڑاؤ ڈالیں گے۔ تو ایسا تاریخ میں کئی بار ہو چکا ہے۔ بالخصوص جب دولت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا تو انہوں نے اس وقت بھی وہاں قیام کیا تھا۔

اسی طرح مشرق سے کالے جھنڈوں کا بلند ہونا تاریخ میں کئی بار دیکھا جا چکا ہے۔

۴۔ علامات ہمارے اختیار میں نہیں ہیں، جبکہ شرائط کہ جن میں سب سے بنیادی شرط خود امامؑ کے ظہور کے لیے آمادہ کرنا، ہمارے اختیار میں ہیں۔ اس بنا پر علامات کا ہماری ذمہ داریوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جبکہ شرائط ہمیں بتاتی ہیں کہ امامؑ کے ظہور کے سلسلے میں ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے اور کون سی چیز ہم پر واجب ہے۔

۵۔ ایمان وتقوی اور اخلاص وعمل صالح وغیرہ جنہیں ہمارے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے اگر یہ ہم میں موجود نہ ہوں تو علامات کے پورا ہونے، بلکہ امامؑ کے ظہور سے بھی ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور ہم ظلم کے خلاف اپنے امامؑ کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ لہذا ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کس طرح اس مرتبے پر پہنچ سکتے ہیں تاکہ ہم ظہور کی شرائط کو پورا کرنے میں اپنا حصہ شامل کر سکیں۔ بصورت دیگر ہمارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے خلاف امامؑ ظہور فرمائیں۔ (نعوذ باللہ)

جیسا کہ درج ذیل آیات قرآن میں غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فتح (فیصلہ) کب ہوگا؟ آپ کہئے کہ فتح (فیصلہ) والے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ سو آپ ان سے بے اعتنائی کریں اور انتظار کریں۔ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔'' (السجدہ)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

''کیا یہ لوگ اب صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تمہارا پروردگار بذات خود آجائے یا تمہارے پروردگار کی بعض خاص نشانیاں آجائیں۔ یہ تب (ایمان لائیں گے)۔ تو پھر (یاد رکھو) جس دن تمہارے پروردگار کی بعض مخصوص نشانیاں آجائیں گی تو اس دن ایسے شخص کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اور اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہوگی۔ ان سے کہو کہ تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' (الانعام)

یوم فتح کے مصادیق میں سے ایک امام زمانہؑ کے ظہور کا دن بھی ہے۔ لہذا اس دن وہی شخص فائدے میں رہے گا جس نے پہلے سے اپنے نفس کا تزکیہ کیا ہو اور نیک اعمال انجام دیے ہوں۔ جیسا کہ امامؑ کے انتظار کا حقیقی معنی بھی یہی ہے۔

دجال، انسان نہیں ہے

۶۔ علامات اور شرائط میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ امامؑ کے ظہور کی جو نشانیاں بتائی جاتی ہیں وہ رموز و کنائے کے اسلوب پر مشتمل ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن کی تفسیریں مختلف بیان کی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہر لحاظ سے صحیح ہے۔ مثلاً دجال کا آنا، جو کہ امامؑ کے ظہور کی اہم ترین نشانیوں میں سے ہے۔ اس کے جو اوصاف اخبار میں ذکر ہوئے ہیں وہ کسی ایک انسان پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ پھر ہمارے لیے دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں: ایک یہ کہ سرے سے ان روایات کا ہی انکار کر دیں، یا پھر اس کی تفسیر انسان کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ کریں جس پر روایات میں مذکور تمام اوصاف منطبق ہوتے ہوں۔

مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کشیدگی پیدا کی ہوئی ہے اس کے تناظر میں مناسب ہے کہ ہم اپنے استاد بزرگوار کی تفسیر کا خلاصہ نقل کریں اور اسے موجودہ حالات پر منطبق کریں۔ کیونکہ اس زمانہ غیبت میں کہ جو

فتنوں اور گمراہیوں کا زمانہ ہے، دجال نے اسلام کے خلاف جو سازشیں کر رکھی ہیں، ان میں مغربی مرکزی کردار ادا کر رہی ہے۔ جیسا کہ اس کی انتہا پسندی، ظلم، عالمی رائے پر غلبے اور دیگر شیطانی حربوں کے باعث بہت سے مسلمان، عملی طور پر اسلام سے نکل کر ان کے باطل ادیان اور ظالمانہ قوانین کے اسیر ہو چکے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہراً خود مسلمان ہی کہلواتے ہیں۔ یہ تو اس کے مظالم کی ایک چھوٹی سی مثال ہے اس کے علاوہ بھی یہ بے دین تہذیب مختلف طریقوں سے انسانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کو بری طرح متاثر کر رہی ہے۔

اب ہم دجال کی ان صفات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو شیعہ وسنی مصادر میں ذکر ہوئی ہیں۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس مغربی شیطنت پر کس طرح منطبق ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قیام قیامت تک دجال سے بڑا منحرف کوئی نہیں ہے۔[1] اور مغربی فتنے کی صورت بھی اس سے کچھ مختلف نظر نہیں آتی، جیسا کہ اس سے لوگوں کا خوف وہراس، اس کی مادی وسعت، تباہ کن ایجادات، پوری دنیا پر ظالمانہ تسلط اور قدرت خدا کے مقابلے میں الحاد اور اس کا انکار کرنا اس پر شاہد ہیں۔ تاریخ انسانیت میں اتنے بھیانک دور کی مثال نہ پہلے دیکھی گئی اور نہ بعد میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ مستقبل میں اس کا تصور اس لیے ممکن نہیں، کیونکہ اس وقت مصلحت یہ تقاضا کرے گی کہ حق وانصاف کی بالادستی کی حمایت کی جائے اور ہر شعبے میں ظلم وناانصافی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

اس علامت کی یہ تفسیر ایک دوسری روایت کی بنا پر بالکل واضح ہے جس میں ہے کہ حضرت آدمؑ سے تا قیامت دجال سے بڑا منحرف کوئی امر نہ ہوگا۔ لہذا دجال کوئی آدمی نہیں، بلکہ یہ اسلام کے خلاف ایک مستقل تہذیبی یلغار ہے۔

دجال کی دوسری نشانی یہ ہے:

من فتنه ان یامر السماء ان تمطر فتمطر وان یامر الارض ان تنبت فتنبت

''دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ جب آسمان کو بارش برسانے کا کہے گا تو آسمان بارش برسائے گا اور زمین کو کہے گا کہ سبزہ اُگاؤ تو سبزہ اُگائے گی۔''

یہ سب اور اس کے علاوہ وہ تمام امور جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ جیسے قدرتی ضروریات پر ایک قسم کا قبضہ۔ یہ بھی مغرب کا دنیا کو دیا ہوا تحفہ ہے۔ اس کے اندر جو تخریب اور فتنہ انگیزی ہے سب پر واضح ہے۔ مثلاً مسلمانوں کی

---

[1] اس میں دجال کی اس صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر روایات میں اس طرح ہوا ہے: مابین خلق آدم الی قیام الساعة خلق، (وفی حدیث آخر: امر) اکبر من الدجال۔ ''حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قیامت تک کوئی ایسی مخلوق نہ ہوگی (بروایت دیگر: امر نہ ہوگا) جو دجال سے بڑا ہو۔'' (صحیح مسلم)

ایک کثیر تعداد جب مغربی دنیا کی خوبصورتی کو دیکھتی ہے تو اس کے نظریات کو سچ تصور کرنے لگتی ہے۔ اور یہی سب سے بڑا فتنہ ہے جس کا شکار آج کا جوان لاشعوری طور پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس تہذیب کی تشکیل کسی صحیح اساس پر نہیں ہوئی۔ اور کسی ملک کے ٹیکنالوجی میں آگے نکل جانے کا یہ مطلب نہیں اس کے تمام تر افکار ونظریات من وعن صحیح ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں۔ اور یہ ضروری بھی نہیں کہ کوئی معاشرہ تہذیب وتمدن میں ایک جتنی ترقی کرے، لہذا یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی معاشرہ تہذیب واخلاق کے حوالے سے تو ترقی یافتہ ہو، مگر اپنے عوام کی تمدنیت میں پیچھے رہ جائے۔

اسی طرح عین ممکن ہے کہ کسی معاشرے کا رہن سہن تمدنی ہو، لیکن وہ تہذیب واخلاق کے لحاظ پستی کا شکار ہو۔ اس کا واضح ترین مصداق صیہونی معاشرہ ہے جو کہ ٹیکنالوجی کے میدان میں سب سے آگے ہے، لیکن جہاں تک اس کی تہذیب وآئیڈیولوجی کا تعلق ہے۔ تو وہ اس سلسلے میں بالکل وحشی ونا کارہ ہے۔ انہوں انسانی حقوق کے حوالے سے جتنی بھی آگنائزیشنیں بنائی اور پوری دنیا سے جو جوان کی اتحادی جماعتیں ہیں سب کا برا حال ہے۔ اسی طرح ان متحدہ حکومتوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے جو دنیا میں مغربیت کے ایڈوانس ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں۔ حالانکہ یہ اخلاقی لحاظ سے بالکل پست ہیں اور عراق، جاپان، ویتنام وفلسطین، بوسنیا اور افغانستان میں ان کے مظالم عام ہیں۔

دجال کا فتنہ

وان من فتنته ان یمر بالحی فیکذبونه فلا تبقی لهم سائمة الا هلکت، وان من فتنته ان یمر فی الحی فیصدقونه فیامر السماء ان تمطر فتمطر، ویأمر الارض ان تنبت فتنبت حتی تروح مواشیهم من یومهم ذلك اسمی ما کانت واعظم وامده خواصرا وادره ضروعا

''دجال کا ایک فتنہ یہ ہے کہ جب وہ کسی قبیلے سے گزرے گا اور اس قبیلے والے اس کی تکذیب کریں گے تو ان کا ایک بھی جانور باقی نہ رہے گا۔ اس کا ایک فتنہ یہ ہے اور اگر کسی قبیلے والے اس کی تکذیب کریں گے تو آسمان کو بارش برسانے کا کہے گا تو وہ برس پڑے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا کہے گا تو سبزہ اگا دے گی۔ حتی کہ اس ایک دن میں ان کے جانور چر کر پہلے کی نسبت دوگنا موٹے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔

ان الفاظ یہ حقیقت مکمل طور پر منکشف ہوتی ہے کہ جو بھی یورپ کی مادی ترقی کو تسلیم نہ کرے اور اس کے مقابل کھڑا ہو تو اسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس شخص کا مال و طاقت پہ قبضہ ہوگا جو ان کی ہاں میں ہاں ملائے گا اور ان کی چاپلوسی کرے گا۔

یہاں معاشرے کو حی (قبیلہ) سے تعبیر کرنے کا مقصد اس کے تمام افراد کو بالعموم لینا ہے۔ اور یہ زیادہ صحیح ہے بجائے اس کے کہ اس سے صرف مومن معاشرے کا مراد لیا جائے۔ کیونکہ اگر ہم اسے شخصی اعتبار سے دیکھیں تو بعض

اوقات کسی فرد معارض کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ کچھ خاص حالات میں پیسہ اور قوت دونوں کو حاصل کر لے۔

دجال، اور دعوائے ربوبیت

دجال بھی ربوبیت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ بلند آواز سے نداء دے گا جسے تمام زمین و آسمان والے سنیں گے۔ وہ نداء یہ ہوگی:

اِلَیَّ اولیائی! انا الذی خلق فسوی وقدر فھدی انا ربکم الاعلی

''میرے ساتھیو! ادھر آؤ، میں نے ہی مخلوقات کو خلق کیا، انہیں موزوں بنایا اور اندازہ مقرر کر کے ہدایت کی۔ میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں۔''

یہ سب مغربی نظام اور ان کے طور طریقوں سے عیاں ہے۔ انہوں نے جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنی مادّی چیزوں سے زمین و آسمان کو بھر دیا ہے اور انسان کو سرچشمہ الٰہی اور عالم معنوی سے جدا کر دیا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ عدل و انصاف اور اخلاقیات اور اس فکر و نظر سے جدا ہو گیا ہے جس کی طرف اسلام نے دعوت دی ہے۔ اور نتیجتاً انسان خدا کی ولایت اور اس کے قوانین سے ہٹ کر مغرب کی آئیڈیالوجی اور قوانین کا اسیر ہو گیا ہے۔

اس شیطانی تہذیب کے دعویٰ ربوبیت کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ خدا کے مقابلے میں امور بشریت کی مالک بنی ہوئی ہے۔ یو ایس اے بھی یہی چاہتا ہے کہ پوری دنیا پر اس کی حکمرانی ہو۔ جسے وہ Globelization اور New World Order نام دیتے ہیں۔ اسے پانے کے لیے انہوں نے World Bank, اور International Trade Union حتی کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور اس کی کابینہ کی شکل میں اپنا جال پھیلایا ہوا ہے۔ اور جو ان کی اس مرضی کے خلاف کچھ چاہے تو اس کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ وہی فرعونیت ہے کہ جب اس نے رب ہونے کا دعوی کیا اور کہا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میری رائے ہے۔ یعنی تم وہی مانو جو میں کہہ رہا ہوں۔ اور آج امریکہ نے بھی یہی رٹ لگائی ہوئی ہے۔

امریکہ کے زیرِ تسلط ممالک کی حالتِ زار

امریکہ پوری دنیا میں اپنے ہوا خواہوں سے یہ چاہتا ہے کہ ان کی فکر و ثقافت کو اپنے مطابق ڈھال لے تا کہ اس کے اور ان ممالک کے اجتماعی اور اقتصادی مفادات اکٹھے ہو جائیں۔ اور یہ بالکل واضح سی بات ہے۔ جیسا کہ آئے دن دیکھنے میں آتا ہے اس کے بہی خواہ غلاموں کی طرح اس کے احکام کو مانتے ہیں اور ایک خدا کی مانند اس کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ لہذا جو امریکہ کا دوست اور حمایتی ہے، وہ بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں، اور جو اس کا مخالف ہے، اس سے وہ بھی جنگ کے لیے تیار ہیں۔ نیز وہ امریکہ کے لیے مذموم مقاصد کے لیے

اپنی فوج اور ملکی سرمایہ ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں اور مختلف حیلوں و بہانوں سے اس کے لیے وسائل اکٹھے کرتے ہیں۔

مکہ و مدینہ، دجال کے شر سے کیونکر محفوظ رہیں گے؟

ولا یبقی شیء من الارض الا وطأہ وظھر علیہ الا مکۃ والمدینۃ

''دجال مکہ و مدینہ کے سوا تمام زمین پر جائے گا اور اس پر تسلط حاصل کر لے گا۔'' (سنن ابن ماجہ)

اگر مغربی فکر کے پھیلنے اور ہر جگہ اس کی اندھی تقلید کو دیکھا جائے تو یہ دجالی حرکت بھی واقع ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے دنیا کی ہر حکومت مغربی قوانین و افکار کو تسلیم کر رہی ہے۔

جہاں تک مکہ و مدینہ کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں جو الٰہی فکر وجود میں آئی اور مدینہ منورہ میں جو اسلامی نظریہ پروان چڑھا وہ مغربی افکار سے متاثر ہو کر انحراف کا شکار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ الٰہی و اسلامی عقیدہ اہل ایمان کے ذہنوں میں محفوظ رہے گا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انحراف تمام نوع بشریت کو اپنی لپیٹ میں لے گا، بلکہ کچھ ایسے افراد ضرور باقی رہیں گے جو حق پر ہوں گے۔ اور مغرب کے انحرافات اور اسلام کے خلاف سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ کوئی بھی مشکل ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے گی، بلکہ یہ ان کے ایمان و اخلاص میں اضافے کا سبب بنیں گی۔ اور یہ سنت الٰہیہ کے عین مطابق ہے

ولیم جیفرڈ William Gifford کہتا ہے: جب قرآن اور عرب کے شہروں میں سے مکہ و مدینہ چھپ جائیں تو اس وقت ممکن ہے اہل عرب محمد ﷺ اور اس کی کتاب سے دور مغربی تہذیب میں ڈھل جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اہل مغرب کا غلیظ ترین ہدف مسلمانوں سے ان کے دین اور اقدار کو سلب کرنا اور مذہبی وحدت کو ختم کرنا ہے۔ اسی مطلب کو دجال سے متعلقہ اخبار میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک حکمران کی بے نیام تلوار کے سبب مکہ و مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (یعنی ہر نسل میں ہمیشہ دین کی حفاظت کے لیے ایک شخص موجود رہے گا جو دجال کو ان مقدس شہروں میں داخل ہونے سے روکے رکھے گا۔) اور ان کے محفوظ رہنے کا ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے ہر داخلی و خارجی راستے پر فرشتے موجود ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہاں اسلامی عقیدہ کو بادشاہ اور اس کی طاقت کو تلوار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ واضح ہے۔ یہاں جو بیان کیا گیا کہ اس کے ہر راستے فرشتے بطور محافظ مقرر کیا گیا ہے۔ تو اس کا مقصد مومنوں کو یہ بات سمجھانا ہے کہ اسلام میں ہر مشکل کا حل اور ہر شبہے کا جواب موجود ہے۔ اس وجہ سے اہل باطل کے افکار اس کے دماغ پر غالب نہیں آ سکتے ہیں۔

اس سے ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابناء حوزہ پر ایسے شبہات کا جواب دینے اور دینِ اسلام کا دفاع

کرنے کے سلسلے میں کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ علماء اسلام کے قلعے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اور جب قلعہ اپنے اندر کے ماحول کی حفاظت نہ کر سکے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ انبیاء ورسلؑ کے امین ہیں۔ لہذا جو جو ذمہ داریاں ان پر عائد تھیں اب وہ علماء کے کندھوں پر ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اُمت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے علماء کی طرف متوجہ ہوں اور ہر چھوٹے و بڑے کام میں ان سے راہنمائی لیں۔ بصورت دیگر وہ ضائع و برباد ہوں گے اور گمراہی میں پڑ کر دجال کے فتنہ کا شکار ہو جائیں گے اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

دجال، اَز عصر نبویؐ

دجال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے موجود ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ خود رسول ہونے کا دعوی کیا تھا۔ اور اب تک اسی حالت پر باقی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

الغرض دجال یا مادیت کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے ہی ہو چکا تھا۔ اور منافقین اس کی طرف رغبت دلانے اور لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کرنے میں پیش پیش تھے۔ اور یہ دجالیت کا پہلا بیج تھا جسے اسلام کی ابتداء میں بویا گیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں جان آتی گئی، یہاں تک آج پورے انسانی معاشرے پر اس کا غلبہ ہے۔ لہذا جن منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تسلیم نہ کیا دجل وفریب ان کا دھوکہ تھا۔ کیونکہ ان کا ظاہر کچھ ہوتا اور باطن کچھ اور۔

دین اسلام میں اس ناسور کی بنا انہوں نے ہی رکھی۔ کیونکہ وہ ظاہرا عدل ومساوات کی بات کرتے اور اندر سے اپنے منحوس مقاصد کو حاصل کرنے کی فکر میں رہتے۔ یہی دجال کی دجالیت ہے جو طویل عرصے سے موجود ہے۔

دجال، اور رسالت کا دعویٰ

درج بالا بیان سے ہم یہ بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ دجال کے دعوئ نبوت کا مطلب کیا ہے؟ یعنی مادہ پرستی ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہی ہے کہ کسی طریقے سے لوگوں پر اپنا تسلط جمائے رکھے اور ان پر اپنی ولایت پر ایمان رکھنا فرض قرار دے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کا اثر بہت کم تھا اور کسی بھی انسان سے مربوط نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جیسے ہی دجال مادہ کو خروج کا موقع ملا تو لوگوں کو نفس امارہ نے اس برائی کی طرف راغب کیا اور وہ اس شیطنت سے منسلک ہو گئے۔ اور آج اس میں اتنی قدرت آ چکی ہے کہ یہ پوری دنیا کو اپنے زیر تسلط کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔

یہاں ہم یہ بات آسانی سے باور کر سکتے ہیں کہ دجال کے پاس ایسا پانی ہے جو آگ بن سکتا ہے اور ایسی آگ ہے جو میٹھے پانی کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں آیا ہے:

فمن ادرك ذلك، فليقع في الذي يراه نارا فانه ماء عذب طيب

''اگر کوئی شخص اس وقت کو پالے تو وہ اس آزمائش میں پڑ جائے گا کہ وہ (دجال) اسے آگ دکھلائے گا جو حقیقت میں میٹھا وصاف پانی ہوگا۔''

حقیقت یہ ہے کہ دجال کے ایسے پانی سے مراد دھوکہ، فریب اور ذاتی مفاد ہے کہ جو مادہ پرست تہذیبوں کے اصول وقوانین میں سے ہیں۔ اور اس کی آگ سے مراد وہ تکالیف اور مشقتیں ہیں جن کا سامنا اس مومن کو کرنا پڑتا ہے کہ اس شیطانی اور دجالی نظام کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسانی حقیقی عدل کو پاتا ہے جو کہ صاف اور میٹھے پانی کی مانند ہوتا ہے۔

یہ ایک واضح سی بات ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی توحید کے سب سے بڑے داعی تھے، لہذا آپ کا فرض بنتا تھا کہ لوگوں کو دجل کے مکر وحیلے سے آگاہ کر دیں۔ تاکہ وہ اس طرف سے پھینکے جانے والے زہریلے تیر سے خود کو بچا سکیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انصاف کے حصول کے شروع میں پیش آنے والی مشکلات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ اس کا بیان سادہ لفظوں میں اس طرح ہے کہ یہاں پانی اور آگ کو بطور رمز وکنایہ ذکر کیا گیا ہے۔ بصورت دیگر ہمیں دجال کے لیے معجزے کا قائل ہونا پڑے گا۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

اس روایت میں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب سارے لوگ دجال کے اس پانی کا شکار ہوں گے تو وہ ان کے لیے آگ بن جائے گا۔ یا وہ سارے آگ میں کود پڑیں گے اور اس میں سے میٹھا وخوشگوار پانی پئیں گے۔ اس سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض لوگ، جو مضبوط ایمان والے ہوں گے وہ دجال کی اس مکارانہ چال میں نہ آئیں گے۔ جبکہ ان کے علاوہ لوگ خوشی خوشی دجال کے پانی داخل ہوں گے اور حق کے حصول کے لیے سختیوں کا مقابلہ کرنے میں تنگی محسوس کریں گے۔

دجال کی یک چشمی کی وجہ

دجال ایک آنکھ رکھتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہ پرست تہذیب پوری دنیا کو ایک نظر سے دیکھتی ہے۔ اور اس کی نظر روح، اس کی بلند خلقت اور اعلیٰ نمونوں کی طرف نہیں جاتی۔ کیونکہ جو ایک آنکھ سے محروم ہوتا ہے وہ حقائق کا ادراک نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اسے رب اور بشریت پر حاکم تسلیم کیا جائے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حکومت کا اختیار صرف اسی کو ہی مل سکتا ہے کہ جو پوری دنیا کو دو صحیح وسالم آنکھوں سے دیکھے۔ کیونکہ دونوں آنکھوں سے دیکھنے

سے انسان کی نظر مادہ سے روح تک پہنچ جاتی ہے اور ہر چیز کا اس کا مستقل زاویہ فراہم کرتی ہے۔

دجال مادہ و ذاتی مفاد کی بندگی کرتا ہے اس لیے وہ کافر ہے۔ اور خدا کی عبادت و اطاعت کو چھوڑ کر شہواتِ نفسانی کا بندہ بنا ہوا ہے۔ اور قرآن بڑے سخت لفظوں میں اس کی مذمت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ

''کیا آپ (ص) نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے باوجود علم کے اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے اللہ کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت کر سکتا ہے؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ یہیں ہم مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں اور ہمیں صرف گردشِ زمانہ ہلاک کرتی ہے۔'' (الجاثیہ)

یہ بالکل وہی باتیں ہیں جو آج اہل مغرب کی زبانوں پر ہیں۔ ان کے یہاں آخرت نام کی کسی چیز کا تصور تک نہیں، اس کے مقابلے میں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو صرف اسی دنیا میں کھیلنے کودنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اسلام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور حق سے دوری کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا محاسبہ کرتے ہیں اور انہیں اس کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں۔

منحرفین کی شناخت

دجال کی اگلی نشانی یہ بتائی جاتی ہے:

مکتوب بین عینه کافر یقراه کل مومن کاتب وغیر کاتب

''دجال کی دونوں آنکھوں کی درمیان والی جگہ پر کافر لکھا ہوگا جسے ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ اسے پڑھنا لکھنا آتا ہو یا نہ۔''

واضح رہے کہ یہاں پیشانی پر لکھا ہوا ہونے سے مراد حقیقی تحریر نہیں، بلکہ اس سے مراد ایک خاص قسم کی نشانی ہے جس کی پہچان پڑھنے لکھنے پر منحصر نہیں، بلکہ اسے دیکھنے فقط ایمان کی روشنی کافی ہے۔ اور یہ صلاحیت صرف مخلص ایمان والوں کے پاس ہی ہوتی ہے اور وہی لوگوں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

جبکہ گمراہ اور منحرف لوگ اس نشانی کی پہچان نہیں کر سکتے، خواہ وہ کتنے ہی پڑھے لکھے کیوں نہ ہوں۔

یہ ایک عام سی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے ہم عقیدہ و ہم خیال انسان کو کافر نہیں کہتا ہے۔ لیکن آج آپ پوری دنیا میں دیکھ سکتے ہیں کہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہو اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا قائل ہو، خواہ وہ مسلمان نہ بھی ہو، وہ

امریکہ اور صیہونی مظالم کو دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے اور ان کی فرعونیت کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہے۔

یہاں تک کہ خود امریکہ کے دسیوں مفکرین و اہل ثقافت نے ایک معاہدہ تحریر کیا اور اسے یورپ میں موجود اپنے ہم خیال دانشوروں کو بھیجا جس میں انہوں نے اس طرزِ جنگ کے خلاف آراء اکٹھی کیں کہ جس کا امریکہ نے اعلان کیا تھا۔ وہ اس دہشت گردی کے بالکل خلاف تھے۔ لہذا انہوں متحدہ امریکہ سے اختلافِ رائے رکھنے والوں کو حوصلہ دیا کہ وہ اس کی استکباریت وفرعونیت سے بالکل نہ ڈریں اور اس کے انسانیت سوز مظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ انہوں یہ فیصلہ اس لیے کیا تا کہ وہ اس انتہا پسندی کی وجہ سے دنیا میں بدنام نہ ہوں۔

بہرکیف ان کی یہ کاوش یقیناً قابل تحسین تھی۔ نیز ان کے مقابلے میں ایسے مفکرین بھی موجود تھے جن کی آنکھوں پر مالِ دنیا کا پردہ پڑا ہوا تھا انہوں نے برطانوی کافر مسٹر ٹونی بلیر کی شیطانی سیاست کی کھل کر حمایت کی۔ اس نے اپنا ایک مقالہ انٹرنیٹ پر دیا جس میں موجود دنیا کو متمدن اور غیر متمدن حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ تمام تر قوانین اور ضابطے متمدن لوگوں کے لیے ہیں اور وہی ہر سہولت کے اہل ہیں۔

جبکہ غیر متمدن لوگوں کے لیے کسی اصل وقانون کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی یہی اوقات ہے کہ انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان سے ہر جائز وناجائز کام لیا جائے۔ کہاں یہ تعصب وتفریق اور کہاں اسلام کا ضابطہ حیات، جو صرف کسی خاص طبقے سے متعلق ہی نہیں، بلکہ عالمین کے لیے باعثِ رحمت وبرکت ہے

حوزہ اور مغربی تہذیب سے مقابلہ

چونکہ دجال انتہائی مکار وعیار ہے اور اس کے فتنے سے بچنا خوش نصیب لوگوں کا ہی مقدر ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو اس کے فتنے میں مبتلا ہونے کے بارے میں خبردار کیا اور انہیں اس کے شر سے پناہ مانگتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ تا کہ مسلمان ہر وقت اس کے فتنے جیسے نفاق وگمراہی اور مادیت کے غلبے سے بچنے کی کوشش کریں۔ اور یہ چیز صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات میں ہی بیان نہیں ہوئی، بلکہ ہر پیغمبرؑ نے اپنی اُمت کو اس کے حوالے سے محتاط رہنے کا حکم دیا۔

ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں کہ امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے مادہ پرستی اس قدر عروج پر ہوگی، کہ اتنی پوری تاریخ انسانیت میں نہ ہوئی ہوگی۔ اور اس وقت انبیاءِ الٰہی کی محنتوں کو بہت بڑے خطرے کا سامنا ہوگا۔ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس میں مادیت کا تسلط کچھ کم نہیں۔ لہذا ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو ہر اس تہذیب و ثقافت سے دور رکھیں جس کی طرف مغربیت کی ترغیب موجود ہو۔ کیونکہ اُن کا ظاہر تو بڑا خوشنما اور خوبصورت ہوتا ہے، لیکن ان کے بیچ میں زہر قاتل بھرا ہوتا ہے۔

مگر اس کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں اہل مغرب کی ڈگر پر چلنے میں بڑائی محسوس کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پروفیسرز اور ان کے زیر تربیت جوان پیش پیش ہوتے ہیں۔ میری ان سے گزارش ہے کہ وہ اس مغربی شیطنت کی ظاہری خوبصورتی سے دھوکا نہ کھائیں، اور بصیرت کی نگاہوں سے اس کی سازشوں اور مکاریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آپ معاشرے کے ایسے افراد ہیں کہ جو ایسی چیزوں کا بآسانی تحلیل وتجزیہ کر سکتے ہیں اور دوسروں کی بھی اس بابت راہنمائی کر سکتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟! میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بالکل ہی اس سے قطع تعلق کر لیں، کیونکہ اس کے پاس کچھ مفید چیزیں بھی ہیں جیسے سائنس وٹیکنالوجی کا علم۔ لیکن واضح رہے کہ اس سے ٹیکنالوجی حاصل کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ آپ کے افکار واخلاقیات اور اجتماعیت وقانون بھی بالکل اسی کی مانند ہو جائیں۔

کیونکہ ہمارے پاس وہ مقدس شریعت موجود ہے جسے انسان کے خالق اور اس کے فائدے کے بارے میں پورا علم رکھنے والی ذات نے بنایا ہے۔ اس لیے اس میں ہر حوالے سے مکمل راہنمائی موجود ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اگر بستی میں رہنے والے لوگ ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اس لیے ہم نے ان کے برے کرتوتوں کے سبب پکڑ لیا۔ (اعراف)

میں اپنی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک مثال کا سہارا لیتا ہوں۔ چند ماہ پہلے کویت کے وزیر صحت ڈاکٹر عبداللطیف ایک ٹیلی وژن پروگرام میں امریکہ کے موٹاپے کے خلاف اعلان کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ نئے لگائے گئے اعداد وشمار کے مطابق ۹۰ ملین لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ سالانہ ۳ لاکھ افراد دل کی بیماری سے مرتے کہ جو موٹاپے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح موٹاپا بڑی آنت کے کینسر کا سبب بنتا ہے۔ یہ بیماری مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ شوگر کی بیماری بھی اسی کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔

اس بیماری سے بچنے کے لیے وہ یہ نصیحت کر رہے تھے کہ غذا کے معیار کو اچھا بنایا جائے، زیادہ سے زیادہ پھلوں اور سبزیوں کا استعمال کیا جائے اور کولیسٹرول بڑھانے والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

یہاں میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ جو بات آج ہمیں ڈاکٹرز بتا رہے ہیں اسے قرآن نے چودہ سو سال پہلے آدھی سطر میں اس طرح بیان کیا تھا:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا

''کھاؤ، پیو، اور اسراف سے بچو''

اس کے علاوہ روزانہ سترہ رکعتیں ادا کرنا فرض کیں، تا کہ اعصاب مسلسل ساکن رہنے کی وجہ سے بے کار نہ ہو جائیں اور سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کیے تا کہ معدہ کا نظام درست رہے اور دوران سال اگر اس میں خلل واقع ہو تو اس کا علاج ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا ہے کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز ہر بیماری کی دوا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کھانا تمہاری لیے ضروری ہو تو معدے کا ایک تہائی حصہ کھانے، ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے چھوڑ دو۔ پس اگر ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

حق کے سامنے کی دجال کی حیثیت

دجال مغربی تہذیب کی علامت ہے۔ لیکن حق و عدالت کے مقابلے میں اس کی ذرا وقعت نہیں۔ لہذا اس کی شیطنت و تسلط کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جائے گا حق کے سامنے اس کی کمزوری بڑھتی جائے گی۔ اور اس کا وجود قہری یا کسی تکوینی اثر کے سبب نہیں، بلکہ اسے خدا نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے خلق کیا ہے تا کہ سب پر واضح ہو جائے کہ مخلص ایمان والے کون ہیں اور مشکل وقت میں کمزوری دکھانے والے کون ہیں۔ پس جب امامؑ کا ظہور ہو گا تو اس کا وقت پوار ہو جائے گا۔ اور ظہور سے پہلے اسے جو قدرت و تسلط حاصل ہو گا وہ اس کی حقارت کو کم نہ کر سکے گا، بلکہ وہ خدا کی طرف دی گئی ڈھیل ہو گی جو مجرموں کو اس لیے دی جاتی ہے تا کہ ان پر ہر حوالے سے حجت تمام ہو جائے اور وہ گناہ کر کے اپنے اعمال نامے کو مکمل طور پر سیاہ کر لیں۔ جیسا کہ درج ذیل آیات قرآنیہ میں مجرموں کو دی جانے والی ڈھیل کی علت اس طرح بیان کی گئی ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا اور زمین سے وہ نباتات پیدا ہوئیں جن کو انسان اور مویشی سب کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین اپنی زیب و زینت کو لے چکی اور فصل کے سبزہ زار سے آراستہ ہو گئی۔ اور اس کے مالک سمجھے کہ انہیں اس (فصل) پر قابو حاصل ہے (جب چاہیں گے کاٹیں گے) تو ایک دم رات یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ تو ہم نے اسے اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ ہم غور و فکر کرنے والوں کیلئے اسی طرح کھول کھول کر اپنی آیتیں پیش کرتے ہیں۔'' (سورہ یونس)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

''اور ہم نے کبھی کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے باشندوں کو (ان کی تکذیب پر پہلے) سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ تضرع وزاری کریں۔

پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب بڑھے (اور پھلے پھولے) اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کو بھی کبھی تکلیف اور کبھی راحت یونہی پہنچتی رہی ہے۔ تو ایک دم ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا کہ انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو سکا۔'' (سورۃ الاعراف)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۷۸

''اور کافر یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں (ان کی رسی دراز رکھتے ہیں) یہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے یہ ڈھیل تو ہم صرف اس لئے انہیں دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کر لیں۔ (آخرکار) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔'' (سورۃ آل عمران)

علامات کی اہمیت

اب ہم دوبارہ اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ علامات اتنی زیادہ اہم نہیں کہ جتنی شرائط اہم ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ علامات بالکل ہی غیر اہم اور ان طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ شرائط ظہور کو پورا کرنے کی فکر کے ساتھ ساتھ علاماتِ ظہور کو بھی اپنے پیشِ نظر رکھیں۔ کیونکہ آئمہ طاہرینؑ کی بہت سی احادیث میں ان علامات کا لحاظ رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ بنابریں ان کی اہمیت حسبِ ذیل نکات میں بیان کی جارہی ہے: ۱۔ یہ علامات انسان کو کمزوری و بے بسی میں سہارا دیتی ہیں۔ اور دنیا کی مظلوم قوموں اور ہر اس شخص کو امیدوں کو زندہ کرتی ہے کہ جو زمین پر عدل وانصاف کی حکومت کا خواہاں ہوتا ہے۔

۲۔ یہ علامات آئمہ معصومینؑ کے معجزاتی پہلو کو بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ جب یہ معصومینؑ کی زبانوں سے صادر ہوئیں تو ایک طرح کی غیبی اخبار تھیں۔ پس جب یہ ظاہر ہوں گی تو ثابت ہو جائے گا کہ ان ذوات مقدسہؑ کا علم خدا کی جانب سے ہوتا ہے۔

۳۔ یہ امام زمانہؑ کے ماننے والوں اور آپؑ کی نصرت کرنے والوں کا حوصلہ بندھاتی ہیں۔ تا کہ وہ اور زیادہ محنت ولگن کے ساتھ امامؑ کے ظہور کی راہ ہموار کریں، خواہ ان کا مقصد اپنی ذاتی اصلاح ہو، یا معاشرے کی بہتری کی کوشش کرنا اور اسے ظہور امامؑ کے لیے تیار کرنا۔ اور انتظارِ امامؑ کا حقیقی معنی بھی یہی ہے۔

۴۔ بعض علامات ایسی ہیں کہ ان میں شرائط بھی شامل ہیں۔ جیسے دجال کا فتنہ۔ اب یہ ایک لحاظ علامت بھی

ہے اور ایک لحاظ سے مخلص مومن کو غیر مخلص سے ممتاز کرنے اہم ترین مرحلہ بھی ہے۔ اب یہاں شرط یہ ہے کہ مومن اپنے عقیدے پر قائم رہے اور اعمال صالحہ کا دامن ہاتھ نہ جانے دے۔ اسی طرح اچھے اور برے میں تمیز کے اور بہت سے مراحل ہیں۔ جیسے صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں:

ان هذا الامر لا یاتیکم الا بعد یاس، ولا والله حتی تمیزوا ولا والله لا یاتیکم حتی تمحصوا، لا والله لا یاتیکم حتی یشقی من یشقی، و یسعد من یسعد

''یہ امر اس وقت تمہارے پاس آئے گا کہ جب تم اس کے حوالے بالکل نا امید ہو جاؤ گے، خدا کی قسم! اس وقت تمہارے پاس نہیں آئے گا کہ جب تک تمہیں الگ نہیں کر لیا جاتا، خدا کی قسم! اس وقت نہیں کہ جب تک تمہاری پوری طرح آزمائش نہ ہو، خدا کی قسم! اس وقت نہیں کہ جب تک شقی، شقاوت نہ پالے اور سعید، سعادت نہ پالے۔'' (المصدر: ۲۶۰)

بہت ساری علاماتِ ظہور کا تعلق کا اس ظلم وانحراف کے ساتھ ہے کہ جو تمام نوعِ بشر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ جب لوگ ظلم ومعصیت کے عادی ہو جائیں گے تو انہیں اس کے نتیجے میں زلزلوں، سیلاب اور دوسری قدرتی آفات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

''لوگوں کے ہاتھوں کی کارستانیوں کی وجہ سے خشکی وتری (ساری دنیا) میں فساد پھیل گیا ہے تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض (برے) اعمال کا مزہ چکھائے تا کہ وہ لوگ باز آجائیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ نظامِ کائنات ان الٰہی قوانین کے مطابق چلتا ہے جو اس کی توحید کی اساس پر قائم ہیں اور خیر وشر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ جیسا کہ ہم سابقاً قرآن کریم کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر اہلِ قریہ ایمان لاتے اور تقویٰ الٰہی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کی دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تو ہم نے ان کے برے اعمال کے سبب اپنی گرفت میں لے لیا۔

بعض اوقات بندہ صرف اتنے بیان سے مطمئن نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے میں آپ کے سامنے واقعہ نقل کرتا ہوں کہ جو حال ہی میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۰۰۲ عیسوی میں برسات کے مہینے میں یورپ کی بعض ریاستوں جیسے جرمنی، آسٹریا اور یوگوسلافیا میں ایک سیلابی ریلا داخل ہوا اور کئی دن تک وہاں مسلسل تباہیاں پھیلاتا رہا۔ ہر روز پہلے سے زیادہ تباہی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ صرف مشرقی جرمنی میں ۱۵ ہزار اموات واقع ہوئیں اور ۳۰ ہزار لوگ اپنے گھروں سے محروم ہو گئے۔ اس کے ثقافتی اور تاریخی دار الخلافہ درسدن میں سمندر کے پانی کی

سطح ۵ سے ۹ میٹر بلند ہوگئی۔ جبکہ اس میں پانی سطح کی اوسط بلندی ۵ سے ۶ میٹر تک ہونی چاہیے، یورپ کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں ایسی تباہی پہلے کبھی نہیں ہوئی۔

نظام کائنات میں یہ جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کی وجہ لوگوں کے بداعمالیاں ہیں۔ اور ان کی بنائی ہوئی ٹیکنالوجی بھی اس قسم کی آفات کو روکنے سے عاجز ہے۔ جیسا کہ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔

بہرحال یہ حوادث علل ومعلولات کا تسلسل ہیں۔ شروع میں انسان اللہ کے احکام کی نافرمانی کر کے اس دین سے غافل ہوجاتا ہے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کو بھول جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں برے لوگ حاکم بن جاتے ہیں جنہیں اپنی انانیت ومفاد کے سوا کچھ دکھائی سجھائی نہیں دیتا۔ اور جب ایسے لوگ حاکم بن جاتے ہیں تو دین خدا پامال ہوتا ہے اور اس کی وجہ خدا لوگوں کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس انسان عدل کی راہ پر چلے تو کائنات کہیں بھی کوئی بدنظمی پیدا نہ ہوگی اور پوری دنیا کا ماحول جنت نظیر ہوجائے گا۔

دو وجوہات کی بنا پر انہیں شرائط کے بجائے علامات میں شمار کیا جاتا ہے:

۱۔ کیونکہ روایات میں صرف یہی بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ علامتیں ظاہر ہوں گی تو امامؑ کا ظہور ہوگا۔

۲۔ یہ ظہور کی علت نہیں، بلکہ یہ ظہور کی بعض علتوں کا نتیجہ ہیں۔

بعید نہیں کہ یہ فتنہ کہ جو اتنے طویل عرصے سے مسلم دنیا اور ہمارے معاشروں میں پھیلا ہوا ہے، یہ وہی فتنہ ہو کہ جس کا ذکر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے شیخ مفید رضوان اللہ علیہ کے نام اپنے خط میں کیا تھا۔ اور اس میں شیعوں کی بعض ذمہ داریوں کا بھی اجمالی طور بیان فرمایا تھا۔ جیسا کہ اس کی لفظیں یہ ہیں:

فاتقوا الله جل جلاله وظاهرونا على انتياشكم من فتنة قد انافت عليكم يهلك فيها من حم اجله و يحمى عنها من ادرك امله وهى امارة لازوف حركتنا و مبأثتكم بامرنا ونهينا والله متم نوره ولو كره المشركون، اعتصموا بالتقية من شب نار الجاهلية ..... فليعمل كل امرئ منكم بما يقرب به من محبتنا و يتجنب ما يدنيه من كراهتنا و سخطنا فان امرنا بغتة فجأة حين لا تنفعه توبة و لا ينجيه من عقابنا ندم على حوبة، والله يلهمكم الرشد و يلطف لكم فى التوفيق برحمته

''خدا سے ڈرو اور خود کو اس فتنے سے بچا کر ہماری مدد کرو جو تمہیں پیش آنے والا ہے۔ جس کا وقت پورا ہوگا وہ اس فتنے میں ہلاک ہوجائے گا۔ اور جس نے اپنی امید کو پالیا وہ اس فتنے کے شر سے بچ جائے گا۔ اور یہ فتنہ ہماری اس جگہ سے کسی اور مقام کی طرف منتقلی اور تمہارے ایک دوسرے کو ہمارے اوامر ونواہی بیان کرنے کی نشانی ہوگا۔ اور خدا اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے، خواہ مشرکوں کو یہ امر ناگوار ہی گزرے۔ جب جاہلیت کی آگ بھڑک اٹھے تو تقیہ کو

اپنا سہارا بناؤ۔۔۔پس تم میں سے ہر ایک کو وہ کام کرنا چاہیے جو اسے ہماری محبت کے قریب کرے اور ہر اس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے جو اسے ہمارے غضب و ناراضگی کے قریب کرے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا ظہور اچانک اور یکبارگی میں ہوگا۔ اس وقت انسان کو توبہ کچھ کام آئے گی نہ گناہ پر شرمندگی اسے ہمارے غیض وغضب سے بچا سکے گی۔ خدا تمہیں رشد و ہدایت عطا کرے اور اپنی رحمت کے صدقے اعمال صالحہ کی توفیق سے نوازے۔''

شیعوں کے لیے امامؑ کی وصیت

اگر ہم امامؑ کی اس توقیع میں غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے شیعوں پر کون کون سی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ لہذا اس خط میں درج ہدایات کو درج ذیل اہم نکات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ ہمیشہ امام علیہ السلام کو یاد رکھنا، آپؑ کی حفاظت و نصرت کی دعا کرنا، اپنی حاجات میں آپؑ کو وسیلہ بنانا اور آپؑ کے ظہور کا انتظار کرنا۔

۲۔ ایک مسلمان سے امامؑ یہ چاہتے ہیں کہ وہ عقائد صحیحہ کا حامل اور شریعت کے احکام اور اچھے عادات و خصائل کا پابند ہو۔ تاکہ امامؑ اس پر فخر کر سکیں۔ جیسا کہ امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

کونوا لنا زینا ولا تکونوا علینا شینا

''ہمارے لیے زینت کا باعث بنو شرمندگی کا باعث نہ بنو۔'' جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے پہلے شکوہ میں بیان کر دی ہے۔

۳۔ حوزہ علمیہ (دینی مراکز) سے مربوط رہنا کہ جہاں مخلص علماء موجود ہوتے ہیں۔ جو اچھائی کی طرف راغب کرتے ہیں اور باطل و بے سود کاموں سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ انبیاء کے وارث اور رسالوں کے امین ہوتے ہیں۔ خدا کی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں اور آئمہ طاہرینؑ کے مشن کو آگے لے کر چلتے ہیں۔ ان کے بارے میں امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

المتقدم لهم مارق، والمتاخر عنهم زاهق، واللازم لهم لاحق

''ان سے آگے بڑھنے والا دین سے خارج ہونے والا ہے، ان سے پیچھے رہ جانے والا ہلاکت میں پڑنے والا ہے اور ان کے ساتھ مربوط رہنے والا دین کے ساتھ ملحق ہونے والا ہے۔''

لہذا تم علماء کے فرماں بردار بن کر رہو، ان سے منہ مت موڑو اور احکام کو پس پشت نہ ڈالو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، اور اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلو، ورنہ تم ان کے عیوب و نقائص ہی ڈھونڈتے رہو گے۔ جبکہ وہ دین کی

حفاظت، لوگوں کی ہدایت اور ان کی اصلاح کی راہ پر گامزن رہیں گے۔

۴۔ تمام تر عقائد و نظریات، تہذیب و ثقافت اور طرزِ معاشرت میں مغرب کی تقلید چھوڑ اکر اپنے حقیقی تشخص کو برقرار رکھنا۔ اور اس کی جانب جو نئی چیز سامنے آئے اسے بصیرت کی نگاہوں سے دیکھنا، اس کی خرابیوں، اور اجتماعی و اخلاقی برائیوں سے ہر وقت چوکنا رہنا۔

۵۔ تمام اسلامی مسالک کے مابین اتحاد و وحدت کی فضا پیدا کرنا اور ہر اس امر سے اجتناب کرنا کہ جو تفرقہ بازی و تقسیم ہونے کا موجب ہو۔ جیسا کہ ارشادی باری ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

''بھلا تم کیوں کر کفر اختیار کر سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے سامنے برابر خدا کی آیتیں پڑھی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو گیا وہ ضرور سیدھے راستے پر لگا دیا گیا۔

اے ایمان والو! خدا سے اس طرح ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (فضل و کرم) سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے بھرے ہوئے گڑھے (دوزخ) کے کنارے پر کھڑے تھے جو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔'' (آل عمران)

۶۔ دین اور خدا کی حرمت والی چیزوں کے بارے میں غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا۔ یہ بات سن کر مجھے بے حد دکھ ہوا کہ پچھلے ماہِ رمضان میں یونیورسٹیوں میں سر عام روزہ توڑا جاتا مگر وہاں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جو دینی غیرت مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں منع کرتا۔ میں کہتا ہوں اگر سب لوگ مل کر اس شرعی ذمہ داری کو ادا کرتے یعنی اچھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تو کسی کے اندر اتنی جرات پیدا نہ ہوتی کہ وہ دن کے اجالے میں یوں حرمتِ رمضان کو پامال کرے۔

حوزہ علمیہ کی ذمہ داری

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ معاشرے کے افراد سے متعلق تھا۔ یہاں کچھ ذمہ داریاں ان علماء کی بھی ہیں کہ جو حوزات علمیہ میں موجود ہیں اور ہر وقت دین کی درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ تو اس سلسلے میں ایک دینی حوزہ کی ذمہ داریاں حسبِ ذیل ہیں:

الف: حوزہ دینیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بتائے کہ اسلام کس عظمت و شان کا مالک ہے، اس کے عقائد کیا ہیں اور کیسے احکام و آداب کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ نیز علماءِ حوزہ کو چاہیے کہ اسلام کے بارے میں پھیلائے جانے والے شبہات کا ازالہ کریں اور اس حدیث مبارکہ کے مصداق بننے کی کوشش کریں جس کا مضمون یہ ہے: ''ہر نسل میں اس دین کے وارث کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اہل باطل کے دین کے خلاف پھیلائے جانے والے شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔''

ب: دینی اداروں سے وابستہ لوگوں کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ معاشرے کی اچھی تربیت کا اہتمام کریں، انہیں علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کریں اور انہیں دعا و دروس اخلاق کے عنوان سے ایسے مواقع فراہم کریں جن میں وہ خدا سے قریب ہوں۔

ج: ایسے لوگوں کی تیسری اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ خود کو تعلیمات دین کا عملی طور پر پابند بنائیں تاکہ ان کا قول و فعل ایک جیسا ہو اور وہ دوسروں کے لیے نمونۂ عمل بنیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سارے نکات ہیں جن میں سے بعض کو سابقاً بیان کیا جا چکا ہے۔ اور بعض کو بعد میں اگر موقع ملا تو بیان کریں گے۔ آخر میں خدا سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اپنے رضا کو حاصل کرنے کی توفیق دے اور امام زمانہؑ کی برکت سے ثابت قدمی عطا کرے۔

چوتھا باب:

حقوق شرعیہ کو ادا نہ کرنا

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے منسوب اس کتاب کی ترتیب کے حساب سے یہ چوتھا درس ہے۔

امامؑ نے شیخ مفیدؒ کو بھیجے گئے دوسرے خط میں ارشاد فرمایا۔ وہ آپؑ نے ماہ شوال ۴۱۲ ہجری میں لکھا تھا۔ اس خط کو ایک ہزار سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ امامؑ اُس فرماتے ہیں:

ونحن نعهد(اليك ايها الولى المخلص المجاهد فينا الظالمين ، ايدك الله بنصره الذى ايد به السلف من اوليائك الصالحين) انه من اتقى ربه من اخوانك فى الدين و اخرج مما عليه الى مستحقيه كان آمنا من الفتنة المبطلة و محنها المظلمة المضلة ،ومن بخل منهم بما اعاده الله من نعمته على من امره بصلته فانه يكون خاسرا بذلك لاوله و آخرته و لو ان اشياعنا (وفقهم الله لطاعته) على اجتماع من القلوب فى الوفاء بالعهد عليهم لما تاخر عنهم اليمن بلقائنا و لتعجلت لهم السعادة بمشاهدتنا على حق المعرفة وصدقها منهم بنا ، فما يحبسنا عنهم الا ما يتصل بنا ما نكرهه و لا نوثر منهم والله المستعان وهو حسبنا ونعم الوكيل۔

''اے ہمارے مخلص ماننے والے، اور ہماری خاطر ظالموں سے (علمی) جہاد کرنے والے! (خدا اپنی اس نصرت کے ذریعے تمہاری تائید کرے جس سے تمہارے ان نیک ساتھیوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔)

ہم تجھے بتاتے ہیں کہ جو تمہارے دینی بھائیوں میں سے جو بھی خدا سے ڈرے اور اپنے اوپر عائد مالی حق مستحق افراد تک پہنچائے تو وہ اس باطل فتنے اور اس کی تاریک و گمراہ کر دینے والی آزمائشوں سے امان میں رہے گا اور ان میں سے جو خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو ایسے لوگوں پر صرف کرنے کے بارے میں بخل کرے گا کہ جن کے ساتھ اس نے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے تو دنیا و آخرت دونوں میں نقصان اٹھائے گا۔

(خدا ہمارے شیعوں کو اپنی اطاعت کی توفیق دے۔) اور وہ اپنے دلوں کی پوری طاقت کے ساتھ اس وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کرتے جو ان سے لیا گیا تھا تو وہ ہماری ملاقات کی برکت سے محروم نہ رہتے ، اور انہیں اتنا ہی جلد ہماری زیارت کی سعادت نصیب ہوتی کہ جتنا وہ ہماری معرفت رکھتے اور جتنا اس کے معیار پر پورا اترتے ۔ لہذا جو چیز ہمیں ان سے دور رکھے ہوئے ہے وہ ان کے برے اعمال ہیں جو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور ہم ان بدعملیوں کی ان کی طرف نسبت کو پسند نہیں کرتے۔ اور خدا ہی سے مدد کی درخواست کی جاسکتی ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اچھا مددکرنے والا ہے۔''

امام زمانہؑ کی ملاقات سے محرومی کی وجوہات

توقیع مبارکہ کے اس حصے میں امامؑ نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ اور بالخصوص شیعہ آپؑ کی ملاقات کے فیض سے محروم ہیں۔ یہاں امامؑ اپنے شیعوں کی حالت پر افسوس کر رہے ہیں کہ انہیں تو آپؑ کی ملاقات کی سعادت نصیب ہو جانی چاہیے تھی، کیونکہ وہ ان ذوات مقدسہؑ کی امامت و ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن اُن کے اور امامؑ کے درمیان ملاقات میں کچھ چیزیں حائل ہیں۔ جبکہ غیر شیعہ تو اصلاً اس شرف کے مستحق ہی نہیں۔ اور جو چیزیں حائل ہیں ان میں سب سے اہم مستحق لوگوں کو ان کے مالی حقوق ادا نہ کرنا ہے جنہیں خدا نے واجب کیا ہے۔

یہاں ہم ضمناً یہ بتانا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اگر یہ الٰہی فریضہ ادا نہ کیا جائے تو اس کے اور بھی برے نتائج سامنے آتے ہیں۔ جیسے امامؑ کے ظہور میں تاخیر کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے، اور دوسرا یہ کہ جو شخص اپنے مال سے واجب خمس و زکوۃ ادا کر دے وہ گمراہ کن فتنوں سے خدا کی امان میں رہتا ہے۔ کیونکہ امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے بہت فتنے سر اٹھائیں گے جو لوگوں کو راہ راست سے ہٹانے والے ہوں گے۔ اور لوگ حق و باطل کے درمیان فرق نہ کر سکیں گے۔ ایسے فتنوں سے بچنے کے لیے ایک صحابیؓ نے امام معصومؑ سے استفسار کیا تو امامؑ نے فرمایا:

واللہ ان امرنا لابین من الشمس

''خدا کی قسم! ہمارا امر سورج سے بھی زیادہ واضح ہے۔''

جو شخص اپنے شرعی واجبات ادا کرے اس کے لیے یہ امر اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

خدا کے دیے ہوئے رزق میں کنجوسی کیسے؟

اس توقیع میں یہ بات بھی ذکر ہوئی ہے کہ لوگوں کے پاس جو بھی مال موجود ہے وہ سب اللہ کا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اس سے محروم کر دیتا۔ لیکن بندوں پر افسوس ہے کہ وہ کیوں اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بابت کنجوسی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس نے اس کی بہت تھوڑی سی مقدار محتاج لوگوں کو دینے کا حکم دیا ہے کہ جنہیں وہ فقر و ناداری کے ذریعہ آزما رہا ہے۔ جیسا کہ مالداروں کی آزمائش انہیں مال و دولت دے کر کی۔

خمس کی اہمیت

یہاں جو شرعی حقوق کی بحث چل رہی ہے اس کے ذیل میں بہت سے مالی واجبات جیسے زکوۃ، خمس، کفارات، نذر اور ردمظالم وغیرہ اس کے ذیل میں آتے ہیں۔ جہاں مستحب صدقات کی بات ہے تو ان کا دائرہ کار کافی وسیع ہے۔ لیکن دو وجوہات کی بنا پر ہم اپنی توجہ صرف خمس پر مرکوز رکھیں گے:

اولاً: یہ اہم مالی واجبات میں سے ہے۔ اب جبکہ زکوۃ کا دائرہ کار کافی محدود ہو گیا ہے تو معاشرے میں اقتصادی توازن برقرار رکھنے کے لیے اس کا کردار بہت اہم ہے۔ اس کا بیان کچھ یوں ہے کہ ابتداءِ اسلام میں زراعت اور مال مویشی لوگوں کے اہم درآمدات میں سے تھے اس لیے وہ ان پر زکوۃ دیتے تھے۔ لیکن آج جب کہ انسان کی اقتصادی زندگی کافی مختلف ہو چکی ہے اور ان کا اقتصادی نظام زیادہ تر تجارت وصنعت پر چل رہا ہے۔ اور ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ تو ان سے راہ خدا میں انفاق کی جو خدمت لی جاتی ہے وہ خمس ہے۔ اور یہ بھی اسی طرح ایک شرعی فریضہ ہے جس طرح زکوۃ ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دین ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہے اور شروع سے آخر تک انسانی زندگی کو منظم رکھنے کی صلاحیت کا حامل ہے۔

ثانیاً: آج کل خمس کے واجب ہونے کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات عوام کے ذہنوں میں ڈالے جا رہے ہیں اور انہیں اس فریضے کی ادائیگی سے روکا جا رہا ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ ان شآء اللہ

مانعِ خمس اور وعیدِ جہنم

خمس بھی نماز وروزے اور حج وزکوۃ کی طرح ایک واجب فریضہ ہے۔ فقہاء کرام نے اس کے موارد کو قرآن وسنت سے ثابت کیا ہے۔ لہذا جو اس کے بارے ذرا بھی کوتاہی کرے وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور اس جہنم کا سزاوار قرار پاتا ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر نگرانی کے لیے بڑے سخت مزاج اور تند خو فرشتے مقرر ہیں۔ وہ حکم الٰہی سے سرتابی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

بعض روایات میں بلا عذر حقوقِ شرعیہ ادا نہ کرنے کو گناہِ کبیرہ شمار کیا گیا ہے۔ اور امام علی رضا علیہ السلام نے اسے زنا، شراب خوری، لواط، جہاد سے فرار اور یتیم کا مال اور سود کھانے سے ملایا ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایسا ہی نقل ہوا ہے۔

خمس کے واجب ہونے کی دلیل

قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ خمس کے واجب ہونے پر بطورِ نص موجود ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

''اور جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (اور رسول کے) قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔'' (سورۃ الانفال: ۴۱)

راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ غنیمت سے مراد صرف جنگ سے حاصل ہونے والا مال ہی نہیں، بلکہ اس میں ہر نفع شامل ہے جو انسان کو کہیں نہ کہیں سے حاصل ہوتا ہے۔ جناب سماعہ بن مہران ؓ کی وہ موثقہ روایت بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے جو انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے خمس کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

فی کل ما افاد الناس من قلیل او کثیر

''خمس ہر اس چیز میں ہے جو انسان کو حاصل ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ''

اس باب میں اور بھی روایات موجود ہیں۔ فریقین کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کریمہ پر عمل کرتے اور بنی ہاشم کو خمس دیتے تھے۔ تاحیات آپؐ کی یہی سنت تھی۔ لیکن آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آل رسولؐ میں سے نادار افراد کو خمس دینا بند کر دیا گیا اور اس سلسلے میں انہیں بھی اُمت کے دیگر افراد کی مانند قرار دیا۔ (تفسیر الکشاف)

آئمہ طاہرینؑ نے ان لوگوں پر بڑے دکھ کا اظہار کیا ہے جو اس فریضہ الٰہیہ کی بابت کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابوجعفر احوال سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ خمس میں قریش کا حصہ ہونے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: وہ تو اسے اپنا حق سمجھتے ہیں۔

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ خدا کی قسم! اگر مباہلہ ہوتا تو مباہلے میں ہم شریک ہوتے اور اگر جنگ ہوتی تو بھی ہم ہی جنگ کرتے۔ پھر وہ لوگ اور میرے بابا علیؑ ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟!

بعض حالات میں آئمہ طاہرینؑ کا شیعوں سے اپنا حق ساقط کر دینا

اسلامی تاریخ میں بعض ادوار ایسے بھی آئے ہیں کہ جب آئمہ طاہرینؑ نے اپنے ماننے والوں کو اپنا حق یعنی خمس ادا کرنا معاف کر دیا تھا۔ جیسا کہ یونس بن یعقوب سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ وہاں ایک شخص آیا اور عرض کی: قربان جاؤں! ہمارے ہاتھوں میں کچھ اموال اور منافع آتے ہیں اور ہم تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان سب چیزوں کا حق موجود ہے، لیکن ہم اسے آپؑ کی خدمت نہیں پہنچا سکتے؟

اس کے جواب میں امامؑ نے فرمایا:

ما انصفنا کم ان کلفنا کم ذلك الیوم

''اگر ہم آج (کے اس سخت دور میں) بھی تمہیں اس کی پابندی کا حکم دیں تو یہ تمہارے حق میں انصاف نہ ہوگا۔''

اس روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سائل یہ جانتا تھا کہ اس کے اموال میں امامؑ کا حق موجود ہے۔ البتہ خود امامؑ نے اس پر واضح کیا کہ اس زمانے میں یہ حق ساقط ہے۔ چونکہ امامؑ جانتے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کا زمانہ آئے تو انہیں خمس کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا موقع مل جائے گا۔ جیسا کہ آپؑ نے اپنے بعض اصحاب کے نام تحریر کیا:

اس سال جو کہ ۲۲۰ ہجری کا سال ہے۔ میں ایک معنی کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ میں اس کی مکمل تفسیر بیان نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ زیادہ پھیل نہ جائے۔ (یعنی اس کے بارے میں دشمنوں کو خبر نہ ہو جائے۔) لہذا میں اس کے کچھ حصے کی وضاحت کروں گا۔ ان شاء اللہ

خدا میرے ماننے والوں کا بھلا کرے! وہ سب یا ان میں سے بعض اس فریضے میں کوتاہی کرتے ہیں جو ان پر واجب ہے۔ جب یہ خبر مجھے ملی تو میں نے چاہا کہ اس سال انہوں نے خمس کے بارے میں جو کوتاہی کی، میں انہیں اس سے پاک کروں۔ تو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''اے رسولؐ! ان لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیں اور اس کے ذریعہ سے انہیں پاک و پاکیزہ کریں۔

اور (برکت دے کر) انہیں بڑھائیں نیز ان کے لیے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور خدا بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے یقیناً اللہ ہی توبہ کا بڑا قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (اے رسولؐ!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم عمل کیے جاؤ اللہ، اس کا رسول اور مؤمنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے (کہ تم کیسے عمل کرتے ہو) اور پھر غائب اور حاضر کے جاننے والے (خدا) کی طرف لوٹائے جاؤ گے بس وہ تمہیں بتلائے گا تم کیا عمل کرتے ہو۔" (سورہ توبہ، ۱۰۳۔۱۰۵)

۔۔۔۔۔۔ پھر امامؑ نے فرمایا: غنیمت کے اموال[1] اور (کاروبار کے) منافع پر ہر سال خمس واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ

"اور جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (اور رسول کے) قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔" (سورۃ الانفال: ۴۱)

اس خط کے آخر میں امامؑ نے اپنے شیعوں کو حکم دیا کہ وہ ان شرعی حقوق کو آپؑ کے نائبین کی خدمت میں پہنچائیں۔ اور شرعی حقوق نکالنے سے قبل آپؑ نے شیعوں کے لیے ان اموال میں تصرف کرنا حرام قرار دیا۔

چنانچہ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ ہمارا حق ادا کرنے سے قبل خمس سے کوئی چیز خریدے۔" (وسائل الشیعہ) فارس کے شیعہ تاجروں میں سے ایک تاجر نے امام علی رضا علیہ السلام کو خط لکھا جس میں خمس میں تصرف کرنے کی بابت آپؑ سے اجازت لی تو آپؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

الخمس عوننا علی دیننا وعلی عیالنا وعلی موالینا فلاتزووہ عنا و لاتحرموا انفسکم دعانا ماقدرتم علیہ ،فان اخراجہ مفتاح رزقکم و تمحیص ذنوبکم و ما تمھدون لانفسکم لیوم فاقتکم ،والمسلم من یفی اللہ بما عھد الیہ

خمس ہمارے دین، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے ماننے والوں کے حق میں ہماری مدد کا ذریعہ ہے۔ لہذا جس قدر ممکن ہو سکے اسے اپنے اموال سے نکالو اور اسے روک کر خود کو ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو۔ کچھ شک نہیں خمس نکالنا تمہارے لیے رزق کی کنجی، تمہارے گناہوں کے مٹانے کا سبب اور فقر و احتیاج والے دن کے لیے

---

[1] یہاں اموال غنیمت سے مراد صرف وہی اموال نہیں کہ جو کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ سے حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو انسان کی سالانہ ضروریات سے اضافی ہوں۔" از مترجم"

تمہارا محفوظ کیا ہوا توشہ ہے۔ اور مسلمان وہ ہوتا ہے کہ جو خدا کے لیے ہوئے وعدے کو پوار کرے۔'' (وسائل الشیعہ)

اسی طرح کچھ اور لوگوں نے اپنے لیے آپؑ سے خمس حلال کرانے کی اجازت لی تو فرمایا:

ما احل هذا! تمحضونا المودة بالسنتكم و تزوون عنا حقا جعله الله لنا وجعلنا له وهو الخمس، لانجعل، لانجعل، لانجعل لاحد منكم فی حل

''یہ کس بڑی غلط بیانی ہے! زبان سے تو تم لوگ ہماری محبت کے دعوے کرتے ہو، لیکن ہمیں ہمارا حق دینے سے جی چراتے ہو! خدا نے وہ حق ہمارے لیے بنایا اور ہمیں اس کے لیے ہی بنایا ہے۔ اس حق سے میری مراد خمس ہے۔ نہیں، نہیں، ہم اسے تم میں سے کسی کے لیے بھی حلال نہیں کریں گے۔''

اس کے علاوہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے نائب خاص جناب محمد بن عثمان عمریؓ کو ایک خط میں تحریر فرمایا:

لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين على من استحل من مالنا درهما

''ایسے شخص پر خدا، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت برسے جو ہمارے مال میں سے ایک درہم بھی اپنے لیے حلال سمجھے۔'' (وسائل الشیعہ: ابواب الخمس)

خمس اور زکوۃ نہ دینے والے برابر ہیں

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ جہاں جہاں زکوۃ نہ دینے والوں کی سرزنش کی گئی اور عذاب کی دھمکی دی گئی وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے کہ جو خمس دینے میں غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں:

۱) یہ دونوں مالی فریضے ہیں اور ان کی علت بھی ایک ہے۔ بلکہ خمس کا معاملہ زکوۃ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق آئمہ اہل بیتؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ ہے۔ جبکہ زکوۃ ان پر حرام ہے۔ جیسا کہ سرکار صادق علیہ السلام کی حدیث ہے:

ان الله لا اله الا هو لما حرم علينا الصدقة ابدل لنا الخمس فالصدقة علينا حرام والخمس لنا فريضة

''بے شک اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، جب اس نے ہم پر صدقہ حرام کیا تو اس کے بدلے میں ہمارے لیے خمس قرار دیا۔ لہذا ہم پر صدقہ حرام ہے اور ہمیں خمس دینا فرض ہے۔''

اور یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کے شروع میں زکوۃ پر زیادہ زور اس لیے دیا گیا، کیونکہ اس وقت کا اقتصادی نظام زیادہ تر اسی پر موقوف تھا۔

۲) بہت سارے مقامات پر لفظ ''زکوۃ'' سے اس کا عمومی معنی یعنی فی سبیل اللہ خرچ کرنا مراد لیا گیا ہے۔ لہذا بعض مقامات پر یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے اور بعض مقامات پر اس کے ساتھ دیگر صدقات جیسے مستحبی زکوۃ اور خمس وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جس طرح سورہ مبارکہ توبہ میں واجب زکوۃ کو ''صدقہ'' کے لفظ بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

بنابریں جو وعید و سزا زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں بیان ہوئی ہے وہی سزا ان لوگوں کے لیے بھی ہے کہ جو خمس ادا نہیں کرتے۔ مثلاً امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

ما من عبد منع من زكاة ماله شيئا الا جعل الله ذلك يوم القيامة ثعبانا من نار مطوقا في عنقه ينهش من لحمه حتى يفرغ من الحساب ۔وهو قول الله عز و جل: سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة (آل عمران:۱۸۰) يعني ما بخلوا به من الزكاة

''جو بھی شخص اپنے مال کی زکوۃ میں سے کچھ اپنے پاس روک لے تو قیامت کے دن اللہ تعالی اس مال کو آگ کے اژدھا میں بدل کر اس کے گلے کا طوق بنا دے گا اور وہ اسے اس وقت تک کاٹتا رہے گا کہ جب تک وہ حساب و کتاب سے فارغ نہ ہو جائے۔ اور یہی اس فرمان الہی: سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة، کی تفسیر ہے۔ یعنی انہوں نے جس مال زکوۃ کی ادائیگی میں بخل سے کام لیا۔ (اسے ان کے گلے کا طوق بنایا جائے گا۔) (وسائل الشیعہ کتاب الزکاۃ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو زکوۃ کے معاملے میں یہاں تک سختی کرتے کہ زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو ان کے نام لے کر مسجد سے نکال دیتے۔ جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے:

بينما رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله و سلم في المسجد اذ قال: قم يا فلان، قم يا فلان! حتى اخرج خمسة نفر فقال: اخرجوا من مسجدنا لا تصلوا فيه وانتم لا تزكون

''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے کہا: اے فلاں اٹھو! ، اے فلاں اٹھو! یہاں تک کہ آپؐ نے لوگوں کے نام لے کر اٹھایا اور انہیں مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: ہماری مسجد سے نکل جاؤ، جب تم زکوۃ نہیں دیتے تو یہاں نماز مت پڑھو۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: من منع قيراطا من الزكاة فليمت ان شاء يهوديا او نصرانيا ''جو شخص زکوۃ کی ایک قیراط بھی روک لے تو مرضی ہے یہودی مرے یا نصرانی۔''

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائے کائناتؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے علیؑ! اس اُمت کے دس افراد خدائے عظیم کا انکار کرنے والے ہیں، چنانچہ آپؐ نے ان کے بارے میں بتایا اور زکوۃ نہ دینے والے کو ان

میں شامل کیا، پھر فرمایا: اے علیؑ! خدا آٹھ لوگوں کی نماز قبول نہیں کرتا۔ پھر آپؐ ان آٹھ افراد کے نام لیے اور زکوۃ نہ دینے والے کو بھی ان میں شمار کیا۔ پھر فرمایا: اے علیؑ! جو شخص اپنے مال کی زکوۃ سے ایک قیراط بھی روک لے وہ نہ مومن ہے، نہ مسلمان، اور نہ ہی اس کی کوئی عزت وکرامت ہے۔ اے علیؑ! زکوۃ نہ دینے والا خدا سے دنیا میں واپس آنے کا سوال کرے گا۔ اس کا ذکر اس فرمان الٰہی میں ہوا ہے: **حتی اذا جآء احدھم الموت قال رب ارجعون** ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج۔'' (سورۃ المومنون:۹۹)

خمس نہ دینے کے ظاہری برے اثرات

مشکل اس وقت بڑھ جاتی ہے کہ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خمس کی عدم ادائیگی کے کچھ ظاہری برے اثرات بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً جو لقمہ خمس ادا کیے بغیر کھایا جائے وہ حرام ہوتا ہے اور اس کے برے اثرات اولاد پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جو لباس ایسے پیسوں سے خریدا جائے جن میں سے خمس نہ نکالا گیا ہو اس میں نماز صحیح نہیں ہوتی اور جس طرح غیر مباح پانی سے وضو درست نہیں ہوتا۔ پس جو شخص حقوق شرعیہ ادا نہ کرے اس کے گناہ بڑھتے جاتے ہیں اور اس کی مشکل میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

خمس کی عدم ادائیگی کا مسئلہ، اور اُس کا حل

کسی بھی کام کی انجام دہی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی اہمیت کا علم ہو۔ پس جب انسان کو کسی چیز کی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ اس کے علل واسباب کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، نہ کہ اس کے معلومات، آثار ظاہری اور نتائج کی طرف۔ تو یہ ایک غیر حکیمانہ فعل ہے۔

پس اس مشکل کا حل درج ذیل دو طریقوں سے ممکن ہے:

1۔ اس کا پہلا حل عمومی ہے۔ یعنی ہم لوگوں کو مطلقاً اطاعتِ الٰہی کی دعوت دے کر اور دعوت الٰہیہ کو قبول کرنے کی ترغیب دلا کر اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

''اے ایمان والو اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہو۔ جب کہ وہ (رسول) تمہیں بلائیں۔ اس چیز کی طرف جو تمہیں (روحانی) زندگی بخشنے والی ہے۔'' (الانفال:۲۴)

سورۃ الاحقاف میں ارشادِ خدا ہے:

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾

''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک نہیں کہے گا تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا (اس کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتا) اور نہ اللہ کے سوا اس کے لئے کوئی مددگار و سازگار ہے ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔''

اس کی تفصیل ہم نے قرآن کی شکایت، دروس فلنرجع الی اللہ، من وحی المناسبات میں ذکر کی ہے۔ وہاں ہم نے بتایا ہے کہ خدا کی شریعت اور ظاہری قوانین کے مابین فرق یہ ہے کہ شریعت پہلے انسان کے اندر کو تبدیل کرتی ہے پھر اس کی ظاہری شخصیت کو بناتی ہے۔ یا کہہ لیں کہ یہ انسان کی اس طرح تربیت کرتی ہے کہ پھر اسے اطاعت کی طرف راغب کرنے کے لیے کسی خارجی دباؤ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جبکہ ظاہری قوانین پر عمل کرانے کے لیے باہر سے سختی کی جاتی ہے اور ان کے عدم رعایت کی صورت میں سزائیں مقرر کی جاتی ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود انسان پوری کوشش کرتا ہے کہ اسے کہیں سے کوئی رخصت یا رعایت مل جائے۔ مثال کے طور خمس ہی لے لیجیے کہ مومن بغیر کسی دباؤ کے خود اپنے مال کا حساب کرتا ہے اور اس میں سے خمس کی جو مقدار نکلتی ہے وہ خوشی خوشی حوزاتِ دینیہ اور مستحق افراد تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ یہی ان ٹیکسز اور جرمانوں کی ادائیگی سے جی چراتا ہے کہ جو قانون اس پر لاگو کرتا ہے۔ اور یہی بنیادی فرق ہے جو اسلام اور مادہ پرست تہذیب کے مابین موجود ہے۔

عمل کے قریب کرنے والے اَسباب

یہاں میں ان بعض اسباب کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو دین میں اس لیے بیان ہوئے ہیں تاکہ انسان کو حکم الٰہی کی اطاعت کی طرف راغب کیا جائے۔ خمس بھی انہی احکام میں سے ایک ہے۔ میری نظر میں ان اسباب و عوامل کی تین اقسام ہیں: نفسیاتی، عقلی اور قلبی۔ ان کا بیان کچھ یوں ہے:

۱) خداوند متعال نے ہمیں بے حد نعمتوں سے نوازا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔ سو اگر ہم چاہیں کہ اپنے ابدان یا اپنی زندگی یا اپنے اردگرد کی نعمتوں کو گننے لگ جائیں تو ہمارے حساب ختم ہو جائیں مگر اس کی نعمتوں کا شمار نہ ہوگا۔ جو شخص عقل مند ہوتا وہ نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

هل جزاء الاحسان الا الاحسان

''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا بھلا کیا ہوسکتا ہے؟!'' (سورۃ الرحمن:۶۰)

لیکن چونکہ خداوند متعال لوگوں کے احسان سے بے نیاز ہے۔ اس لیے اس کی بے پایاں نعمتوں پر ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کریں اور اس کی نعمتوں کو ایسے امور میں صرف کریں جو اس کے پسندیدہ ہوں۔ اور یہ بات انصاف ومروت کے خلاف ہے کہ اس کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال کیا جائے اور اس کے حق کی ادائیگی میں بخل سے کام لیا جائے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

ان اللہ تعالی یبعث یوم القیامۃ ناسا من قبورھم مشدودۃ ایدیھم الی اعناقھم لایستطیعون ان یتناولوا بھا قیدانملۃ معھم ملائکۃ یعیرونھم تعییرا شدیدا یقولون ھؤلاء الذین منعوا خیرا من خیر کثیر، ھؤلاء الذین اعطاھم اللہ فمنعوا حق اللہ فی اموالھم۔

''قیامت کے دن اللہ کچھ بندوں کو ان کی قبروں سے اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے۔ وہ انہیں انگلی کے پورے کے برابر بھی آزاد نہ کرا سکیں گے۔ ان کے ساتھ کچھ فرشتے ہوں گے جو انہیں بہت بری طرح شرمندہ کریں گے اور کہیں گے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خیرِ کثیر میں سے کچھ خیر روک لی (اور اسے راہِ خدا میں نہ دیا۔) خدا نے انہیں مال دیا تھا مگر انہوں نے اپنے اموال سے خدا کا حق ادا نہ کیا۔'' (وسائل الشیعہ: ابواب الزکاۃ)

۲) ہم میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو اور اس پر خدا کی رحمتیں بڑھتی جائیں۔ اور تمام نعمتیں خدا کے پاس ہیں۔ اور وہی منعمِ حقیقی ہے۔ وہ ہمیں اس بات کا وعدہ دیتا ہے کہ اگر تم شکرانِ نعمت کرو گے تو تمہاری نعمتوں میں اضافہ کردوں گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نعمتوں پر شکر کرنے سے وہ دائمی ہوجاتی ہیں۔ اور نعمت پر شکر کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان خدا کا حق ادا کرے تاکہ وہ اس میں اضافہ کردے۔ جیسے سرکارِ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں:

استنزلوا الرزق بالصدقۃ

''صدقہ کے ذریعے رزق طلب کرو۔'' اور یہ تو واضح سی بات ہے کہ خدا کی اطاعت برکتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

''اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔'' (سورۃ الاعراف:۹۶)

۳) اگر ہمیں ہمارا کوئی مخلص یہ بتائے کہ اس طرف سے کوئی خونخوار درندہ آرہا ہے تو ہم کچھ سوچے بغیر

فوراً دوسری طرف بھاگنا شروع کر دیں گے۔ اور اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اگر اس کے بعد دوسرا بھی یہی خبر دے ہمارے دماغ میں اس کا خطرہ اور زیادہ ہ زور پکڑ لے گا اور ہم اس سے بچنے کے لیے اپنی کوششیں اور تیز کر دیں گے۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم دو معتبر اور مخلص ساتھیوں کے کسی متوقع شر کے بارے میں خبر دینے پر اس سے بچنے کے لیے اس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہمیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ، ان کے اوصیاءؑ اور بہت سے علماء جو کہ سارے ثقہ و معتبر تھے، انہوں نے خبر دی کہ خدا نے قیامت کا ایک دن مقرر کیا ہے جس میں وہ نیکو کاروں کو اجر دے گا اور برے اعمال کرنے والوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا۔ اور وہ جہنم کی اس آگ میں جائیں گے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ تو کیا ہمیں خدا کی نافرمانی سے دور نہیں بھاگنا چاہیے تاکہ ہمیں اس جہنم سے بچ سکیں۔ اور اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے تاکہ جنت کی ان دائمی نعمتوں کو حاصل کر لیں کہ جو کسی آنکھ دیکھی، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال آیا۔

۴) ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ اگر انسان خدا کی اطاعت کرے اور اس کی شریعت کی پابندی کرے تو اس کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ بے شک اس سے انسان کو نقصان کے بجائے فائدہ ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی طرح دنیا کی لذتوں سے مستفید ہوتا ہے کہ جس طرح خدا سے دور رہنے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کی ان تمام نعمتوں کا حق دار ہوتا ہے جو خدا پر ایمان اور اس کی شریعت کی پابندی کے سبب اس کے حصے میں آتی ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں ارشاد باری ہے کہ تم خدا سے ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کی وہ نہیں رکھتے۔ سورۃ الاعراف میں ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝۳۲

''(اے رسول ان لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی زیب و زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے کس نے حرام کیا ہے؟ اور کھانے کی اچھی اور پاکیزہ غذاؤں کو (کس نے حرام کیا ہے؟)! وہ تو دراصل ہیں ہی اہلِ ایمان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور خاص کر قیامت کے دن تو خالص انہی کے لئے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔''

اسی انداز کو اختیار کرتے ہوئے ایک مرتبہ امام صادق علیہ السلام نے ایک دہریے سے کہا: دیکھو کہ اگر بات اسی طرح ہوئی کہ جیسے تم کہتے ہو کہ نہ جنت ہے، نہ جہنم ہے اور نہ ہی حساب۔ تو ہم اور تم برابر ہیں۔ پس ہم بھی اسی

طرح کھاتے پیتے ہیں جیسے تم کھاتے ہو اور ہم بھی اسی طرح شادی بیاہ کرتے ہیں جیسے تم کرتے ہو۔ اور اگر بات اس طرح ہوئی جیسے ہم کہتے ہیں، اور ہے بھی اسی طرح، تو تم ہلاک ہو جاؤ گے اور ہم بچ جائیں گے!!

یہ ایسا طریقہ کار ہے کہ اگر اس کے مطابق بات کی جائے تو کوئی بھی صاحب عقل اسے نہیں ٹھکرا سکتا۔ اور جن لوگوں نے خمس نکالنا شروع کیا ہوا ہے انہیں اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حتی کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو عام طور احکام الٰہیہ کا پاس نہیں رکھتے، مگر اپنے مال و اسباب کو بڑھانے کے لیے خمس نکالتے ہیں۔ تو اس میں خسارہ کیا ہے؟!

۵) ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح زمین و آسمان کی کوئی چیز خدا سے پوشیدہ نہیں اسی طرح وہ ہمارے حالات سے بھی مکمل طور پر آگاہ ہے، بلکہ ہماری رگِ جان سے زیادہ ہمارے قریب ہے۔ اس نے ہمارے اوپر کچھ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہمارے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو محفوظ کر رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ اس نے ہمارے ان اعضاء جوارح کو ہمارے اعمال کا گواہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مبارکہ فصلت میں اس کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۲۰ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۲۱ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۝۲۲ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۲۳ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ۝۲۴

''یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچ جائیں تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے برخلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ تو وہ کہیں گی کہ ہمیں اسی اللہ نے گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی دی اور اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور پھر اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی۔ اور تم (گناہ کرتے وقت) اپنے آپ کو اس بات سے چھپا ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہاری خلاف گواہی دیں لیکن تم نے یہ گمان کیا کہ اللہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔ تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے پروردگار کی نسبت کیا تھا تمہیں تباہ کر دیا اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ پس اب اگر وہ صبر کریں بھی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اگر وہ (خدا کو) راضی کرنا چاہیں تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن پر (اللہ) راضی ہوا۔'' (سورۃ فصلت: ۲۰ تا ۲۴)

اگر ہم ان حقائق کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے امور کو انجام دینے سے پہلے تھوڑا سوچنا شروع کر دیں۔ تو ہم

ہزار ہزار بار اپنا محاسبہ کریں گے کہ کہیں ہم سے خدا کی کوئی نافرمانی نہ ہوجائے اور ہم اس کی شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کر بیٹھیں۔ اور مالی حقوق ادا نہ کرنا بھی شریعت الٰہی کی مخالفت ہے۔

۶) جو شخص خدا کی راہ میں اپنی جان و مال کو صرف کرنے سے گریز کرتا ہے اسے اپنی جان و مال کو اس سے زیادہ خدا کی نافرمانی اور ایسے کاموں پر لگانا پڑتا ہے کہ جن سے سوائے افسوس کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ فَسَیُنۡفِقُوۡنَہَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِمۡ حَسۡرَۃً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۶﴾

''بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اس لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں یہ آئندہ بھی اسی طرح خرچ کریں گے اور پھر انجام کار یہ (مال خرچ کرنا) ان کے لئے حسرت اور پچھتاوے کا باعث بن جائے گا۔ اور بالآخر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جو کافر ہیں وہ گھیر گھار کر جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے۔''
(الانفال)

یہاں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں کہ جو ہر اس شخص کی خلاف حجت ہے جو اپنے مال سے شرعی حقوق ادا نہیں کرتا۔ وہ حدیث امامؑ نے اس فرمانِ الٰہی: **کذلك یریهم الله اعمالهم حسرات علیهم** کی تفسیر میں ارشاد فرمائی۔ امامؑ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جو بخل کرتا ہے اور اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ پھر وہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے اپنا مال کسی اور کے لیے چھوڑ دیتا ہے جو چاہے تو اسے خدا کی خوشنودی میں صرف کرے اور چاہے تو اس کی نافرمانی میں صرف کرے۔ تو اگر اس (وارث) نے اس مال کو خدا کی خوشنودی میں صرف کیا تو یہ اسے اپنے غیر (یعنی وارث) کے اعمال کے ترازو میں حسرت کرے گا۔ اور اگر اس وارث نے اس مال کو خدا کی نافرمانی میں صرف کیا تو گویا اُس نے اپنے مال کے ذریعے اس وارث کو تقویت پہنچائی حتی کہ اس نے اسے خدا کی نافرمانی میں صرف کیا۔

ایسے شخص کے بارے میں مولا ئناتؑ کا فرمان ہے: روزِ قیامت سب سے زیادہ حسرت وافسوس کرنے والا وہ شخص ہوگا جو خدا کی نافرمانی کر کے (یعنی حقوق شرعیہ ادا نہ کرے) مال جمع کرے اور اس دنیا سے چلا جائے اور پھر اس مال کا وارث ایک دوسرا شخص بن جائے اور وہ اس کے ذریعے جنت میں چلا جائے۔ (نہج البلاغہ: حکمت ۴۲۹)

جس کے اندر ذرا بھی عقل وشعور ہے اس کی ہدایت کے لیے یہی فرمانِ امامؑ کافی ہے۔

سرکارِ صادقؑ سے روایت ہے کہ جو شخص ایک درہم روک لے اور اسے وہاں صرف نہ کرے جہاں اسے صرف

کرنے کا حق ہے تو اسے اس کے بدلے میں دو درہم ناحق صرف کرنا پڑیں گے۔ اور جو شخص اپنے مال سے شرعی حق روک لیتا ہے قیامت کے دن اللہ اس مال کو آگ کا سانپ بنا کر اس کے گلے کا طوق بنا دے گا۔ آپؐ سے ہی مروی ہے کہ جو بھی خدا کا حق روکے گا اسے باطل کی راہ پر اس کا دوگنا خرچ کرنا پڑے گا۔ (وسائل الشیعہ)

۷) جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور گناہ سے دور رہتا ہے۔ اسے اپنے سب سے بڑے دشمن کے مقابلے میں فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ دشمن انسان کا نفس ہے جو اس کے دو پہلوؤں کے درمیان ہوتا ہے۔ تو نفس جس کام کے انجام دینے میں جتنی زیادہ رغبت ہو۔ اُسے ترک کرنے میں اتنی ہی زیادہ لذت آتی ہے۔

مثلاً اگر آپ کے سامنے ایک بے پردہ عورت آئے جو آپ کو بے حیائی کی دعوت دے اور آپ اس کے مقابلے میں اپنے نفس پر قابو رکھیں۔ تو خدا اس کے بدلے میں آپ کو ایسی لذت عطا کرے گا جس کی مٹھاس کو آپ اپنے دل میں محسوس کریں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

النظرۃ سھم مسموم من سھام ابلیس فمن ترکھا للہ ابدلہ نورا و ایمانا یجد حلاوتہ فی قلبہ

''بری نگاہ شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو اسے خدا کے لیے چھوڑ دے گا تو وہ اسے ایسے نور اور ایمان میں تبدیل کر دے گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔''

اور جہاں تک مال و دولت کی بات ہے تو اس سے بڑھ کر خدا کسی بھی چیز سے لوگوں کی آزمائش نہیں کرتا۔ جیسا ارشاد باری ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

''لوگوں کے لیے عورتوں، بچوں، اور سونے و چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کی خواہش کی محبت سجا دی گئی ہیں۔'' (آل عمران: ۱۴)

سورۃ الکہف میں ارشاد ہوتا ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ''مال و اولاد دنیا کی زندگی کے لیے باعثِ زینت ہیں۔'' (۴۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے

: ما بلی اللہ عز وجل العباد بشئ اشد علیھم من اخراج الدرھم

''خداوند عالم اپنے بندوں کی اپنے مال سے ایک درہم نکلوانے سے بڑی کوئی آزمائش نہیں کرتا۔''

لہٰذا اس دشمن کے مقابلے میں کامیابی کی لذت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان راہِ خدا میں بہت سا مال خرچ کرے۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء کرامؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا اراد اللہ بعبد خیرا بعث الیہ ملکا من خزان الجنۃ فیمسح صدرہ و یسخی نفسہ بالزکوۃ

''جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔تو جنت کے خازن فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ جو اس کے سینے پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اس کا دل زکوۃ دینے کے لیے سخی ہو جاتا ہے۔'' (وسائل الشیعہ)

دوسرا طریقہ:

یہ خاص طریقہ کار ہے جس میں ان اسباب کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے جو انسان کو حقوقِ شرعیہ کی ادائیگی سے روکتے ہیں۔

خمس کی عدم ادائیگی کی وجوہات

خمس نہ دینے کے بعض اسباب یہ ہیں:

۱) خمس کے واجب ہونے سے لاعلمی: بعض لوگ اس لیے خمس ادا نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ ایک شرعی فریضہ ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے۔اور بعض لوگ اس وجہ سے خمس نہیں دیتے، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خمس ادا کرنا صرف مالدار لوگوں کا فرض ہے۔ یہ جہالت نسل در نسل مسلمانوں کے اندر چلی آ رہی ہے۔اور علماء بھی ان سے اس کا مطالبہ نہیں کرتے کہ کہیں وہ ان کے بارے میں بدظن نہ ہو جائیں۔[1]

۲) خمس کے بارے دین و مذہب کے دشمن طرح طرح کے شبہات پھیلاتے ہیں اور انہیں اپنی کتابوں اور اخبارات و رسائل میں چھپواتے ہیں۔کبھی وہ کہتے ہیں کہ خمس اصلاً واجب ہی نہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہوا، کبھی کہتے ہیں کہ اس کا تعلق جنگ سے ملنے والے مالِ غنیمت کے ساتھ ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک ہی محدود تھا۔۔۔وغیرہ۔حالانکہ دوسروں سے پہلے وہ خود جانتے ہیں کہ ان کے یہ دعوے رکیک و بے بنیاد ہیں۔لیکن وہ پھیلاتے رہتے ہیں تاکہ دین کو مالی تقویت دینے والے نظام کو خراب کر سکیں۔

۳) بعض وکلا حقوق شرعیہ کو غلط استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے لوگ ان پر اعتبار نہیں کرتے اور اپنے مالی واجبات ان کے حوالے نہیں کرتے۔مثلاً وہ ان حقوق شرعیہ کو زیادہ اپنی ذات پر خرچ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی سہولیات میں اضافہ کرتے ہیں، یا انہیں مرجع تقلید تک نہیں پہنچاتے یا یہ خیال نہیں کرتے کہ کون سی چیز کس جگہ صرف

---

[1] اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رسائل عملیہ میں اس کی بحث کو اس قدر الجھایا گیا ہے کہ انسان کو سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیا اس پر واجب ہے اور کیا نہیں۔

کرنی ہے اور کون سی کس جگہ۔

۴) انسان کا نفسِ امارہ اسے انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں بخل کی طرف راغب کرتا ہے۔ یہی وجہ بہت سے لوگ عملی فرائض کو تو خوشی خوشی بجالاتے ہیں، لیکن جب فی سبیل اللہ مال دینے کی باری آتی ہے تو جی چرانے لگتے ہیں۔

۵) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس کی بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ جو خمس وزکوۃ دیتے ہیں اسے کہاں خرچ کیا جاتا ہے۔ لہذا اگر اسے معلوم ہو کہ میں جو خمس وزکوۃ دے رہا ہوں اس سے غریب جوانوں کی شادی ہوگی تاکہ وہ حرام وگناہ سے محفوظ رہیں یا اس سے بیماریوں کے علاج معالجے، دین کی ترویج واشاعت اور رفاہِ عامہ کے امور میں مدد ملے گی تو وہ ہرگز سستی نہ کرے گا۔

۶) خمس نہ دینے ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا خدا کے یہاں موجود اجر وثواب پر یقین پختہ نہیں ہوتا۔

اب جب کہ ہم یہ جان چکے ہیں کہ خمس ادا نہ کرنے کے اسباب وعلل کیا ہیں تو یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم اس بیماری کو خود سے کس طرح دور کر سکتے ہیں؟ اس کا بیان حسبِ ذیل نکات میں کیا جارہا ہے:

۱) علوم دینی سے وابستہ لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس فریضے کے واجب ہونے کو انتہائی موثر اور مدلل انداز میں بیان کریں۔ اور لوگوں کو بتائیں کہ اس کا تعلق ہر اس فائدے کے ساتھ ہوتا ہے جو انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ سال میں ایک دن مقرر کرے جس میں تمام تر وسائل اور اخراجات کا حساب کرے اور جو سال کے اخراجات سے زائد ہو اس کا خمس یعنی پانچواں راہِ خدا میں خرچ کرے۔ جیسا کہ اس کا تفصیلی طریقہ کار فقہی کتابوں میں موجود ہے۔

۲) سادہ لوح افراد کے اذہان میں موجود ان شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا کہ جو گمراہ لوگوں کی طرف سے ان کے ذہنوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

۳) مسلمانوں کی اس حوالے سے مدد کرنا۔ تاکہ وہ اپنے نفسِ امارہ کو شکست دیں اور خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔ کیونکہ یہ بہت بڑی ہلاکت کا موجب بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان موجود ہے۔ لہذا لوگوں میں سب سے بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد میں کامیاب رہے۔

۴) خمس کے مصارف میں غور کرنا اور اسے ان قابل اعتماد لوگوں کے حوالے کرنا جنہیں معلوم ہو کہ اس کے صرف کرنے کا صحیح مقام کیا ہے۔ یا یہ کہ انسان خود اس بات کا پتہ لگائے کہ اس کے آس پاس کے کون سے لوگ خمس

کے مستحق ہیں۔ پھر وہ خود یا کسی حوزہ دینیہ کی اجازت سے خمس کا مال ان پر صرف کرے۔ پس جب کوئی انسان ایسا کرے گا تو اسے دلی مسرت واطمینان حاصل ہوگا کہ وہ اس نیک کام میں اپنا حصہ ڈال کر خدا کے عظیم اجر وثواب کا مستحق ہوا ہے۔ اور خدا تو جس کا چاہتا ہے اجر کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

۵) انسان کو معلوم ہونا چاہے کہ اس کے پاس جو بھی ہے کہ وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ وہ غنی مطلق ہے لیکن وہ اپنے بندے کو دیے ہوئے مال میں شرعی حقوق واجب کر کے آزماتا ہے۔ تاکہ اس آزمائش میں کامیاب رہنے والے کو اجر وثواب عطا کرے اور جو کوتاہی کا مرتکب ہوا سے عذاب سے دوچار کرے۔۔ پس وہ اپنے بندوں پر مالی حقوق واجب کر کے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں شہوات کی قید سے آزاد کرتا ہے تاکہ وہ اس کے مخلص ومطیع بندے بن جائیں۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۳

''اے رسول! ان لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیں اور اس کے ذریعہ سے انہیں پاک و پاکیزہ کریں۔ اور (برکت دے کر) انہیں بڑھائیں نیز ان کے لیے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور خدا بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔'' (التوبہ)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میں اگر تم میں سے کسی سے ایک درہم لیتا ہوں، جب کہ میں تمام اہل مدینہ سے زیادہ مال دار ہوں، تو اس سے میرا مقصد فقط تمہیں پاکیزہ بنانا ہوتا ہے۔ (وسائل الشیعہ: کتاب الخمس)

ایک اور مقام پر فرمایا:

انما وضعت الزکاۃ اختبارا للاغنیاء ومعونۃ الفقراء ،ولو ان الناس ادوا زکاۃ اموالھم مابقی مسلم فقیرا محتاجا ولاستغنی بما فرض اللہ لہ

''زکوۃ اس لیے فرض کی گئی ہے تاکہ مال داروں کی آزمائش ہو اور محتاج لوگوں کی مدد ہو سکے۔ اگر لوگ اپنے مال کی زکوۃ دیتے تو کوئی بھی مسلمان فقیر ومحتاج باقی نہ رہتا اور خدا کے فرض کردہ حق کی وجہ سے غنی ہو جاتا۔'' (وسائل الشیعہ: کتاب الزکاۃ)

علاوہ بریں ہمیں اس بات کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے کہ دس سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے کہ ہم مشکلات اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم اپنے معاشرے کے توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ تو اس کے اہم ترین ذرائع میں سے ایک ذریعہ وہ حقوقِ شرعیہ ہیں۔ جو کئی ارب دینار بنتے ہیں اور انہیں یہاں کے محتاج اور ضرورت مند لوگوں پر صرف کیا جاتا ہے۔

۶) حوزہ کے وکیلوں اور نمائندوں کو تقوی و پرہیزگاری اور امانت داری، اور لوگوں کے ساتھ ہمدری جیسی اعلی

صفات کا حامل ہونا چاہیے۔اور بالخصوص فقر ومشکلات کے زمانے میں ان کا پوری طرح خیال رکھنا چاہیے۔جیسا کہ آج ہمارے حالات ایسے ہی ہیں۔انہیں مولائے کائناتؑ کی اس عظیم سیرت کا حامل ہونا چاہیے کہ آپؑ نے اپنی عبا کو اس قدر پیوند لگائے ہوئے تھے کہ مزید پیوند لگوانے سے شرم آتی تھی۔لیکن جب آپؑ سے عرض کیا گیا کہ اتنی بڑی سلطنت آپؑ کے پاس ہے تو اس عبا کو بدل کیوں نہیں لیتے۔فرمایا:

لکی لا یتبیغ بالفقیر فقرہ

''یہ صرف اس لیے تا کہ کسی تنگ دست کو اس کی تنگ دستی نہ لے ڈوبے۔''یعنی بسا اوقات انسان کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے۔مگر اسے اس کے پورا ہونے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔نتیجتاً وہ سرکش ہوجاتا اور خدا کی نافرمانی کرنے لگتا ہے۔

۷)انسان کو خداوند متعال پر حسنِ ظن ہونا چاہیے۔اور اس نے یہ وعدہ دیا ہے کہ بندہ اس کی راہ میں جو بھی خرچ کرے وہ اسے واپس لوٹائے گا۔حدیث نبویؐ ہے:

من ایقن بالخلف سخت نفسہ بالنفقۃ

''جسے واپس لوٹائے جانے کا یقین ہوجاتا ہے اس کا دل (فی سبیل اللہ) خرچ کرنے میں سخی ہوجاتا ہے۔''

مولا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

من ایقن بالخلف جاد بالعطیۃ

''جسے (خدا کی طرف سے) مال کے واپس لوٹائے جانے کا یقین ہوجاتا ہے وہ (راہِ خدا میں) دینے میں سخاوت کرتا ہے۔''(نہج البلاغہ:حکمت:۱۳۸)اس سلسلے میں خدا کا ارشاد یہ ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

''اور جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کرو گے وہ اس کا بدلہ بہر حال عطا کرے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے''(السبا)

صادق آل محمد علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے:

من یضمن لی اربعۃ باربعۃ ابیات فی الجنۃ :انفق ولا تخف فقرا ، وانصف الناس من نفسك ، وافش السلام فی العالم ،واترك المراء وان کنت محقا

تم میں کون ہے جو مجھے جنت کے چار گھر حاصل کرنے کے لیے چار چیزوں کی ضمانت دے:

(۱)راہِ خدا میں خرچ کرے اور فقر وناداری کا خوف نہ رکھے۔(۲)اپنی طرف سے لوگوں کو انصاف فراہم کرے۔(۳)ہر جگہ سلام عام کرے۔(۴)حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا نہ کرے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی برکات

اگر انسان راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرے تو اسے وہ تمام دنیوی و اخروی فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے۔ پس راہِ خدا میں صدقہ دینے کا جہاں بھی کوئی ثواب ذکر ہوا ہے اس میں خمس و زکوۃ بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ کیونکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی سے انسان خدا کا ایسا قرب حاصل کر لیتا ہے کہ اس کی مانند قرب مستحبات و نفلی عبادات کے ذریعے حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ما عبداللہ بشئ کاالفرائض ''جس طرح فرائض کے ذریعے خدا کی عبادت کی جاتی ہے اس طرح کسی اور چیز سے نہیں کی جا سکتی۔'' جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لفظ صدقہ اپنے عمومی معنوں میں خمس، زکوۃ اور راہِ خدا میں خرچ کیے جانے والے ہر مال کو شامل ہوتا ہے۔ اس کے مثبت اثرات کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

''جو لوگ راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ بھی کر دیتا ہے کہ وہ صاحبِ وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

داووا مرضاکم بالصدقة و حصنوا اموالکم بالزکاة

''صدقہ دے کر اپنے بیماروں کا علاج کرو اور زکوۃ دے کر اپنے اموال کو محفوظ کرو۔

''امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

ماتلف مال فی بر و بحر الا بمنع الزکاة

''خشکی و تری میں جو بھی مال ضائع ہوتا ہے تو زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔''

ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا:

ان الشحیح من منع حق اللہ و انفق فی غیر حق اللہ

''بے شک وہ کنجوس ہے جو خدا کا حق ادا نہ کرے اور اسے خدا کے حق کے علاوہ کہیں صرف کرے۔''

اس کے آخر میں آپؑ نے یہ حدیث نقل کی:

حرام علی الجنة ان یدخلها الشحیح

''کنجوس کا جنت میں جانا حرام ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لا یجتمع الشح والایمان فی قلب عبدا ابدا

''کسی بھی بندے کے دل میں کنجوسی اور ایمان جمع نہیں ہوسکتیں۔

امامؑ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے نیند میں ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: تم زکوۃ نہیں دیتے، اس لیے۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، میں زکوۃ دیتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: پھر تم اسے اس کے صحیح مقام پر نہیں دیتے۔ (کتاب الزکاۃ)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: استنزلوا الرزق بالصدقة ''صدقہ کے ذریعے روزی طلب کرو۔'' نیز فرمایا'': اپنے بیماروں کا مداوا صدقہ سے کیا کرو۔ اور تمہارے لیے یہ ضروری نہیں اپنے پورے دن کا کھانا دے کر ہی صدقہ دو۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملک الموت کو ایک شخص کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ادھر وہ شخص صدقہ دے دیتا ہے تو ملک الموت سے کہا جاتا ہے: اس موت کا حکم نامہ واپس کردو۔'' ایک اور مقام پر آپؑ نے ارشاد فرمایا: الصدقة باليد تقي ميتة سوء و تدفع سبعين نوعا من انواع البلايا ''ہاتھ کا دیا صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور انسان ستر قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔'' (وسائل الشیعہ: ابواب الصدقات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: ان الله ليربي لاحدكم الصدقة كما يربي احدكم ولده حتى يلقاه يوم القيامة وهو مثل احد ''بے شک خدا تمہارے صدقے کو اسی طرح پروان چڑھاتا ہے کہ جیسے تم اپنے اولاد کی پرورش کرتے ہو۔ حتی کہ جب بندہ روزِ قیامت اسے دیکھے گا تو وہ احد پہاڑ جتنا ہو گا۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: صدقة السر تطفي غضب الرب ''مخفی طور پر دیا ہوا صدقہ خدا کے غضب کو ختم کرتا ہے۔'' امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: البر وصدقة السر ينفيان الفقر ويزيدان في العمر ويدفعان سبعين ميتة سوء ''نیکی اور پوشیدہ طور پر دیا ہوا صدقہ فقر و تنگ دستی کو دور کرتے ہیں، عمر میں اضافہ کرتے ہیں اور ستر طرح کی بری موت سے بچاتے ہیں۔'' (ابواب الصدقہ)

احادیث کا فلسفہ

ہم ان احادیث مبارکہ کے فلسفے کو اقتصادی، اجتماعی اور نفسیاتی ہر سہ اعتبار سے سمجھ سکتے ہیں۔ (اقتصادی اعتبار سے یوں کہ) جب ہم یہ فرمان معصومؑ سنتے ہیں کہ صدقہ کے ذریعے روزی طلب کرو۔ تو اس سے ہمیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غربت کی وجہ سے لوگوں میں قوتِ خرید کم پڑ جاتی ہے اور اقتصاد کا تیز رفتار پہیہ رک جاتا ہے۔ لہذا جب لوگ صدقہ دیتے ہیں تو معاشرے کے کمزور افراد کی قوت خرید میں جان آجاتی ہے اور معیشت کا پہیہ پھر سے تیزی کے ساتھ گھومنے لگتا ہے اور ملکی سرمائے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

جب امامؑ نے یہ فرمایا کہ زکوۃ دے کر اپنے مال کی حفاظت کرو تو اس کا مطلب کچھ اس طرح ہے کہ جب انسان غربت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے تو وہ چوری، لوٹ مار اور دوسرے حرام امور کا ارتکاب کرتا ہے۔ پس جب ہم اپنی زکوۃ دے کر اس کی غربت کی پریشانی کا حل پیش کر دیں گے تو جرائم کا ایک بہت بڑا باب بند ہو جائے گا۔

جب معصومؑ فرماتے ہیں کہ اپنے بیماروں کا علاج صدقہ کے ذریعے کرو تو اس کا مطلب یہ کہ انسانوں کو جو بیماریاں لگتی ہیں ان کا سبب نفسیاتی کمزوریاں اور سعادت کی کمی ہوتی ہیں۔ اور یہ چیزیں لالچ، حسد، خود پسندی، دنیا کی محبت، بغض و کینہ، بخل اور تکبر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تو جب انسان کا دامن ان رزائل سے پاک ہوگا تو وہ صحت و سلامتی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور اس اطمینان کو پالے گا کہ جو تمام بیماریوں کا اہم علاج ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ایک غلط فہمی اور اس سے سوء استفادہ کرنے والوں کے سوء تفہم کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ سابقہ مراجعین کرام حقوق شرعی کی ایک خاص مقدار اپنے اس نائب کو دیا کرتے تھے کہ جو ان اموال کو مومنین کرام سے اکٹھا کر کے اس کی خدمت پہنچاتا تھا۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: ان کا مقصد اس نائب کی ضروریات کو پورا کرنا تھا۔ کیونکہ اس نے خود کو علم حاصل کرنے اور دین کے معاملات کو انجام دینے کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور اس کے پاس اپنے اہل خانہ کے لیے روزی کمانے کا وقت نہ تھا۔

دوسری وجہ: مراجعین کرام اپنے نائب کو اس کے علاقے کے نادار مومنین کی مدد کے لیے حقوقِ شرعیہ میں سے کچھ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ مرجع کو تو خبر نہیں ہوتی کہ کہاں کہاں مستحق مومنین موجود ہیں۔ اور پھر جن لوگوں کو وہ اپنا نائب بناتے ان کی بھی نگرانی کی جاتی تھی۔ پس جو اموال ان نائبین کے حوالے کیے جاتے تھے وہ ان کی ملکیت نہ

تھے۔ بلکہ وہ کچھ خاص اور عمومی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہوتے تھے۔

بعض لوگوں کا وہم ہے کہ وہ نائبین چونکہ ان اموال کے عاملین میں سے ہوتے ہیں اس لیے وہ اس کا کچھ حصہ لے سکتے ہیں۔ حالانکہ خمس کے مصارف محدود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد خدا ہے: فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی ''یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے قرابت داروں کے لیے ہے۔'' اب یہ حصہ صرف امام زمانہ ؑ یا آپؐ کے نائب حقیقی لے سکتے ہیں۔ اور والیتامی والمساکین وابن السبیل سے مراد بنی ہاشم یعنی سادات کرام ہیں۔ اور یہ انہی کا حق ہے۔ یہاں عاملین کا ذکر نہیں۔ اور اسے ہر محتاج سید بھی نہیں لے سکتا، بلکہ وہی لے سکتا ہے جو اسے اپنی جائز ضروریات میں صرف کرے۔ ان کی عزت کے پیشِ نظر زکوۃ کی جگہ ان کے لیے یہ مال قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ زکوۃ لوگوں کے ہاتھوں کا میل ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس لینے کے لیے ہاشمی سید کا ضرورت مند ہونا شرط ہے۔ اور یہ شرط درج بالا آیت سے، یا اس لحاظ سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ مال ان کے لیے زکوۃ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

جہاں ''عاملین'' کی بات ہے تو یہ زکوۃ کے مصارف میں سے ہے نہ کہ خمس کے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں مختلف شہروں اور علاقوں سے زکوۃ اکٹھی کر کے بیت المال میں پہنچاتے ہیں۔ جبکہ خمس میں اس قسم کا اکٹھا کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا کہ اس کے جمع کرنے والے کو اس میں سے کچھ حصہ دیا جائے۔

یہاں عاملین کے باب میں اس حد تک غلط فہمی ہوئی ہے کہ بعض سمجھنے لگے ہیں کہ یہ سارے کا سارا مال مجتہد کے اس نائب کا ہوتا ہے جو انہیں اکٹھا کرتا ہے۔ لہذا اسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے۔ اس غلط فہمی کے باعث بہت سے غرباء کے حقوق ضائع ہوئے اور ان کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دنیا کے طالب ان شرعی کو حقوق کی جمع آوری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ آزمائی ہوئی بات ہے کہ جو بھی شخص حقوقِ شرعیہ کے صرف کرنے میں اسراف سے کام لیتا ہے اور لوگوں کی بہتری کے بجائے اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے تو اسے اس دنیا میں ہی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور آخرت میں جو حساب ہوگا وہ اس سے الگ ہے۔ لیکن جو شخص ان حقوقِ شرعیہ کو معمول کے مطابق صرف کرے یا اپنی ضرورت کے مطابق ان سے مدد لے تو خداوند متعال اسے اس دنیا میں بھی سہولت و آسانی فراہم کرتا ہے اور آخری میں بھی اس کا شمار اچھے لوگوں میں کرتا ہے۔

حقوقِ شرعیہ لینے والے کے متعلق شبہ کا عذر

جب ان حقوقِ شرعی کو جمع کرنے والے افراد ان اموال کو زیادہ تر اپنی ذاتی ضروریات پر صرف کرتے ہیں تو لوگوں کا ان پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اور بعض لوگ ان کے اس عمل کو عذر بنا کر اپنے اموال سے شرعی حقوق نکالنا ہی بند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کچھ لوگوں کا غلط کام کرنا دوسروں کے لیے غلطی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ یہ بھی تو کر سکتے ہیں کہ وہ انہیں چھوڑ کر کسی با اعتماد شخص کے ذریعے یا بذاتِ خود مرجع کی خدمت میں پہنچا دیں۔ یا مرجع کی اجازت سے انہیں اپنے علاقے کے غرباء و مستحق افراد میں تقسیم کر دیں۔ حالانکہ اس میں زیادہ فضیلت ہے۔ کیونکہ اس سے حق، صحیح حقدار کو ملتا ہے اور روایات میں بھی مال کو براہِ راست فقیر کے ہاتھ میں پہنچانے کی زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ نیز وارد ہوا ہے کہ صدقہ دینے والے کو چاہیے کہ وہ صدقہ دینے کے بعد فقیر کے ہاتھوں کا بوسہ لیے۔ کیونکہ وہ اس کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس کا ارشاد بھی ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

''کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور زکوٰۃ و خیرات کو وصول کرتا ہے اور وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔'' (التوبہ)

اس باب میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔ نیز اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ ہمدردی، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا، ان کا دل خوش کرنا اور ان میں سے مصیبت زدہ و پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں ختم کرنا ایک نہایت ہی اچھا عمل ہے۔ چنانچہ محمد بن عجلان سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھا کہ وہاں ایک شخص آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کو سلام عرض کیا۔ امامؑ نے اس سے فرمایا: اپنے ان بھائیوں کی کوئی خبر سناؤ جنہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ تو اس نے امامؑ کے سامنے کی ان کی بہت تعریف و توصیف کی۔

امامؑ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ ان میں سے جو مالدار ہیں وہ غرباء کی اعانت کرتے ہیں؟ اس نے کہا: بہت کم۔

امامؑ نے پھر پوچھا: کیا ان میں سے مالدار لوگ اپنے ضرورت مند بہن بھائیوں کا خیال رکھتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: بہت کم۔

اس کے بعد امامؑ نے پوچھا: کیا ان میں سے مالدار لوگ اپنے مال کے ذریعے اپنے ماتحت نادار لوگوں کے

ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔

اس نے کہا: آپؑ یہ جو باتیں فرمارہے ہیں۔ان میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔

راوی کہتا ہے: یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: جب ان میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں تو وہ کیسے خود کو شیعہ سمجھتے ہیں؟!(ابواب الصدقہ)

سعید بن حسن سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا:

ایجیء احدکم الی اخیه فیدخل یده فی کیسه فیاخذ حاجته فلا یدفعه .فقلت :ما اعرف ذلك فینا.فقال ابوجعفر علیہ السلام: فلا شیء اذاً

''کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے بھائی کے پاس آئے اور اپنا ہاتھ اس کے بٹوے میں ڈال کر اپنی ضرورت کی چیز نکال لے اور وہ اسے منع نہ کرے؟! میں نے عرض کی: مجھے تو اپنے بھائی دوستوں میں ایسا نظر نہیں آتا۔اُس وقت امامؑ نے فرمایا: پھر تو اُن میں کوئی کمال نہیں۔(یعنی صرف نام کی حد تک مومن ہیں۔نعوذ باللہ من ذلک) (ابواب الصدقہ)

حوزہ اور بیداریٔ شعور

ایک دینی حوزے کا ہدف خدا کی رضا اور اس کے تقرب کا حصول ہوتا ہے۔اس لیے اس کی ذمہ داری سب سے اہم ہوتی ہے۔پس حوزہ دینیہ لوگوں کو ایسے امور کی طرف راغب کرتا ہے جو انہیں خدا کی رضا کے قریب اور اس کے غضب سے دور کریں۔وہ انہیں ایسے اخلاق وآداب کی تعلیم دیتا ہے جسے وہ لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونۂ عمل بنتے ہیں۔خواہ اپنی زبان سے نہ بھی بولیں۔یعنی وہ اس حدیث کا مصداق بنتے ہیں: کونوا لنا دعاۃ صامتین ''خاموشی کے ساتھ ہماری طرف بلانے والے بنو۔''ایک اور حدیث میں آیا ہے: کونوا لنا زینا ولا تکونوا علینا شینا ''ہمارے لیے زینت کا باعث بنو۔ننگ وعار کا سبب نہ بنو۔''

علماء چونکہ انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں اس لیے وہ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات علیہ السلام کی پاکیزہ سیرت پر عمل کریں۔ہمارے مولاؑ بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری کرتے اور یہ دعا کرتے تھے کہ آپؑ سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔چنانچہ آپؑ فرمایا کرتے تھے:

اقنع من نفسی بان یقال امیر المومنین و لااشارکهم فی مکاره الدهر او اکون اسوة لهم فی جشوبة العیش فما خلقت لیشغلنی اکل الطیبات کالبهیمة المربوطة همها علفها او المرسلة شغلها تقمهما

''کیا میں یہی سن کر مطمئن ہو جاؤں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہتے ہیں اور میں زمانے کی سختیوں میں لوگوں کا شریک نہ بنوں۔ یا زندگی کی سختیوں میں ان کے لیے نمونۂ عمل نہ بنوں۔ مجھے اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ رسی سے باندھے ہوئے جانور کی مانند پاک چیزوں کا کھانا مجھے مصروف رکھے جسے ہر وقت چارہ کھانے کی فکر لگی رہتی ہے۔ یا آزاد چھوڑے گئے جس کا کام سارا ہڑپ کر جانا ہوتا ہے۔'' (بحار الانوار: ۳۴/ باب ۹۸)

مولائے متقیان علیہ السلام اپنے اصحابؓ کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور اپنی اچھائی و برائی کی طرف توجہ دیں۔ آپؑ اگرچہ ایک بڑی سلطنت کے حاکم تھے۔ اس کے باوجود بھی لوگوں سے کہتے: جب میں تمہارے پاس نکلوں اور میرے پاس اس چادر کے علاوہ کوئی چادر ہو کہ جو میں مدینہ سے اپنے ساتھ لایا تو میں خیانت کار ٹھہروں گا۔

پس جب آپؑ حکومت سے دست بردار ہوئے تو اسی طرح پاک و پاکیزہ کردار کے ساتھ اور آپ کے عمل میں معمولی سی خیانت بھی ظاہر نہ ہوئی۔ تو اگر ہم آخرت میں اپنے امامؑ سے ملاقات اور آپؑ کی ہم نشینی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ آپؑ کی پاکیزہ سیرت پر عمل کریں۔ اور اگر ہم نے آپؑ کی سیرت پر عمل نہ کیا تو ہم اس فانی دنیا کے بندے قرار پائیں گے جو ہمارے مولاؑ کی نظر میں جوتے کے تسمے سے بھی حقیر تر ہے۔ اور ہم حقیقت میں اس وقت تک امامؑ کے شیعہ نہیں بن سکتے کہ جب تک لوگوں کی مشکلات میں ان کے شریک نہ ہوں، ان مسائل کو نہ سمجھیں اور بالخصوص آج کے نازک دور میں ان کی تکالیف کو دور کرنے کی تگ و دو نہ کریں۔

ہمیں ہر وقت یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ جو اموال شرعی ہم تک پہنچتے ہیں، یہ ہمارے پاس امانت ہیں اور کیا ہم نے انہیں مستحق لوگوں تک پہنچایا ہے یا نہیں۔ اور امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے نظر میں بہترین شیعہ وہ نہیں کہ جو زیادہ حقوقِ شرعی جمع کر لے۔ بلکہ آپؑ کی نظر میں حقیقی شیعہ وہ ہے جو اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے۔ کیونکہ روزِ قیامت اس کے حلال میں حساب، حرام میں عذاب اور شبہات میں عتاب و سرزنش ہوگی۔ اور اس امانت کی ادائیگی میں ذرا برابر بھی کوتاہی خیانت شمار ہوگی۔ اور خدا خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

''اللہ نے کہا کہ یہ قیامت کا دن ہے جب صادقین کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا کہ ان کے لئے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے اور

یہی ایک عظیم کامیابی ہے۔'' (المائدہ)

بنابریں اگر ہم اپنے قول وفعل میں سچے ہوں اور تمام تر غیر اخلاقی حرکتیں چھوڑ دیں تو اس میں نقصان ہی کیا ہے؟!

بارگاہِ ایزد متعال میں دست بدعا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے قول وفعل میں تضاد سے بچائے، اپنی اطاعت کی توفیق دے اور اپنی نافرمانی سے بچائے۔ بلاشبہ وہی تمام نعمتوں کا مالک ہے۔

پانچواں باب

قلبی ہم آہنگی کی ضرورت

اب تک ہم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں چار درس پڑھ چکے ہیں۔ یہ ہمارا پانچواں اور آخری درس ہے۔

امام زمانہؑ نے شیخ مفیدؒ کی جانب اپنے خط کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

و لو ان اشیاعنا (وفقهم الله لطاعته) على اجتماع من القلوب فى الوفاء بالعهد عليهم لما تاخر عنهم اليمن بلقائنا، ولتعجلت لهم السعادة بمشاهدتنا، على حق المعرفة وصدقها منهم بنا فما يحبسنا عنهم الا ما يتصل بنا مانكرهه ولانؤثره منهم، والله المستعان، وهو حسبنا و نعم الو كيل، وصلاته على سيدنا البشير محمد وآله الطاهرين وسلم

''(خدا ہمارے شیعوں کو اپنی اطاعت کی توفیق دے۔) اور وہ اپنے دلوں کی پوری طاقت کے ساتھ اس وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کرتے جو ان سے لیا گیا تھا تو وہ ہماری ملاقات کی برکت سے محروم نہ رہتے، اور انہیں اتنا ہی جلد ہماری زیارت کی سعادت نصیب ہوتی کہ جتنا وہ ہماری معرفت رکھتے اور جتنا اس کے معیار پر پورا اترتے۔ لہذا جو چیز ہمیں ان سے دور رکھے ہوئے ہے وہ ان کے برے اعمال ہیں جو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور ہم ان بدعملیوں کی ان کی طرف نسبت کو پسند نہیں کرتے۔ اور خدا ہی سے مدد کی درخواست کی جاسکتی ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اچھا مددکرنے والا ہے۔'' (الاحتجاج، ۲/ ۲۳۵)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حق کے پیروکاروں، امام زمانہ کے ظہور کا انتظار کرنے والوں، آپؑ کے دیدار

کی امید رکھنے والوں اور صبح وشام آپؑ کے ظہور کے لیے دعائیں کرنے والے جانتے ہیں کہ ان برکتوں میں تاخیر کے اسباب میں سے ایک سبب وہ خود ہیں۔

کیا انہیں معلوم ہے کہ جس ملاقات کے وہ منتظر ہیں اس میں تاخیر خود انہی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اُن کی آپس میں لاتعلقیاں، جھگڑے اور کینہ وعداوت ان کی اس محرومی کی اصل وجوہات ہیں۔ مثلاً الیکشن کے دنوں میں سیاسی مقام ومنصب کی لالچ میں لوگ ایک دوسرے کی توہین وتحقیر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نوبت گالم گلوچ اور بدزبانی تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح دینی منصب کے حصول میں بعض لوگ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جیسے مساجد میں امامت اور امام جمعہ یا کسی علاقے میں مجتہد کا نائب، بننے میں ایک دوسرے پر طنز وتنقید کی جاتی ہے۔ نیز معاشرے میں صاحب رائے بننے اور لوگوں کی نظر میں معزز بننے کے لیے بھی ایک دوسرے کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔

فتنہ پرور لوگ ایسے مواقع سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں لوگوں کے درمیان حسد وکینے کی آگ مزید بھڑکاتے ہیں۔ اس طریقے سے وہ جس کے ساتھ ظاہری ہمدردی کر رہے ہوتے ہیں ایک اور دھوکے کا نشانہ بناتے ہیں، اسے معاشرے کی نظروں میں گراتے ہیں اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں۔

محبت ونفرت خدا کے لیے

بعض لوگ اپنی ان برائیوں کو دین کے لبادے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ دین کے بہانے وہ اپنا فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

اوثق عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

''ایمان کی مضبوط ترین رسی خدا کے لیے محبت اور اسی کے لیے نفرت کرنا ہے۔''

پس جب یہ لوگ اپنے آپ کو ہی مغالطے میں رکھتے ہیں تو ان کا تمسک کس رسی کے ساتھ ہے اور اس کا مقابلہ خدا کی اس رسی کے ساتھ کرتے ہیں جو ہرگز ٹوٹنے والی نہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن کہتا ہے: بل الانسان علی نفسه بصیرة ''انسان اپنے دل کی حالت سے خوب واقف ہوتا ہے۔'' (سورۃ القیامہ: ۱۴)

علماء اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ ایک زمانے میں اکٹھے ہوتے، تو کیا وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے یا باہمی محبت والفت کا مظاہرہ کرتے؟ اگر جواب یہ ہے کہ وہ بالکل ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرتے اور محبت کے ساتھ رہتے۔ تو اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ

کیوں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونے کے باوجود ایک رائے پر قائم رہتے؟ یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا: چونکہ وہ سب خدا کے مخلص بندے ہیں اور ان سب کا ہدف ایک ہے اور وہ ہے خدا کی رضا کو حاصل کرنا۔ لیکن جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ اولادِ آدمؑ میں اتفاق نہیں۔ یہ مسلسل ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں اور اختلاف کرتے ہیں۔ مثلاً پہلے جناب ہابیلؑ و قابیل کے مابین کے اختلاف ہوا۔ یعنی جب حضرت ہابیلؑ کی نذر پوری ہوگئی تو قابیل نے انہیں جان سے مار دینے کی ٹھان لی۔ اور ہابیلؑ کہ جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی ہوئی تھی، بولا: اگر تو نے مجھے مارنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو بھی میں تجھے مارنے کی کوشش نہ کروں گا۔ کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

بالآخر قابیل کے بے لگام نفس کی سواری نے جہنم میں جا گرایا اور وہ اپنے بھائی کا قاتل بن بیٹھا۔

دنیا کی محبت

ان تمام تر برائیوں کی اصل دنیائے دوں کی محبت ہے۔ یہ کئی صورتوں میں سج کر انسان کے سامنے پیش ہوتی ہے اور پھر انسان کا بچنا تقریباً محال ہو جاتا ہے۔ جیسے مال و دولت کی کثرت، عورتوں کا فتنہ اور جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کی ہوس اس کی واضح مثالیں ہیں۔ پس اس ایک بیماری کے باعث وہ کسی اور بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے علماء اخلاقیات نے اسے اژدہا کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ اگر اس کا ایک سر کاٹ دیا جائے تو یہ کئی سر اور نکال لیتی ہے۔

میرے کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ فقط یہ نسل نو ہی اس بیماری کا شکار ہے۔ بلکہ یہ انسان کے نفس کے اندر خیر و شر کے باہم مقابلے کا بنیادی عنصر ہے جو کہ عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ انسان کے اندر کے اس عالم میں لشکرِ رحمت اور لشکرِ شیطان کے درمیان بہت بڑا مبارزہ ہوتا ہے۔

البتہ ہمارے اور قدیم نسلوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم اسلام اور تعلیماتِ اہل بیتؑ کے سائے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ اہلِ بیتؑ کہ جنہوں نے زندگی کے ہر ہر پہلو کے بارے میں مکمل وضاحت کی کہ اس میں کیا حق ہے اور کیا حق نہیں۔ اس کے بعد ہمارا رابطہ مرجعیت کے ساتھ ہے۔ لوگوں کی اصلاح و بہتری میں مرجعیت کا کردار بہت اہم ہے۔ اور ان شآء اللہ یہ اسی طرح اپنی ترقی کی منازل کی طرف گامزن رہے گی۔ اس طرح ہم تک احادیثِ شریفہ اور انسانیت کی راہنمائی کے لیے اعلیٰ ترین تعلیمات بہم پہنچتی رہیں گی۔

مومنین کے باہمی تعلقات

مومن کو خوش کرنا

روایات میں وارد ہوا ہے کہ مومن کا دل خوش کرنا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من سر مومنا فقد سرنی، و من سرنی فقد سر اللہ عز و جل ''جس نے مومن کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے خدائے عزوجل کو خوش کیا۔'' (وسائل: ۵۶۹/۶)

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ انسان کا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا نیکی ہے، اور اس سے تکلیف دور کرنا نیکی ہے۔ اور مومن کے دل میں سرور داخل کرنے سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ عمل ایسا نہیں جس سے خدا کی عبادت کی جا سکے۔ (حوالۂ سابق)

اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کوئی مومن اپنے بھائی کے سامنے تھوڑا مسکرا دے تو اس کا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا عمل ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے رسول اللہ بلکہ خدائے عزوجل کو خوشی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ مومنین کرام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایک دوسرے کی طرف بگڑے ہوئے چہرے سے دیکھ کر خود کو اس ثوابِ عظیم سے محروم کر دیتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

من ادخل علی مومن سرورا خلق اللہ من ذلك السرور خلقا فیلقاہ عند موته، فیقول له: ابشر یا ولی اللہ بکرامة من اللہ و رضوان، ثم لا یزال معه حتی یدخله قبره، فیقول له مثل ذلك، فاذا بعث تلقاہ فیقول له مثل ذلك، ثم لا یزال معه عند کل هول، و یبشره و یقول مثل ذلك، فیقول له: من انت یرحمك اللہ؟ فیقول: انا السرور الذی ادخلته علی فلان۔

''جو کسی مومن کا دل خوش کرے تو اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک مخلوق پیدا کرتا ہے۔ جو اس کی موت کے وقت اس سے ملتی ہے اور کہتی ہے: اے خدا کے دوست! تجھے خدا کی طرف کرامت و رضوان کی بشارت ہو، پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے یہاں تک کہ اسے قبر میں پہنچا دیتی ہے۔ اسی بشارت کا تکرار کرتی ہے۔ پھر جب اسے قبر سے اٹھایا جائے گا تو وہ مخلوق پھر اسے ملے گی اور یہی بشارت سنائے گی۔ پھر ہر سختی میں اس کے ساتھ رہے گی اور اسے یہ بشارت سناتی رہے گی۔ اس پر وہ اس مخلوق سے کہے گا: خدا تجھ پر رحم کرے، تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی: میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مومن کے دل میں داخل کی تھی۔'' (وسائل الشیعہ: ۵۷۱/۶)

اب دیکھیے مومن کو اس سرور کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ جو ہر مشکل مرحلے میں اس کے ساتھ ساتھ ہوگا کہ

جہاں کوئی دوسرا مونس و مددگار نہ ہوگا۔

مومنوں کے کام کرنا

روایات میں صاحبانِ ایمان کے کام کے لیے جدوجہد کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔خواہ وہ جدوجہد کسی نتیجے تک پہنچے یا نہ۔حتی کہ روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کے کام کے بارے میں فکرمند ہوتو اسے اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا:

ان الله عز و جل خلق خلقا انتجبهم لقضاء حوائج فقراء شيعتنا ،ليثيبهم على ذلك الجنة ، فان استطعت ان تكون منهم ،فكن

خدائے عزوجل نے کچھ لوگوں کو پیدا کیا اور انہیں ہمارے فقیر وضرورت مند شیعوں کے کام کرنے کے لیے چن لیا تاکہ اس کے بدلے میں انہیں جنت عطا کرے۔اور اگر تمہارے بس میں ہوتو تم بھی ایسے لوگوں میں شامل ہوجانا۔(وسائل الشیعہ، ج۶ / ۵۶۷)

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی مومن کے سامنے اس کے بھائی کی کوئی حاجت پیش ہو اور وہ اسے پورا نہ کرسکے،لیکن اس کا دل اس کے بارے میں فکرمند ہوجائے۔تو خدا اسی کے سبب اسے جنت میں داخل کردے گا۔(وسائل الشیعہ، ج۶،صفحہ:۵۶۷)

دور حاضر میں بہت سے لوگ ان تعلیماتِ اہل بیتؑ کو سنتے ہیں اور ان میں یہ کام کرنے کی استطاعت بھی موجود ہے۔لہذا ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کریں۔ہمیں محمد وآل محمدؐ کی ان پاکیزہ تعلیمات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ یہاں بیان ہوا ہے کہ جنت صرف مومن کا کام کرنے سے ہی نہیں ملتی ، بلکہ اگر کوئی شخص اپنے دل میں ہی مومن کی پریشانی کے بارے میں فکرمند ہوجائے تو وہ اسی کی وجہ سے جنت میں جاسکتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا: اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرنے میں سبقت کرو اور نیکی کرنے والے بن جاؤ۔ بے شک جنت کا ایک دروازہ ہے جسے معروف کہا جاتا ہے۔اس سے وہی شخص داخل ہوگا جس نے دنیا میں نیکی کی ہو۔جب کوئی شخص اپنے مومن بھائی کے کسی کام کے لیے نکلتا ہے۔تو اللہ تعالی اس کے دائیں اور بائیں دو فرشتے مقرر کردیتا ہے جو اس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں اور اس کی حاجت کے پورا ہونے کی دعا کرتے ہیں۔اس کے بعد فرمایا: خدا کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی ضرورت مند مومن کی حاجت پہنچتی تو اس سے آپؐ کو بہت خوشی ہوتی تھی۔(وسائل:۶/ ۵۷۷)

مومن کی پریشانی دُور کرنا

آج کے نازک اور مشکل دور میں بہت سے مومن پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آئمہ اہل بیتؑ کی روایات میں پریشان حال مومن کو تسکین پہنچانے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں:

ومن نفس عن مومن کربة نفس الله عنه سبعین کربة من کرب الآخرة و خرج من قبره و هو ثلج الفؤاد ، ومن اطعمه من جوع ،اطعمه الله من ثمار الجنة و من سقاه شربة سقاه الله من الرحیق المختوم

''جو شخص کسی مومن کی ایک تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی ستر تکلیفیں دور کرے گا۔ اور جب وہ اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا جگر ٹھنڈا ہوگا۔ اور جو کسی مومن کو کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھلوں سے سیر کرے گا اور جو کسی مومن کو پانی پلائے تو اللہ تعالیٰ اس کی پذیرائی رحیقِ مختوم سے کرے گا۔'' (وسائل الشیعہ : ۵۷۸/۶)

جب بندہ اپنے رب سے آخرت کی پریشانیوں سے بچنے کی دعا کرتا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کون سی چیزیں آخرت میں پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث ان دو میں سے ایک مکمل طور پر واضح کر کے بیان کرتی ہے۔ جیسے دعائے کمیل میں ہے: اللهم اغفر لی الذنوب التی تحبس الدعاء، ''اے اللہ! میرے وہ گناہ معاف کر جو دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بنتے ہیں۔'' اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعاً کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو دعا کے قبول ہونے میں مانع ہوتے ہیں۔ لہذا ان گناہوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے تاکہ ان سے اجتناب کیا جا سکے۔

مومنین کی قدر افزائی اور اُن کی آمد پر استقبال کرنا

مروی ہے کہ مومنوں کے آپس میں اچھے تعلقات ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ جو شخص اپنے کسی مومن بھائی کو مرحبا (خوش آمدید) کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک مرحبا کہنا لکھ دیتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص نے اپنے مومن بھائی کے ساتھ ایک کلمے کے ذریعے ہمدردی کرے اور اس کی تکلیف کو دور کر دے کیا تو جب تک وہ اس کے کام لگا رہے گا اللہ کی رحمت کے وسیع سائے میں رہے گا۔

دوسروں کے عیب چھپانا

دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنا واجبات میں سے ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: یجب للمومن علی المومن ان یستر علیه سبعین کبیرة ''ایک مومن کا دوسرے مومن پر واجب حق یہ ہے کہ وہ اس کے ستر کبیرہ گناہوں کو چھپائے۔'' (حوالہ سابق)

آج مومن کے مابین جو اختلاف موجود ہے وہ گناہِ کبیرہ کی حد تک نہیں۔ کیونکہ ان میں سے کوئی فحاشی یا شراب نوشی نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے درمیان صرف رائے کا اختلاف ہے۔ اور یہ ان کے درمیان لاتعلقی، کینہ وحسد اور منبر سے ہٹائے جانے کا سبب نہیں بنتا۔

باہمی تعاون کرنا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ تنہا چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے محروم کرتا ہے۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اس سلسلے میں کوتاہی پر متنبہ کیا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے کسی مومن بھائی کی مدد اور اس کا کام میں ساتھ دینے میں بخل کرے تو اللہ تعالی ایسے کام میں مبتلا کرے گا جس کا اسے گناہ ہوگا، ثواب نہ ہوگا۔

لہذا انسان جو کنجوسی کر کے بچالیتا ہے اور اسے اپنے مومن بھائی کی مدد میں خرچ نہیں کرتا۔ تو اسے وہی مال خدا کی نافرمانی میں ضائع کر کے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

زیادہ دوست بنانا

روایات میں زیادہ دوست بنانے کو اچھا عمل قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: من استفاد اخا فی الله استفاد بیتا فی الجنة ''جس نے خدا کے لیے کسی کو دوست بنایا اس نے جنت میں گھر بنا لیا۔'' امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: استکثروا من الاخوان، فان لکل مومن دعوة مستجابة، ''کثرت سے دوست، بھائی بناؤ۔ بے شک ہر مومن کی ایک دعا پوری ہوتی ہے۔ ایک مقام پر فرمایا: استکثروا من الاخوان، فان لکل مومن شفاعة، ''کثرت سے دوست بھائی بناؤ بے شک ہر مومن کے لیے حقِ شفاعت ہوتا ہے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا: اکثروا من مواخاة المومنین، فان لهم عندالله یکافئهم بها یوم القیامة ''زیادہ سے زیادہ مومنوں کا اپنا بھائی بناؤ۔ بے شک خدا کے یہاں ان کا ایک حق ہے، جو روزِ قیامت ان کے لیے کافی ہوگا۔''

(مصدر سابق)

مومنین کی تالیفِ قلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ تین انسان کے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ پیار کرنے کی نشانی ہیں: (۱) جب اس سے ملے تو کشادہ روئی کے ساتھ ملے، (۲) جب وہ کسی مجلس میں اس کے پاس بیٹھے تو اس کے لیے جگہ کشادہ کرے، (۳) اسے اس کے پسندیدہ نام سے پکارے۔ (اصول کافی جلد ۲، باب عشرین)

آئمہ طاہرینؑ نے سلام کو عام کرنے کی ترغیب دی اور سلام دینے میں بخل کرنے والے کو سب سے بڑا بخیل قرار دیا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا ارشاد فرماتا ہے: بے شک سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام دینے میں بخل کرے۔ امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے مومن کا جھوٹا پیے اور اس سے اس کا مقصد عاجزی وانکساری کا اظہار تو خدا اسے لازماً جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو اپنے بھائی کے سامنے مسکرائے خدا اس کے لیے ایک نیکی لکھ دے گا اور جس کے لیے وہ نیکی لکھ دے اسے عذاب نہیں دے گا۔ (وسائل الشیعہ ۸: ۴۸۳/۸)

حسن اخلاق اور لوگوں کے اچھا برتاؤ کرنے کے بارے میں بھی تعلیمات اہل بیتؑ کی واضح راہنمائی موجود ہے۔ جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مومن فرائض کے بعد لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آنے سے زیادہ کوئی بھی پسندیدہ چیز خدا کی طرف نہیں بھیجتا۔'' (الکافی: باب حسن الخلق)

امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن سے محبت کی جاتی ہے۔ اور اس انسان میں کوئی بھلائی نہیں جو محبت کرے مگر اس سے محبت نہ کی جائے۔

دوسروں کی غلطیاں معاف کرنا

بہت سی احادیث میں دوسروں کو معاف کرنے اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرو۔ بے شک معاف کرنا بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ لہذا ایک دوسرے کو معاف کیا کرو خدا تمہیں عزت دے گا۔

امام علی زین العابدین علیہ السلام نے اس فرمانِ الٰہی: فاصفح الصفح الجمیل کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد بغیر سرزنش کے معاف کرنا ہے۔ (میزان الحکمہ: ۲۶۶۸)

حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا: اذا قدرت علی عدوك فاجعل العفو شکرا للقدرة علیه، ''جب تم اپنے دشمن پر غلبہ حاصل کرلو تو اس غلبے پر (خدا کا) شکر ادا کرتے ہوئے اسے

معاف کردو۔'' (نہج البلاغہ: حکمت ۱۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں دنیا و آخرت کی بہترین صفت کے بارے میں نہ بتاؤں؟! (سنو) وہ صفت یہ ہے کہ جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کرو، جو قطعِ تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ نیکی کرو اور جو تجھے محروم رکھے اسے عطا کرو۔ (الکافی: باب العفو)

باہمی محبت کو فروغ دینا

مومنین کو چاہیے کہ وہ آپس میں محبت و ہمدردی کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحابؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا سے ڈرو اور ایک دوسرے کے نیک بھائی بن جاؤں۔ خدا کی خوشنودی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت، شفقت اور ہمدردی رکھنے والے۔ تم ایک دوسرے کو ملنے جایا کرو اور آپس میں میل ملاقات کرو اور ہمارے امر کا ذکر کر کے اسے زندہ کیا کرو۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: خدا اس شخص پر رحم کرے جو ہمارے دو ماننے والوں کے مابین الفت و محبت پیدا کرے۔ اے مومنو! ایک دوسرے سے پیار کیا کرو اور آپس میں رحم دل بنو۔ (بحار الانوار)

مصافحہ کا ثواب

مومنین کو مصافحہ دینا ایک فضیلت والا کام ہے۔ اس کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب دو مومن ایک دوسرے سے ملتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے درمیان خدا اپنا ہاتھ داخل کر دیتا ہے۔ اور ان میں سے اس پر بہت نوازش کرتا ہے کہ جو اپنے دوسرے مومن بھائی سے زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ پس جب خدا اپنی رحمت کا رخ ان کی طرف پھیرتا ہے تو ان کے گناہ اس طرح گرتے ہیں جیسے (خزاں کے موسم میں) درختوں کے پتے گرتے ہیں۔ (الکافی: باب المصافحہ)

مومن کی حرمت

مومن کی توہین حرام ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا تو آپؐ نے بارگاہِ خدا میں عرض کی: اے میرے ربّ! تیرے دربار میں ایک مومن کا کیا مقام ہے؟

ارشاد ہوا: اے محمدؐ! جس نے بھی میرے کسی بندے کی توہین کی وہ (گویا) جنگ میں مقابلے میں آ گیا۔ اور میں اپنے بندوں کی بہت جلد مدد کرتا ہوں۔

اہل بیت اطہارؑ جو کہ اپنے رب کے پیغام کے مبلغ اور اسے مکمل اخلاص و دیانت داری کے ساتھ خلقِ خدا تک پہنچانے والے ہیں۔ جب بندہ ان ذوات مقدسہؑ کی دنیا میں داخل ہوتا ہے یہ اسے ان عوالم قدسیہ کی طرف لے

جاتی ہے کہ جہاں اس کے دل پر پڑے ہوئے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور اس کا نفس پاک و پاکیزہ ہو جاتا ہے۔

محمدؐ و آل محمدؐ کے پہنچائے ہوئے الٰہی پیغام میں کچھ دینی شعائر بھی ہیں جو تمام مسلمانوں باہمی محبت اور اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔ یعنی شارع مقدس نے اُمت مسلمہ تک فقط تعلیمات و نصائح کے گراں بہا خزانے ہی نہیں بھیجے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کچھ اجتماعی شعائر و عبادات بھی مقرر کیں۔ تاکہ یہ ایک دوسرے سے بے گانہ و بے خبر نہ رہیں۔ اور امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کے بارے میں مکمل آگاہی ہو۔ جیسے یومیہ نمازیں، نمازِ جمعہ، جو کہ تمام علاقے والوں پر واجب ہوتا ہے۔ اور حج کہ جس میں پوری دنیا سے مسلمان ایک مقام پر اکٹھے ہو کر وحدتِ اُمت کا ثبوت دیتے ہیں۔

اسی طرح نمازِ عیدین اور جشن و مجالس کے پروگرامز کہ جن میں مسلمان خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی ملاقات سے بھی شرف یاب ہوتے ہیں۔ اس ملاقات کی برکت ان کے آپس میں پیدا ہونے والی غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ہر ایک کو دوسرے ملنے اور بات کرنے کا موقع ملتا ہے۔

بتایئے کیا اس اتنے اہتمام کے باوجود بھی آئمہ اہل بیتؑ کے ماننے والوں میں اختلافات، ایک دوسرے سے بغض و بیر اور بدکلامی جاری رہنا قابل افسوس نہیں؟! ہم ایک طرف تو محبتِ اہل بیتؑ میں مخلص ہونے کا دعوی کرتے ہیں، لیکن عمل کے میدان میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ مثلاً ہم اپنی سیاسی سرگرمیوں میں ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں اور دینی امور و معاشرتی اختلافات میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے اس طرزِ عمل نے اُمت مسلمہ کو ایسے تاریک گڑھے میں گرا دیا ہے جس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس وجہ سے ہمیں درج ذیل خطرات لاحق ہیں:

۱) یہ حالت اُمت مسلمہ کو کمزور اور اس کی طاقت کو زائل کر رہی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم اپنا وقت چند وہمی باتوں میں صرف کرنے لگے ہیں، جس کا لمحہ لمحہ قیمتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور (ہر قسم کی مصیبت و تکلیف میں) صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال)

۲) شکوک و شبہات کی وجہ سے انسان غیبت، تہمت اور مومنوں کی اہانت و تذلیل ایسے عظیم گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے۔

۳) اس حالت میں انسان کی زندگی سے سکون ختم ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ امام سجاد علیہ السلام کی مناجات میں آیا ہے: فان الشکوك والظنون لواقع الفتن ومکدرة لصفوة المنائح و المنن ''شکوک اور شبہات فتنے کھڑا کرتے ہیں اور نعمتوں و احسانات کی شفافیت کو مکدر کر دیتا ہے۔'' اور ان باتوں سے محفوظ رہنا خدا کی وہ نعمت ہے جو وہ چنتی بندوں کو عطا کرتا ہے۔

۴) اس کی وجہ سے دشمنوں کو ہمارے اوپر مسلط ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اگر ہم اپنی ہی حالت پر غور کریں۔ ہم اس ملک میں اکثریت میں ہیں لیکن ہمیں ہر وقت دشمن کی طرف کھٹکا رہتا ہے۔

۵) یہ حالت اسلام کی ترویج میں رکاوٹ اور امام زمانہؑ کے ظہور میں تاخیر کا سبب بنتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آج ہم ہوا و ہوس اور انانیت کی طرف کھنچے جاتے ہیں اور آپس میں محبت و تعاون کے حوالے سے آئمہ اہل بیتؑ کی تعلیمات کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اس کا انجام اتنا برا ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خدا ہمیں اور تمام مومنین کو اس سے اپنی امان میں رکھے۔ اور ہمیں ہر اس عمل سے بچائے جو امام زمانہؑ کی ناراضگی کا سبب ہو اور ہمیں آپؑ کی ملاقات سے محروم کرے۔ (آمین)

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطیبین الطاہرین

***

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں آخری خطبہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ وہ آپؐ کا مدینہ میں آخری خطبہ تھا اُس کے بعد آپؐ خدا کے جوارِ رحمت میں چلے گئے۔ اُس خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ایسی نصیحتیں کیں کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، دل ڈر گئے، جلدیں کانپنے لگیں اور سانسیں پھول گئیں۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ نمازِ باجماعت کی منادی کریں۔ کچھ ہی دیر میں لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ آپؐ بیت الشرف سے مسجد میں تشریف لائے اور آکر منبر پر جلوہ فگن ہوئے۔

پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میرے قریب آجاؤ اور پیچھے آنے والوں کو جگہ دو۔ آپؐ نے تین دفعہ یہ اعلان کیا تو آپؐ کا فرمان سن کر قریب ہوئے اور ایک دوسرے پر آ لگے۔ مگر جب اُنہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: اے لوگو! میرے قریب آجاؤ اور پیچھے آنے والوں کے لیے جگہ چھوڑ دو۔ تو ایک

شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہؐ! کس کے لیے جگہ کھلی چھوڑیں؟ آپؐ نے جواب دیا: فرشتوں کے لیے۔ جب وہ تمہاری کسی مجلس میں آتے ہیں تو نہ تمہارے آگے بیٹھتے ہیں اور نہ ہی پیچھے۔ بلکہ وہ تمہارے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں۔

کسی نے سوال کیا: یا رسول اللہؐ! وہ ہمارے آگے یا پیچھے کیوں نہیں بیٹھتے؟ آیا اِس وجہ سے کہ ہم اُن سے افضل ہیں؟ یا اِس وجہ سے کہ وہ ہم سے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں؟ تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ فرشتوںؑ سے افضل ہو، بیٹھ جاؤ، تو وہ شخص بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے اِس طرح اپنا خطاب شروع فرمایا:

خطبے کی ابتداء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نُؤْمِنُ بِهِ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِي اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلِ اللهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اُسی کی حمد کرتے ہیں، اُسی سے مدد چاہتے ہیں، اُسی پر ایمان رکھتے ہیں اور اُسی پر توکل کرتے ہیں۔ ہم اِس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے عبد اور رسول ہیں۔ ہم اپنے نفوس اور برے اعمال کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے خدا ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا گمراہ رہنے دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

توحید میں اخلاص اور تیس کذابوں کا ذکر

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ كَائِنٌ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ ثَلاَثُونَ كَذَّاباً أَوَّلُ مَنْ يَكُونُ مِنْهُمْ صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ مَنْ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصاً لَمْ يَخْلِطْ مَعَهَا غَيْرَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَامَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي وَ كَيْفَ يَقُولُهَا مُخْلِصاً لاَ يَخْلِطُ مَعَهَا غَيْرَهَا فَسِّرْ لَنَا هَذَا حَتَّى نَعْرِفَهُ فَقَالَ نَعَمْ حِرْصاً عَلَى الدُّنْيَا وَ جَمْعاً لَهَا مِنْ غَيْرِ حِلِّهَا وَ رَضًى بِهَا وَ أَقْوَامٌ يَقُولُونَ أَقَاوِيلَ الْأَخْيَارِ وَ يَعْمَلُونَ أَعْمَالَ الْجَبَابِرَةِ فَمَنْ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ الْخِصَالِ وَ هُوَ يَقُولُ- لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ فَإِنْ أَخَذَ الدُّنْيَا وَ تَرَكَ الْآخِرَةَ فَلَهُ النَّارُ

اے لوگو! اِس امت میں تیس کذاب (نبوت کے جھوٹے دعویدار) ہوں گے۔ سب سے پہلے صاحبِ صنعا (اسود عنسی) اور صاحب الیمامہ (مسیلمہ کذاب) ہوں گے۔ اے لوگو! جو شخص خدا کے پاس اِس حالت میں جائے کہ وہ خالص طور پر اِس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور وہ اِس کے ساتھ کسی اور چیز کو مخلوط نہ کرے۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اِس پر مولا علیؑ اپنے مقام پہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پہ قربان! بندہ اِس کلمہ کو خلوص کے ساتھ کس طرح کہے کہ اِس کے ساتھ کسی اور بات کو بیچ میں نہ لائے

۔ اِس کی تفسیر بتایئے تا کہ ہم اچھی طرح سمجھ لیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، سنیں! دنیا پہ حرص، اُسے غیر حلال طریقے سے جمع کرنے اور اُس پر راضی رہ کر (مخلوط نہ کرے) اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو باتیں نیک لوگوں جیسی کرتے ہی اور اُن کے اعمال ظالموں جیسے ہوتے ہیں۔ لہذا جو شخص اِس حالت میں خدا کے پاس جائے کہ اُس میں یہ برائیاں نہ ہوں اور وہ لا الہ الا اللہ کہہ رہا ہو تو اُس کا اجر جنت ہے۔ اور اگر وہ دنیا کو لے کر آخرت کو چھوڑ دے تو اُس کی سزا جہنم ہے۔

ظالم کی حمایت اور دنیادار کی خوشامد کا انجام

وَ مَنْ تَوَلَّى خُصُومَةَ ظَالِمٍ أَوْ أَعَانَهُ عَلَيْهَا نَزَلَ بِهِ مَلَكُ الْمَوْتِ بِالْبُشْرَى بِلَعْنَةِ اللهِ وَ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيهَا وَ بِئْسَ الْمَصِيرُ وَ مَنْ خَفَّ لِسُلْطَانٍ جَائِرٍ فِي حَاجَةٍ كَانَ قَرِينَهُ فِي النَّارِ وَ مَنْ دَلَّ سُلْطَاناً عَلَى الْجَوْرِ قُرِنَ مَعَ هَامَانَ وَ كَانَ هُوَ وَ السُّلْطَانُ مِنْ أَشَدِّ أَهْلِ النَّارِ عَذَاباً وَ مَنْ عَظَّمَ صَاحِبَ دُنْيَا وَ أَحَبَّهُ لِطَمَعِ دُنْيَاهُ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِ وَ كَانَ فِي دَرَجَتِهِ مَعَ قَارُونَ فِي الثَّابُوتِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

جو شخص کسی ظالم کے ظلم کی ذمہ داری اپنے سر لے، یا اُس کی مدد و حمایت کرے تو ملک الموت اُس کے پاس خدا کی لعنت اور جہنم کی وعید لے کر آئے گا۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہے گا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ جو شخص ظالم حکمران کے کسی کام کو آسان کرے گا وہ دوزخ میں اُس کے ساتھ ہوگا۔ جو شخص کسی حاکم کو ظلم کی راہ پر لگائے گا اُسے ہامان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ پھر وہ اور اُس کا حاکم تمام اہل جہنم کی نسبت شدید ترین عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ جو شخص کسی دنیادار کی تعظیم اور اُس سے دنیوی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے اُس سے محبت کرے اُس پر خدا کا غیظ و غضب نازل ہوگا۔ اور وہ اُس دنیادار کے درجہ میں قارون کے ساتھ جہنم کے سب سے نچلے تابوت میں ہوگا۔

ریاکاری کی عمارت بنانے کی سزا

وَ مَنْ بَنَى بُنْيَاناً رِيَاءً وَ سُمْعَةً حُمِّلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ ثُمَّ يُطَوَّقُهُ نَاراً تُوقَدُ فِي عُنُقِهِ ثُمَّ يُرْمَى بِهِ فِي النَّارِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ يَبْنِي رِيَاءً وَ سُمْعَةً قَالَ يَبْنِي فَضْلاً عَلَى مَا يَكْفِيهِ أَوْ يَبْنِي مُبَاهَاةً

جو شخص دوسروں کو دکھانے سنانے کے لیے عمارت (مکان) بنائے گا تو روزِ قیامت زمین کے ساتویں طبقے تک کا وزن اُس شخص پر رکھا جائے گا۔ پھر اُسے آگ کے طوق میں بدل کر اُس شخص کی گردن میں ڈالا جائے اور اُس کے بعد اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! یہ دوسروں کو دکھانے سنانے کے لیے مکان بنانے سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: اِس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ضرورت سے زیادہ بڑا مکان بنا لے، یا دوسروں پر فخر و مباہات کرنے کے لیے بنائے۔

مزدور کی اُجرت میں ناانصافی اور ہمسائے کی ایک بالشت زمین دبا لینے کی سزا

وَ مَنْ ظَلَمَ أَجِيراً أَجْرَهُ أَحْبَطَ اللهُ عَمَلَهُ وَ حَرَّمَ عَلَيْهِ رِيحَ الْجَنَّةِ وَ رِيحُهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ - وَ مَنْ خَانَ جَارَهُ شِبْراً مِنَ الْأَرْضِ طَوَّقَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ نَاراً حَتَّى تُدْخِلَهُ نَارَ جَهَنَّمَ

جو شخص مزدور کی اجرت ادا کرنے میں زیادتی کرے گا تو خدا اُس کا عمل ضائع کر دے اور اُس پر جنت کی خوشبو تک حرام کر دے گا۔ حالانکہ وہ پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ جو شخص خیانت کرتے ہوئے اپنے ہمسائے کی ایک بالشت زمین دبا لے تو اللہ روز قیامت اُس زمین کے ساتویں طبقے تک آگ کا طوق بنا کر اُس کے گلے میں ڈالے گا۔ حتی وہ (غصبی زمین) اُسے جہنم میں پہنچا دے گی۔

قرآن سیکھ کر بھلا دینے کا انجام

وَ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ مُتَعَمِّداً لَقِيَ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَجْذُوماً مَغْلُولاً وَ يُسَلِّطُ اللهُ عَلَيْهِ بِكُلِّ آيَةٍ حَيَّةً مُوَكَّلَةً بِهِ وَ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ وَ آثَرَ عَلَيْهِ حُبَّ الدُّنْيَا وَ زِينَتَهَا اِسْتَوْجَبَ سَخَطَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ كَانَ فِي الدَّرَجَةِ مَعَ الْيَهُودِ وَ النَّصَارَى الَّذِينَ يَنْبِذُونَ كِتَابَ اللهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

جو شخص قرآن سیکھنے کے بعد جان بوجھ کر اُسے بھلا دے تو وہ جذام زدہ خدا کی پاس آئے گا۔ اُس کے ہاتھ بندھے ہوں گے اور خدا ہر آیت کے بدلے ایک سانپ اُس پر مسلط کرے گا۔ جس کا کام صرف اُسی کو ڈسنا ہوگا۔ جو شخص قرآن سیکھ کر اُس پر عمل کرنے کی بجائے اُس پر دنیا کی محبت و زینت کو مقدم کرے تو وہ خدا کے غضب کا شکار ہو گا۔ اور اُس کا حشر اُن یہود و نصاری کے ساتھ ہوگا۔ جو کتابِ خدا کو پس پشت ڈالتے ہیں۔

فعلِ بد کی ہولناک سزائیں

وَ مَنْ نَكَحَ اِمْرَأَةً حَرَاماً فِي دُبُرِهَا أَوْ رَجُلاً أَوْ غُلاَماً حَشَرَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْتَنَ مِنَ الْجِيفَةِ يَتَأَذَّى بِهِ النَّاسُ حَتَّى يَدْخُلَ جَهَنَّمَ وَ لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفاً وَ لاَ عَدْلاً وَ أَحْبَطَ اللهُ عَمَلَهُ وَ يَدَعُهُ فِي تَابُوتٍ مَشْدُودٍ بِمَسَامِيرَ مِنْ حَدِيدٍ وَ يُضْرَبُ عَلَيْهِ فِي التَّابُوتِ بِصَفَائِحَ حَتَّى يَشْبِكَ فِي تِلْكَ الْمَسَامِيرِ فَلَوْ وُضِعَ عِزْقٌ مِنْ عُرُوقِهِ عَلَى أَرْبَعِمِائَةِ أَلْفِ أُمَّةٍ لَمَاتُوا جَمِيعاً وَ هُوَ مِنْ أَشَدِّ أَهْلِ النَّارِ عَذَاباً

جو شخص کسی ایسی عورت کے ساتھ پیچھے سے بدفعلی کرے جو اُس پر حرام ہو، یا مرد کے ساتھ، یا لڑکے کے ساتھ تو روزِ قیامت خدا اُسے اِس حال میں محشور کرے گا کہ وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوگا اور تمام لوگ اُس کی بدبو سے اذیت محسوس کریں گے۔ حتی کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے۔ خدا اُس کے بارے میں کوئی سفارش یا فدیہ قبول

نہیں کرے گا۔ اور اُس کے تمام اعمال کو ضائع کر کے اُسے ایک تابوت میں بند کر دے گا۔ جسے ہر طرف سے لوہے کی کیلیں لگی ہوں گی۔ اُس تابوت میں اُسے لوہے کی وزنی چادروں سے اتنا مارا جائے گا کہ وہ اُس کی کیلوں میں پھنس کر رہ جائے گا۔ پھر اگر اُس کی رگوں میں سے کوئی رگ چار سو لوگوں پر رکھی جائے گی تو وہ سب (اُس کی ہیبت سے) مرجائیں گے۔ اور اُس پر جہنم میں سب سے سخت عذاب ہوگا۔

بدکاری کا خوفناک انجام

وَ مَنْ زَنَى بِامْرَأَةٍ يَهُودِيَّةٍ أَوْ نَصْرَانِيَّةٍ أَوْ مَجُوسِيَّةٍ أَوْ مُسْلِمَةٍ حُرَّةً أَوْ أَمَةً أَوْ مَنْ كَانَتْ مِنَ النَّاسِ فَتَحَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِ فِي قَبْرِهِ ثَلاَثَمِائَةِ أَلْفِ بَابٍ مِنَ النَّارِ تَخْرُجُ عَلَيْهِ مِنْهَا حَيَّاتٌ وَ عَقَارِبُ وَ شُهُبٌ مِنْ نَارٍ فَهُوَ يَحْتَرِقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَتَأَذَّى النَّاسُ مِنْ نَتْنِ فَرْجِهِ فَيُعْرَفُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُؤْمَرَ بِهِ إِلَى النَّارِ فَيَتَأَذَّى بِهِ أَهْلُ الْجَمْعِ مَعَ مَا هُمْ فِيهِ مِنْ شِدَّةِ الْعَذَابِ لِأَنَّ اللهُ حَرَّمَ الْمَحَارِمَ وَ مَا أَحَدٌ أَغْيَرَ مِنَ اللهِ وَ مِنْ غَيْرَتِهِ أَنَّهُ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَ حَدَّ الْحُدُودَ

جو شخص کسی یہودیہ، یا نصرانیہ، یا مجوسیہ، آزاد مسلمہ، یا کنیز، یا کسی بھی عورت کے ساتھ فعل بد کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کی قبر میں جہنم کے تین سو دروازے کھولے گا۔ جن سے سانپ، بچھو اور آگ کے شعلے اُس کی جانب بڑھیں گے۔ پھر وہ قیامت تک اِسی طرح جلتا رہے گا اور اُس کی شرمگاہ کی بدبو سے دوسرے لوگ اذیت میں ہوں گے۔ روزِ قیامت اُسے سب کے سامنے لایا جائے گا اور اُس کے بعد اُسے جہنم میں ڈالنے کا فرمان صادر کیا جائے گا۔ تو تمام اہل محشر اپنا سخت عذاب میں مبتلا ہونا بھول جائیں گے اور اُس سے اذیت محسوس کریں گے۔ کیونکہ حرام چیزوں کو حرام کرنے والا اللہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر غیرت مند کون ہوسکتا ہے؟ یہ الٰہی غیرت کا تقاضا ہے کہ اُس نے فحاشی اور برائی کے کاموں کو حرام کیا اور اپنی طرف سے حدیں مقرر کی ہیں۔

ہمسائے کے گھر میں جھانکنے کی سزا

وَ مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ جَارِهِ فَنَظَرَ إِلَى عَوْرَةِ رَجُلٍ أَوْ شَعْرِ امْرَأَةٍ أَوْ شَيْءٍ مِنْ جَسَدِهَا كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ النَّارَ مَعَ الْمُنَافِقِينَ الَّذِينَ كَانُوا يَتَتَبَّعُونَ عَوْرَاتِ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا وَ لاَ يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَفْضَحَهُ اللهُ وَ يُبْدِيَ عَوْرَتَهُ لِلنَّاسِ فِي الْآخِرَةِ

جو شخص اپنے ہمسائے کے گھر جھانک کر دیکھے اور اُس کی نظر مرد کی شرمگاہ، یا عورت کے بالوں یا اُس کے جسم کے کسی حصے پر پڑ جائے تو خدا کو حق حاصل ہے کہ اُسے جہنم میں اُن منافقوں کے ساتھ رکھے کہ جو دنیا میں لوگوں کے عیوب تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ خدا اُسے ذلیل کر کے دنیا سے اُٹھائے گا اور آخرت میں سب لوگوں کے

سامنے اُس کا پردہ اترا ہوا ہوگا۔

ناشکری اور تکبر کا انجام

وَ مَنْ سَخِطَ بِرِزْقِهٖ وَ بَثَّ شَكْوَاهُ وَ لَمْ يَصْبِرْ لَمْ تُرْفَعْ لَهُ إِلَى اللهِ حَسَنَةٌ وَ لَقِيَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ وَ مَنْ لَبِسَ ثَوْباً فَاخْتَالَ فِيهِ خَسَفَ اللهُ بِهِ قَبْرَهُ مِنْ شَفِيرِ جَهَنَّمَ يَتَخَلْخَلُ فِيهَا مَا دَامَتِ اَلسَّمَاوَاتُ وَ اَلْأَرْضُ فَإِنَّ قَارُونَ لَبِسَ حُلَّةً فَاخْتَالَ فِيهَا فَخُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَخَلْخَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ اَلْقِيَامَةِ وَ مَنْ نَكَحَ اِمْرَأَةً بِمَالٍ حَلَالٍ غَيْرَ أَنَّهُ أَرَادَ بِهَا فَخْراً وَ رِيَاءً لَمْ يَزِدْهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِذَلِكَ إِلاَّ ذُلاًّ وَ هَوَاناً وَ أَقَامَهُ اللهُ بِقَدْرِ مَا اِسْتَمْتَعَ مِنْهَا عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ ثُمَّ يَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ خَرِيفاً

جو شخص اپنے رزق پر ناشکری کرے گا اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شکوہ کرے گا۔ تو اُس کی کوئی نیکی خدا کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گی اور جب وہ خدا کے حضور پیش ہوگا۔ تو اُسے خدا کے قہر و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص کوئی لباس پہن کر فخر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی قبر کو جہنم کے گڑھے میں گرا دے گا۔ اور جب تک آسمان و زمین باقی ہیں وہ اُسی میں گلتا سڑتا رہے گا۔ بے شک قارون نے بھی لباس پہن کر فخر کیا تھا تو اُسے زمین نگل گئی اور اب وہ تا قیامت اُس میں پڑا رہے گا۔ جو شخص کسی عورت کے ساتھ حلال مال سے نکاح کرے۔ مگر وہ اُس کے ساتھ نکاح کر کے فخر، یا دکھاوا کرنا چاہتا ہو تو اُس کی ذلت و تحقیر میں اضافہ کر دے گا۔ اور جتنا عرصہ وہ اُس کے ساتھ زندگی گزارے گا اُسے جہنم کے کنارے پر رکھے گا۔ پھر اُسے ستر سالوں کے جہنم میں گرا دے گا۔

بیوی کا حق کھانے اور گواہی سے پھر جانے کا انجام

وَ مَنْ ظَلَمَ اِمْرَأَةً مَهْرَهَا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ زَانٍ وَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ عَبْدِي زَوَّجْتُكَ أَمَتِي عَلَى عَهْدِي فَلَمْ تَفِ لِي بِالْعَهْدِ- فَيَتَوَلَّى اللهُ طَلَبَ حَقِّهَا فَيَسْتَوْعِبُ حَسَنَاتِهِ كُلَّهَا فَلاَ تَفِي بِحَقِّهَا فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى اَلنَّارِ وَ مَنْ رَجَعَ عَنْ شَهَادَتِهِ وَ كَتَمَهَا أَطْعَمَهُ اللهُ لَحْمَهُ عَلَى رُءُوسِ اَلْخَلاَئِقِ وَ يُدْخِلُهُ اَلنَّارَ وَ هُوَ يَلُوكُ لِسَانَهُ وَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اِمْرَأَتَانِ وَ لَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا فِي اَلْقَسْمِ مِنْ نَفْسِهِ وَ مَالِهِ جَاءَ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ مَغْلُولاً مَائِلاً شِقُّهُ حَتَّى يَدْخُلَ اَلنَّارَ

جو شخص بیوی کا حق ادا نہ کرے تو وہ خدا کے نزدیک زانی و بدکار شمار ہوگا۔ اور قیامت کے دن خدا اُس سے کہے گا: اے میرے بندے! میں نے اپنی کنیز اپنے عہد کے مطابق تمہاری زوجیت میں دی۔ مگر تو نے میرا عہد پورا نہ کیا۔ پھر خدا خود اُس عورت کے حق کا مطالبہ کرے گا۔ پہلے خدا اُس کی ساری نیکیاں ضبط کرے گا۔ جب اُس سے بھی عورت کا حق پورا نہ ہوگا تو اُسے جہنم میں ڈالنے کا حکم صادر کیا جائے گا۔ جو شخص اپنی گواہی سے پھر جائے اور اُسے چھپا لے۔ تو خدا سب کے سامنے اُسے اپنا گوشت نوچوائے گا اور اُسے جہنم میں داخل کر دے گا۔ وہ اُس وقت اپنی

زبان باہر لٹکائے ہوگا۔جس شخص کی دو بیویاں اور اُنہیں توجہ و مال دینے میں انصاف سے کام نہ لے تو روز قیامت اُس کو ہاتھوں سے باندھ کر لایا جائے گا۔اُس کا ایک حصہ دوسری طرف پھرا ہوگا۔

ہمسائے اور نادار مومن کے حقوق اور گناہوں سے بچنا

وَمَنْ كَانَ مُؤْذِياً لِجَارِهِ مِنْ غَيْرِ حَقٍّ حَرَّمَهُ اللهُ رِيحَ الْجَنَّةِ وَمَأْوَاهُ النَّارُ أَلاَ وَإِنَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَسْأَلُ الرَّجُلَ عَنْ حَقِّ جَارِهِ وَمَنْ ضَيَّعَ حَقَّ جَارِهِ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ أَهَانَ فَقِيراً مُسْلِماً مِنْ أَجْلِ فَقْرِهِ وَاسْتَخَفَّ بِهِ فَقَدِ اسْتَخَفَّ بِحَقِّ اللهِ وَلَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَسَخَطِهِ حَتَّى يُرْضِيَهُ وَمَنْ أَكْرَمَ فَقِيراً مُسْلِماً لَقِيَ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ يَضْحَكُ إِلَيْهِ وَمَنْ عَرَضَتْ لَهُ دُنْيَا وَآخِرَةٌ فَاخْتَارَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ لَقِيَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَيْسَتْ لَهُ حَسَنَةٌ تَتَّقِي بِهَا النَّارَ وَمَنْ أَخَذَ الْآخِرَةَ وَتَرَكَ الدُّنْيَا لَقِيَ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ رَاضٍ عَنْهُ وَمَنْ قَدَرَ عَلَى امْرَأَةٍ أَوْ جَارِيَةٍ حَرَاماً فَتَرَكَهَا مَخَافَةَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ النَّارَ وَآمَنَهُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ وَإِنْ أَصَابَهَا حَرَاماً حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَأَدْخَلَهُ النَّارَ

جو شخص اپنے ہمسائے کو ناحق اذیت دے۔تو خدا اُس پر جنت کی خوشبو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔یاد رکھو کہ خدا انسان سے اُس کے ہمسائے کے حق کے بارے میں ضرور سوال کرے گا۔جو ہمسائے کے حق کا لحاظ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔جو کسی مسلمان کے فقر و تنگدست ہونے کی وجہ سے اُس کی توہین کرے اور اُسے کم تر سمجھے۔تو اُس نے گویا خدا کے حق کو کم تر جانا اور جب تک وہ اُسے راضی نہ کر لے،خدا کے غضب کا شکار رہے گا۔جو شخص کسی مسلمان فقیر کی عزت و احترام کرے تو روزِ قیامت جب خدا کے پاس جائے گا تو اُس کی خوشنودی حاصل کرے گا۔

جس شخص کے سامنے دنیا و آخرت دونوں پیش کی جائیں اور وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کا انتخاب کرے۔جب وہ خدا کے حضور جائے گا تو اُس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ ہوگی۔جس سے وہ جہنم سے بچ سکے۔لیکن جو شخص دنیا کو چھوڑ کر آخرت کا انتخاب کرے تو وہ جب خدا کے پاس جائے گا تو خدا اُس سے راضی ہوگا۔جو شخص کسی آزاد عورت یا کنیز کے ساتھ فعلِ حرام انجام دینے کا موقع پالے اور خدا کے خوف سے چھوڑ دے۔تو خدا اُس پر دوزخ حرام کر دے گا،اُسے بڑی ہولناکی سے نجات دے کر جنت میں داخل کرے گا۔اور اگر اُس نے فعل حرام کیا تو خدا اُس پر جنت حرام کر کے جہنم بھیج دے گا۔

مالِ حرام کی نحوست، نامحرم کے ساتھ تعامل، خرید وفروخت میں دھوکہ اور ہمسایے کی مدد نہ کی سزا

وَ مَنِ اِکْتَسَبَ مَالاً حَرَاماً لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ مِنْہُ صَدَقَۃً وَ لاَ عِتْقاً وَ لاَ حَجّاً وَ لاَ اِعْتِمَاراً وَ کَتَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ بِعَدَدِ أَجْرِ ذٰلِکَ أَوْزَاراً وَ مَا بَقِیَ مِنْہُ بَعْدَ مَوْتِہِ کَانَ زَادَہُ إِلَی اَلنَّارِ وَ مَنْ قَدَرَ عَلَیْہَا وَ تَرَکَہَا مَخَافَۃَ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ کَانَ فِی مَحَبَّۃِ اللّٰہِ وَ رَحْمَتِہِ وَ یُؤْمَرُ بِہِ إِلَی اَلْجَنَّۃِ وَ مَنْ صَافَحَ اِمْرَأَۃً حَرَاماً جَاءَ یَوْمَ اَلْقِیَامَۃِ مَغْلُولاً ثُمَّ یُؤْمَرُ بِہِ إِلَی اَلنَّارِ وَ مَنْ فَاکَہَ اِمْرَأَۃً لاَ یَمْلِکُہَا حُبِسَ بِکُلِّ کَلِمَۃٍ کَلَّمَہَا فِی اَلدُّنْیَا أَلْفَ عَامٍ فِی اَلنَّارِ وَ اَلْمَرْأَۃُ إِذَا طَاوَعَتِ اَلرَّجُلَ فَالْتَزَمَہَا أَوْ قَبَّلَہَا أَوْ بَاشَرَہَا حَرَاماً أَوْ فَاکَہَا أَوْ أَصَابَ مِنْہَا فَاحِشَۃً فَعَلَیْہَا مِنَ اَلْوِزْرِ مَا عَلَی اَلرَّجُلِ فَإِنْ غَلَبَہَا عَلَی نَفْسِہَا کَانَ عَلَی اَلرَّجُلِ وِزْرُہُ وَ وِزْرُہَا وَ مَنْ غَشَّ مُسْلِماً فِی بَیْعٍ أَوْ شِرَاءٍ فَلَیْسَ مِنَّا وَ یُحْشَرُ مَعَ اَلْیَہُودِ یَوْمَ اَلْقِیَامَۃِ لِأَنَّہُ مَنْ غَشَّ اَلنَّاسَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ وَ مَنْ مَنَعَ اَلْمَاعُونَ مِنْ جَارِہِ إِذَا احْتَاجَ إِلَیْہِ مَنَعَہُ اللّٰہُ فَضْلَہُ یَوْمَ اَلْقِیَامَۃِ وَ وَکَلَہُ إِلَی نَفْسِہِ وَ مَنْ وَکَلَہُ اللّٰہُ إِلَی نَفْسِہِ ہَلَکَ وَ لاَ یَقْبَلُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ لَہُ عُذْراً

جو شخص حرام طریقے سے مال کمائے تو اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی بھی صدقہ، غلام آزاد کرنا اور حج وعمرہ (وغیرہ) قبول نہ کرے گا اور اُن عبادت کے اجر کی تعداد اُس کے گناہ لکھے گا۔ اور اُس کے حرام مال میں سے جو موت کے وقت باقی ہوگا۔ وہ اُسے جہنم تک پہنچانے کا زادِ راہ بن جائے گا۔ مگر جو شخص حرام کمانے پر قدرت رکھنے کے باوجود خدا کے خوف کی وجہ سے اُسے ترک کر دے گا تو وہ خدا کی محبت اور سایۂ رحمت میں ہوگا اور اُسے جنت میں داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ جو شخص کسی غیر محرم عورت کے ساتھ ہاتھ ملائے تو روزِ قیامت اُس کے ہاتھ باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ پھر اُسے جہنم میں داخل کرنے کا حکم سنایا جائے گا۔

جو شخص کسی عورت سے مذاق کرے جو اُس کی مملوکہ نہ ہو تو مذاق کے ہر ہر لفظ کے بدلے دنیا کے ایک ہزار سال اُسے جہنم میں رکھا جائے گا۔ اگر کوئی عورت کسی مرد پر جھکے اور وہ اُسے گلے لگا لے، یا اُس کا بوسہ لے، یا اُس کے ساتھ فعلِ حرام انجام دے، یا اُس کے ساتھ ہنسی مزاح کرے، یا اُس کے ساتھ کوئی دوسرا فحش کام کرے۔ تو جو عذاب مرد کا ہوگا وہی اُس عورت کا ہوگا۔ لیکن اگر مرد اُسے مغلوب کرے تو اپنے ساتھ عورت کا گناہ بھی مرد کے سر ہو گا۔ جو شخص خرید وفروخت میں کسی مسلمان کو دھوکہ دے تو وہ ہم میں سے نہیں، اور قیامت کے دن اُسے یہودیوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ کیونکہ جو لوگوں کو دھوکہ دے وہ مسلمان نہیں۔ جو شخص اپنے ہمسائے کو استعمال کی چیز ضرورت کے وقت نہ دے۔ تو قیامت کے دن خدا اُسے اپنے فضل وکرم سے محروم رکھے گا۔ اور اُسے اُس کے نفس کے حوالے کر دے گا۔ جسے خدا اُس کے نفس کے حوالے کر دے وہ ہلاکت میں پڑے گا اور خدا اُس کا کوئی عذر قبول نہیں کرے گا۔

بیوی کا شوہر کو اذیت دینے، مرد کا بیوی کا تکلیف پہنچانے اور دل میں مومن کا کینہ رکھنے کا انجام

وَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اِمْرَأَةٌ تُؤْذِيهِ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ صَلاَتَهَا وَ لاَ حَسَنَةً مِنْ عَمَلِهَا حَتَّى تُعِينَهُ وَ تُرْضِيَهُ وَ إِنْ صَامَتِ اَلدَّهْرَ وَ قَامَتْ وَ أَعْتَقَتِ اَلرِّقَابَ وَ أَنْفَقَتِ اَلْأَمْوَالَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَ كَانَتْ أَوَّلَ مَنْ يَرِدُ اَلنَّارَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ عَلَى اَلرَّجُلِ مِثْلُ ذَلِكَ اَلْوِزْرِ وَ اَلْعَذَابِ إِذَا كَانَ لَهَا مُؤْذِياً ظَالِماً وَ مَنْ لَطَمَ خَدَّ مُسْلِمٍ لَطْمَةً بَدَّدَ اللهُ عِظَامَهُ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ ثُمَّ سَلَّطَ عَلَيْهِ اَلنَّارَ وَ حَقَّرَهُ مَغْلُولاً حَتَّى يَدْخُلَ اَلنَّارَ وَ مَنْ بَاتَ وَ فِي قَلْبِهِ غِشٌّ لِأَخِيهِ اَلْمُسْلِمِ بَاتَ فِي سَخَطِ اللهِ وَ أَصْبَحَ كَذَلِكَ وَ هُوَ فِي سَخَطِ اللهِ حَتَّى يَتُوبَ وَ يَرْجِعَ وَ إِنْ مَاتَ كَذَلِكَ مَاتَ عَلَى غَيْرِ دِينِ اَلْإِسْلاَمِ

اگر کسی شخص کی بیوی اُسے اذیت پہنچاتی ہو تو خدا اُس کی نماز اور کوئی بھی اچھا عمل قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اُس کی مدد کرے اور اُسے راضی کرے، خواہ وہ سارا سارا دن روزے سے رہے، رات کو قیام کرے، غلام آزاد کرے اور راہِ خدا میں اَموال خرچ کرے۔ (اِتنے اچھے اعمال کے باوجود صرف شوہر کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے) وہ سب سے پہلے جہنم میں جائے گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مرد عورت کو ایذاء پہنچائے اور اُس پر ظلم کرے تو اُس کے لیے بھی یہی وبال وعذاب ہے۔ جو کسی مسلمان کے منہ پہ طمانچہ مارے تو قیامت کے دن خدا اُس کی ہڈیاں توڑ دے گا۔ پھر اُس پر آگ مسلط کر دے گا اور اُسے بندھے ہاتھوں محشور کرے گا۔ حتی کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جو شخص اپنے دل میں مسلمان بھائی کا کینہ رکھ کر سوئے تو اُس کی رات خدا کے غضب میں گزرے گی۔ اگر اِسی حالت میں اُسے صبح ہو جائے تو بھی خدا کے غیظ وغضب کے نشانہ پر ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور اپنے گناہ سے باز آ جائے۔ اور اگر وہ کسی مومن کا کینہ دل میں رکھ کر دنیا سے چلا جائے تو اُس کی موت دینِ اِسلام پر نہ ہو گی۔

دھوکہ دہی اور ظالم کی مدد کرنے کی مذمت

ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ أَلاَ وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا قَالَهَا ثَلاَثَ مَرَّاتٍ وَ مَنْ عَلَّقَ سَوْطاً بَيْنَ يَدَيْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ جَعَلَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ حَيَّةً طُولُهَا سِتُّونَ أَلْفَ ذِرَاعٍ فَتُسَلَّطُ عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيهَا مُخَلَّداً

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ہمارے ساتھ کینہ رکھے وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔ آپؐ نے یہ جملہ تین دفعہ دہرایا۔ جو شخص ظالم حاکم کے سامنے کوڑا لٹکائے تو خدا اُسے ایسے سانپ میں بدل دے گا۔ جس کی لمبائی ستر ہزار گز ہو گی۔ جو آتشِ جہنم میں اُس پر مسلط کیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

غیبت کا گناہ، غصے پر صبر کا ثواب اور فقیر ومحتاج کے ساتھ زیادتی کرنے کی سزا

وَ مَنِ اِغْتَابَ أَخَاهُ اَلْمُسْلِمَ بَطَلَ صَوْمُهُ وَ نُقِضَ وُضُوؤُهُ فَإِنْ مَاتَ وَ هُوَ كَذَلِكَ مَاتَ وَ هُوَ مُسْتَحِلٌّ لِمَا حَرَّمَ اللهُ وَ مَنْ مَشَى فِي نَمِيمَةٍ بَيْنَ اِثْنَيْنِ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِ فِي قَبْرِهِ نَاراً تُحْرِقُهُ إِلَى يَوْمِ اَلْقِيَامَةِ وَ إِذَا خَرَجَ مِنْ قَبْرِهِ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِ تِنِّيناً أَسْوَدَ تَنْهَشُ لَحْمَهُ حَتَّى يَدْخُلَ اَلنَّارَ وَ مَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ وَ عَفَا عَنْ أَخِيهِ اَلْمُسْلِمِ وَ حَلُمَ عَنْ أَخِيهِ اَلْمُسْلِمِ أَعْطَاهُ اللهُ تَعَالَى أَجْرَ شَهِيدٍ وَ مَنْ بَغَى عَلَى فَقِيرٍ أَوْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِ أَوِ اِسْتَحْقَرَهُ حَشَرَهُ اللهُ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ مِثْلَ اَلذَّرَّةِ فِي صُورَةِ رَجُلٍ حَتَّى يَدْخُلَ اَلنَّارَ

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرے اُس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو وہ خدا کے حرام کو حلال ماننے والا ہو کر مرے گا۔ جو شخص دو افراد کے درمیان چغل خوری کرے تو اللہ تعالیٰ قبر میں اُس پر آگ مسلط کرے گا۔ تو اُسے تا قیامت جلاتی رہے گی۔ اور جب وہ قبر سے باہر آئے تو اُس پر سیاہ اژدھا مسلط کرے گا۔ جو اُس کا گوشت نوچتا رہے گا، یہاں تک کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جو شخص اپنے غصے پر قابو رکھے، اپنے مسلمان بھائی کی غلطی سے درگزر کرے اور اُس کی کوتاہی برداشت کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے شہید کے برابر اَجر عطا کرے گا۔ جو شخص کسی فقیر ومحتاج کے ساتھ زیادتی کرے، یا اُس پر تکبر ظاہر کرے، یا اُسے کم تر جانے تو اُسے انسانی شکل میں چیونٹی جیسی باریک جسامت میں محشور کرے گا۔ وہ میدانِ حشر میں اِسی حالت میں ہوگا یہاں تک کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

مومن کی غیبت کو روکنا

وَ مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غِيبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ رَدَّ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ اَلشَّرِّ فِي اَلدُّنْيَا وَ اَلْآخِرَةِ فَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَنْهُ وَ أَعْجَبَ بِهِ كَانَ عَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنِ اِغْتَابَ وَ مَنْ رَمَى مُحْصَناً أَوْ مُحْصَنَةً أَحْبَطَ اللهُ عَمَلَهُ وَ جَلَدَهُ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ وَ تَنْهَشُ لَحْمَهُ حَيَّاتٌ وَ عَقَارِبُ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِ إِلَى اَلنَّارِ

جو شخص کسی محفل میں اپنے (مومن) بھائی کی غیبت روکے تو اللہ تعالیٰ اُس سے دنیا وآخرت میں ہزار شر کے دروازے بند کرے گا۔ اور اگر وہ اُس کی غیبت کو نہ روکے اور اُس پر خوش ہو تو اُس پر بھی غیبت کرنے والے شخص کے برابر گناہ کا بوجھ ہوگا۔ جو شخص کسی پاکدامن مرد یا عورت پر بہتان لگائے تو خدا اُس کے سارے اعمال ضائع کر دے گا اور قیامت کے دن ستر ہزار فرشتے اُسے آگے اور پیچھے سے کوڑے لگائیں گے۔ سانپ اور بچھو اُس کا گوشت نوچتے رہیں گے، پھر اُسے جہنم میں ڈال دیے جانے کا حکم صادر ہوگا۔

شراب خوری کا ہولناک انجام

وَمَنْ شَرِبَ اَلْخَمْرَ فِي اَلدُّنْيَا سَقَاهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ سَمِّ اَلْأَفَاعِي وَ مِنْ سَمِّ اَلْعَقَارِبِ شَرْبَةً يَتَسَاقَطُ لَحْمُ وَجْهِهِ فِي اَلْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبَهَا فَإِذَا شَرِبَهَا تَفَسَّخَ لَحْمُهُ وَ جِلْدُهُ كَالْجِيفَةِ يَتَأَذَّى بِهِ أَهْلُ اَلْجَمْعِ حَتَّى يُؤْمَرَ بِهِ إِلَى اَلنَّارِ وَ شَارِبُهَا وَ عَاصِرُهَا وَ مُعْتَصِرُهَا فِي اَلنَّارِ وَ بَائِعُهَا وَ مُتَبَايِعُهَا وَ حَامِلُهَا وَ اَلْمَحْمُولُ إِلَيْهِ وَ آكِلُ ثَمَنِهَا سَوَاءٌ فِي عَارِهَا وَ إِثْمِهَا أَلاَ وَ مَنْ سَقَاهَا يَهُودِيّاً أَوْ نَصْرَانِيّاً أَوْ صَابِئاً أَوْ مَنْ كَانَ مِنَ اَلنَّاسِ فَعَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنْ شَرِبَهَا أَلاَ وَ مَنْ بَاعَهَا أَوِ اشْتَرَاهَا لِغَيْرِهِ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْهُ صَلاَةً وَ لاَ صِيَاماً وَ لاَ حَجّاً وَ لاَ اِعْتِمَاراً حَتَّى يَتُوبَ وَ يَرْجِعَ مِنْهَا وَ إِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَتُوبَ كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَنْ يَسْقِيَهُ بِكُلِّ جُرْعَةٍ شَرِبَ مِنْهَا فِي اَلدُّنْيَا شَرْبَةً مِنْ صَدِيدِ جَهَنَّمَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ أَلاَ وَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ حَرَّمَ اَلْخَمْرَ بِعَيْنِهَا وَ اَلْمُسْكِرَ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ أَلاَ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

جو شخص دنیا میں شراب پیے تو خدائے عزوجل اُسے زہریلے ترین سانپوں اور بچھوؤں کا زہر پلائے گا۔ جب وہ اُس زہر کو دیکھے گا تو پینے سے پہلے ہی اُس کے چہرے کا گوشت زہر کے برتن میں گر جائے گا۔ اور جب وہ اُسے پیے گا تو اُس کا گوشت اور جلد مردار کی طرح پھول جائیں گے۔ جس سے اہل محشر کو بہت اذیت ہوگی۔ حتی کہ اُسے جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔ شراب پینے والا، شراب کا پھل لانے والا اور اُس کا رس نچوڑنے والا سب جہنمی ہیں۔ اُس کا بیچنے والا، خریدنے والا، معاملہ کرنے والا، اُٹھانے والا، وصول کرنے والا اور اُس کی کمائی کھانے والا ندامت و گناہ میں سب برابر ہیں۔ جو شخص کسی یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی، یا کسی بھی شخص کو شراب پلائے تو اُس کا گناہ بھی پینے والے کے برابر ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے شراب کی خرید و فروخت کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی نماز، روزہ، حج اور عمرہ (کوئی بھی عبادت) قبول نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے عمل سے توبہ کرے اور اُس سے باز آجائے۔ اور اگر وہ توبہ کرنے سے پہلے مر جائے تو خدا اِس بات کا حق رکھتا ہے کہ اُس دنیا میں پیے ہوئے شراب کے ہر گھونٹ کے بدلے جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلائے۔

اِسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور اُس سے بنائی جانے والی ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

سود خوری، امانت میں خیانت اور جھوٹی گواہی کی سزا

وَمَنْ أَكَلَ اَلرِّبَا مَلأَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ بَطْنَهُ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ بِقَدْرِ مَا أَكَلَ وَ إِنِ اِكْتَسَبَ مِنْهُ مَالاً لاَ يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ شَيْئاً مِنْ عَمَلِهِ وَ لَمْ يَزَلْ فِي لَعْنَةِ اللهِ وَ اَلْمَلاَئِكَةِ مَا كَانَ عِنْدَهُ قِيرَاطٌ وَاحِدٌ وَ مَنْ خَانَ أَمَانَةً فِي اَلدُّنْيَا وَ لَمْ يُؤَدِّهَا عَلَى أَرْبَابِهَا مَاتَ عَلَى غَيْرِ دِينِ اَلْإِسْلاَمِ وَ لَقِيَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى اَلنَّارِ فَيُهْوَى بِهِ فِي شَفِيرِ جَهَنَّمَ أَبَدَ اَلْآبِدِينَ وَ مَنْ شَهِدَ شَهَادَةَ زُورٍ عَلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ مَنْ كَانَ مِنَ اَلنَّاسِ غُلِّقَ بِلِسَانِهِ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ وَ هُوَ مَعَ اَلْمُنَافِقِينَ - فِي اَلدَّرْكِ اَلْأَسْفَلِ مِنَ اَلنَّارِ

جو شخص سود کا مال کھائے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی مقدار کے برابر اُس کے پیٹ کو آگ سے بھرے گا۔ اور اگر کوئی

شخص سود کے ذریعہ مال کھائے تو اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کرے گا۔ اور جب تک اُس کے پاس سود کی ایک قیراط (معمولی ترین مقدار) بھی باقی ہو تو وہ اللہ اور فرشتوں کی لعنت کی زد میں رہے گا۔ جو شخص کسی کی امانت میں خیانت کرے اور مالک کو واپس نہ کرے تو اُس کی موت دینِ اسلام پر نہ ہوگی۔ اور جب وہ خدا کے حضور پیش ہو گا تو اُس پر غضب ناک ہوگا۔ پھر اُسے جہنم بھیجنے کا حکم صادر کیا جائے گا تو اُسے جہنم کے گڑھے میں گرا دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ جو شخص کسی مسلمان، یا ذمی کافر، یا کسی بھی شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دے تو قیامت کے دن اُس کی زبان پہ تالا لگا دیا جائے گا اور وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں منافقوں کے ساتھ مبتلائے عذاب ہوگا۔

خادم یا مملوک کی بے توقیری اور عورت کو تکلیف دینے کی سزا

وَ مَنْ قَالَ لِخَادِمِهٖ وَ مَمْلُوْكِهٖ أَوْ مَنْ كَانَ مِنَ النَّاسِ - لاَ لَبَّيْكَ وَ لاَ سَعْدَيْكَ قَالَ اللهُ تَعَالَى لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لاَ لَبَّيْكَ وَ لاَ سَعْدَيْكَ أُتْعِسَ فِي النَّارِ وَ مَنْ أَضَرَّ بِامْرَأَةٍ حَتَّى تَفْتَدِيَ مِنْهُ نَفْسَهَا لَمْ يَرْضَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ بِعُقُوْبَةٍ دُوْنَ النَّارِ لِأَنَّ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَغْضَبُ لِلْمَرْأَةِ كَمَا يَغْضَبُ لِلْيَتِيْمِ

جو شخص اپنے خادم و مملوک یا کسی دوسرے شخص سے کہے: لا لبیک ولا سعدیک (تمہاری کوئی ضرورت نہیں) تو قیامت کے دن اُسے خدا کی طرف سے بھی یہی جواب ملے گا۔ اور پھر اُسے جہنم میں منہ کے بل لٹکا دیا جائے گا۔ جو شخص عورت کو تکلیف دے اور اُسی تکلیف کے سبب عورت کی جان چلی جائے تو خدا ایسے شخص کے لیے جہنم سے کم کسی عذاب پر راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عورت کے لیے ایسے ہی غضب ناک ہوتا ہے جیسے یتیم کے لیے۔

چغل خوری کی سزا، ریاکاری اور لالچ کی نیت سے قرآن پاک پڑھنے کا انجام

وَ مَنْ سَعَى بِأَخِيْهِ إِلَى سُلْطَانٍ لَمْ يَبْدُ لَهُ مِنْهُ سُوْءٌ وَ لاَ مَكْرُوْهٌ أَحْبَطَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلَهُ فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهِ مِنْهُ سُوْءٌ أَوْ مَكْرُوْهٌ أَوْ أَذًى جَعَلَهُ اللهُ فِي طَبَقَةٍ مَعَ هَامَانَ فِي جَهَنَّمَ وَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يُرِيْدُ بِهِ السَّمْعَ وَ الْتِمَاسَ شَيْءٍ لَقِيَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ وَجْهُهُ مُظْلِمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ وَ زَجَّهُ الْقُرْآنُ فِي قَفَاهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ النَّارَ وَ يَهْوِيَ فِيهَا مَعَ مَنْ يَهْوِي وَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَ لَمْ يَعْمَلْ بِهِ حَشَرَهُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى فَيَقُوْلُ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيراً - قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ

جو شخص حاکم کے پاس جا کر اپنے بھائی کی چغلی کرے اور اُسے کسی تکلیف اور مشکل کا سامنا نہ بھی کرنا پڑے تو خدا چغل خور کے سارے اعمال برباد کر دیتا ہے۔ اور اگر اُس کی چغلی کے باعث اُس مومن کو کوئی تکلیف، مشکل یا اذیت پہنچے تو خدا اُسے جہنم کے نچلے طبقہ میں ہامان کے ساتھ رکھے گا۔ جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے اور کسی چیز کی

لالچ میں قرآن پڑھے تو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور اِس حال میں پیش ہوگا کہ اُس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اُس پر گوشت نہ ہوگا۔ قرآن اُسے پیچھے سے دھکیلتا جہنم میں لے جائے گا۔ اور باقی جہنمیوں کے ساتھ وہ بھی جہنم میں جا گرے گا۔ جو شخص قرآن پڑھ کر اُس پر عمل نہ کرے تو قیامت کے دن اُسے اندھا محشور کیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا محشور کیوں کیا؟ جبکہ (دنیا میں تو) میں اندھا نہیں تھا؟! آواز قدرت آئے گی کہ ایسا ہی ہے۔ مگر تمہارے پاس ہماری آیات آئیں تو تو نے اُنہیں بھلا دیا۔ اِسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا گیا ہے۔ پھر اُسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا۔

مالِ خیانت، حرام کی دلالی، دھوکہ، خیانت اور برائیوں کی تشہیر کرنے والے کا انجام

وَ مَنِ اِشْتَرَی خِیَانَۃً وَ ھُوَ یَعْلَمُ أَنَّھَا خِیَانَۃٌ فَھُوَ کَمَنْ خَانَھَا فِی عَارِھَا وَ إِثْمِھَا وَ مَنْ قَاوَدَ بَیْنَ رَجُلٍ وَ اِمْرَأَۃٍ حَرَاماً - حَرَّمَ اَللّٰہُ عَلَیْہِ اَلْجَنَّۃَ وَ مَأْوَاہُ جَھَنَّمُ وَ سَاءَتْ مَصِیراً وَ لَمْ یَزَلْ فِی سَخَطِ اللّٰہِ حَتّٰی یَمُوتَ وَ مَنْ غَشَّ أَخَاہُ اَلْمُسْلِمَ نَزَعَ اللّٰہُ عَنْہُ بَرَکَۃَ رِزْقِہِ وَ أَفْسَدَ عَلَیْہِ مَعِیشَتَہُ وَ وَکَلَہُ إِلَی نَفْسِہِ وَ مَنِ اِشْتَرَی سَرِقَۃً وَ ھُوَ یَعْلَمُ أَنَّھَا سَرِقَۃٌ فَھُوَ کَمَنْ سَرَقَھَا فِی عَارِھَا وَ إِثْمِھَا وَ مَنْ خَانَ مُسْلِماً فَلَیْسَ مِنَّا وَ لَسْنَا مِنْہُ فِی اَلدُّنْیَا وَ اَلْآخِرَۃِ أَلَا وَ مَنْ سَمِعَ فَاحِشَۃً فَأَفْشَاھَا فَھُوَ کَمَنْ أَتَاھَا وَ مَنْ سَمِعَ خَیْراً فَأَفْشَاہُ فَھُوَ کَمَنْ عَمِلَہُ

جو شخص خیانت کا مال خریدے جب کہ جانتا ہو کہ وہ چیز خیانت سے حاصل شدہ ہے؟ تو وہ اُس کی ذلت اور گناہ میں ایسا ہے کہ گویا اُس نے خود خیانت کی ہو۔ جو شخص مرد و عورت کے مابین فعل حرام کی دلالی کرے خدا اُس پر جہنم حرام کرے گا اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور بہت بری جگہ ہے۔ ایسا شخص جب تک زندہ ہو خدا کی ناراضگی کی زد میں ہوگا۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو دھوکا دے خدا اُس کے رزق سے برکت اُٹھا لے گا، اُس کی روزی کو بے فائدہ بنا کر اُسے اُس کے نفس کے حوالے کر دے گا۔ جو شخص چوری کا مال خریدے اور اُسے پتہ ہو کہ وہ مال چوری کا ہے۔ تو وہ اُس کے لیے ایسے باعثِ ذلت و گناہ ہے کہ گویا اُس نے خود چوری کی ہو۔ جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ خیانت کرے تو وہ ہم میں سے نہیں اور ہمارا دنیا و آخرت میں اُس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ یاد رکھو کہ جو شخص کسی فحش اور بے ہودہ بات کو سن کر آگے پھیلائے وہ اُس فحش اور گناہ کے کام کو انجام دینے والی کی طرح ہے۔ اور جو شخص کسی اچھی بات کو سن کر آگے پھیلائے تو وہ اُس اچھائی کو انجام دینے والے شخص کی طرح ہے۔

فتنہ پرور کا انجام، بدنگاہی کی آفتیں اور دکھاوے کی دعوت

وَ مَنْ وَصَفَ اِمْرَأَةً لِرَجُلٍ وَ ذَكَّرَهَا جَمَالَهُ فَافْتَتَنَ بِهَا اَلرَّجُلُ فَأَصَابَ فَاحِشَةً - لَمْ يَخْرُجْ مِنَ اَلدُّنْيَا حَتَّى يَغْضَبَ اللهُ عَلَيْهِ وَ مَنْ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ غَضِبَتْ عَلَيْهِ اَلسَّمَاوَاتُ اَلسَّبْعُ وَ اَلْأَرَضُونَ اَلسَّبْعُ وَ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ اَلْوِزْرِ مِثْلُ اَلَّذِي أَصَابَهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنْ تَابَا وَ أَصْلَحَا قَالَ يَتُوبُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِمَا وَ لَمْ يَقْبَلْ تَوْبَةَ اَلَّذِي خَطَّأَهَا بَعْدَ اَلَّذِي وَصَفَهَا وَ مَنْ مَلَأَ عَيْنَيْهِ مِنِ اِمْرَأَةٍ حَرَاماً حَشَاهُمَا اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ - يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ بِمَسَامِيرَ مِنْ نَارٍ وَ حَشَاهُمَا نَاراً حَتَّى يَقْضِيَ بَيْنَ اَلنَّاسِ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِ إِلَى اَلنَّارِ وَ مَنْ أَطْعَمَ طَعَاماً رِيَاءً وَ سُمْعَةً أَطْعَمَهُ اللهُ مِثْلَهُ مِنْ صَدِيدِ جَهَنَّمَ وَ جَعَلَ ذَلِكَ اَلطَّعَامَ نَاراً فِي بَطْنِهِ حَتَّى يَقْضِيَ بَيْنَ اَلنَّاسِ

جو شخص کسی مرد کے سامنے کسی عورت کے حسن و خوبصورتی کی بات کرے اور عورت کے سامنے مرد کی خوبصورتی کی تعریف کرے۔ اور مرد اُس کے حسن سے متاثر ہو کر کے گناہ کر بیٹھے۔ تو وہ دنیا سے اُس وقت تک نہ جائے گا جب تک اُس پر خدا کا غضب نازل نہ ہو۔ جس پر خدا کا غضب نازل ہو تو اُس پر سات آسمان اور ساتوں زمین بھی غضب ناک ہوں گی۔ اور اُس پر عورت کے ساتھ فعلِ بد کرنے والے شخص کے برابر گناہ ہوگا۔ کسی نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! اگر گناہ گار مرد و عورت توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کر لے گا۔ مگر اُس شخص کی توبہ قبول نہیں کرے گا کہ جو عورت کی خوبصورتی کا ذکر سن کر اُس کا پیچھا شروع کرے۔ اگر کوئی شخص حرام اور آلود نظروں سے کسی عورت کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی آنکھوں میں آگ کی سلاخیں گاڑھے اور پھر اُنہیں آگ سے بھر دے گا۔ حتیٰ کہ سب لوگوں کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر جہنم لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ جو شخص کسی کو دکھانے سنانے کے لیے کھانا کھلائے تو خدا اُسے اُس کے برابر جہنم کی پیپ اور غلاظت کھلائے گا۔ اور اُسے کھانے کو اُس کے پیٹ میں آگ بنا دے گا۔ حتیٰ کہ لوگوں کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا۔

شادی شدہ عورت سے بدکاری کا گناہ اور زوجین کے باہمی حقوق

وَ مَنْ فَجَرَ بِامْرَأَةٍ وَ لَهَا بَعْلٌ اِنْفَجَرَ مِنْ فَرْجِهَا مِنْ صَدِيدِ وَادٍ مَسِيرَةَ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ يَتَأَذَّى أَهْلُ اَلنَّارِ مِنْ نَتْنِ رِيحِهَا وَ كَانَا مِنْ أَشَدِّ اَلنَّاسِ عَذَاباً وَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَى اِمْرَأَةٍ ذَاتِ بَعْلٍ مَلَأَتْ عَيْنَهَا مِنْ غَيْرِ زَوْجِهَا أَوْ غَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا فَإِنَّهَا إِنْ فَعَلَتْ ذَلِكَ أَحْبَطَ اللهُ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلَتْهُ - فَإِنْ أَوْطَأَتْ فِرَاشَهُ غَيْرَهُ كَانَ حَقّاً عَلَى اللهِ أَنْ يُحْرِقَهَا بِالنَّارِ بَعْدَ أَنْ يُعَذِّبَهَا فِي قَبْرِهَا وَ أَيُّمَا اِمْرَأَةٍ اِخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا لَمْ تَزَلْ فِي لَعْنَةِ اللهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ رُسُلِهِ وَ اَلنَّاسِ أَجْمَعِينَ حَتَّى إِذَا نَزَلَ بِهَا مَلَكُ اَلْمَوْتِ قَالَ لَهَا أَبْشِرِي بِالنَّارِ وَ إِذَا كَانَ يَوْمُ اَلْقِيَامَةِ قِيلَ لَهَا اُدْخُلِي اَلنَّارَ مَعَ اَلدَّاخِلِينَ أَلَا وَ إِنَّ اللهَ وَ رَسُولَهُ بَرِيئَانِ مِنَ اَلْمُخْتَلِعَاتِ بِغَيْرِ حَقٍّ أَلَا وَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ رَسُولَهُ بَرِيئَانِ مِمَّنْ أَضَرَّ بِامْرَأَةٍ حَتَّى تَخْتَلِعَ

جو شخص شوہر دار عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو اُن کی شرمگاہوں سے پیپ کا ایسا نالہ نکلے گا۔ جس کی مسافت پانچ سو سال ہوگی۔ اُن کی بدبو سے تمام اہل جہنم اذیت محسوس کریں گے۔ اُن پر سب سے سخت عذاب ہوگا۔ خدا اُس عورت پر بہت غضب ناک ہوتا ہے کہ جس شوہر دار ہونے کے باوجود کسی غیر، نامحرم کو آلود و حریص نظروں سے دیکھے۔ اس گناہ کی سزا کے طور پر خدا اُس کی تمام نیکیاں ضائع کر دے گا۔ اگر عورت اپنے شوہر کا بستر کسی دوسرے کے لیے بچھائے تو خدا حق رکھتا ہے کہ اُسے قبر میں عذاب دینے کے بعد جہنم کی آگ سے بھی جلائے۔ جو عورت (بلاوجہ) شوہر سے خلع لے تو اُس پر ہمیشہ خدا، اُس کے فرشتوں اور رسولوںؑ کی لعنت ہوگی۔ جب ملک الموت اُس کی روح قبض کرنے کے لیے آئے گا تو کہے گا: تجھے جہنم کی وعید دی جاتی ہے۔ اور قیامت کے دن اُس سے کہا جائے گا کہ جس طرح باقی جہنم میں جا رہے ہیں، تم بھی چلی جاؤ۔ سب سن لو کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کا اُن عورتوں سے کوئی واسطہ نہیں کہ جو (ناحق) خلع لیتی ہیں۔ تم سب کو بخوبی جان لینا چاہیے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا اُس شخص سے بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں کہ جو عورت کو اتنا تنگ کرے کہ وہ اُس سے خلع لینے پر مجبور ہو جائے۔

امام جماعت کا ثواب و عذاب اور چار گرفتارانِ بلا و عقوبت

وَمَنْ أَمَّ قَوْماً بِإِذْنِهِمْ وَهُمْ عَنْهُ رَاضُونَ فَاقْتَصَدَ بِهِمْ فِي حُضُورِهِ وَقِرَاءَتِهِ وَرُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ وَقُعُودِهِ وَقِيَامِهِ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِمْ وَمَنْ أَمَّ قَوْماً فَلَمْ يَقْتَصِدْ بِهِمْ فِي حُضُورِهِ وَقِرَاءَتِهِ وَرُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ وَقُعُودِهِ وَقِيَامِهِ رُدَّتْ عَلَيْهِ صَلاَتُهُ وَلَمْ تُجَاوِزْ تَرَاقِيَهُ وَكَانَتْ مَنْزِلَتُهُ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ كَمَنْزِلَةِ إِمَامٍ جَائِرٍ مُعْتَبٍ لَمْ يَصْلُحْ لِرَعِيَّتِهِ وَلَمْ يَقُمْ فِيهِمْ بِأَمْرِ اللهِ تَعَالَى: فَقَامَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَقَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ مَا مَنْزِلَةُ أَمِيرٍ جَائِرٍ مُعْتَبٍ لَمْ يَصْلُحْ لِرَعِيَّتِهِ وَلَمْ يَقُمْ فِيهِمْ بِأَمْرِ اللهِ تَعَالَى قَالَ هُوَ رَابِعُ أَرْبَعَةٍ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْلِيسُ وَفِرْعَوْنُ وَقَاتِلُ النَّفْسِ وَرَابِعُهُمُ الأَمِيرُ الْجَائِرُ

جو شخص کسی قوم کی اجازت سے اُن کی امامت کرائے اور وہ اُس سے راضی ہوں۔ اور وہ اپنے حضور، قرات، رکوع، سجود اور قعود میں میانہ روی اختیار کرے۔ تو اُس کا اَجر اُن سب لوگوں کے برابر ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص کسی جماعت کا امام ہو مگر اپنے حضور، قرات، رکوع، سجود اور قعود میں اُن کے ساتھ میانہ روی اختیار نہ کرے۔ تو اُس کی نماز منہ پر ماردی جاتی ہے اور اُس کے گلے سے اُوپر نہیں جاتی۔ اور خدا کے نزدیک اُس کا مقام ظالم و جابر حاکم جیسا ہوتا ہے۔ جو نہ اپنی رعایا کی اِصلاح کرتا ہے اور نہ ہی اُن میں خدا کا امر قائم کرتا ہے۔

یہ ارشاد سن کر مولا امیر المومنینؑ اپنے مقام پر کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ، آپؐ پر قربان! اُس ظالم و جابر حاکم کی حیثیت کیا ہے کہ جو نہ تو اپنی رعایا اور عوام کی اِصلاح کرے اور نہ ہی اُن میں خدا کا حکم قائم کرے؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اُن چار افراد میں سے ہوگا۔ جن کا قیامت میں عذاب

سب سے سخت ہوگا۔ اور وہ چار یہ ہیں: (۱) ابلیس، (۲) فرعون، (۳) ناحق کسی کی جان لینے والا، (۴) ظالم و جابر حاکم۔

برادرِ مومن کی حاجت پوری نہ کرنا، بیوی کا شوہر کے ساتھ رویہ اور مومن کی قدردانی کا ثواب

وَمَنِ احْتَاجَ إِلَيْهِ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فِي قَرْضٍ فَلَمْ يُقْرِضْهُ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ يَوْمَ يَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَمَنْ صَبَرَ عَلَى سُوءِ خُلُقِ امْرَأَتِهِ وَاحْتَسَبَهُ أَعْطَاهُ اللهُ بِكُلِّ مَرَّةٍ يَصْبِرُ عَلَيْهَا مِنَ الثَّوَابِ مِثْلَ مَا أَعْطَى أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى بَلَائِهِ وَكَانَ عَلَيْهَا مِنَ الْوِزْرِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مِثْلُ رَمْلِ عَالِجٍ فَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تُعِينَهُ وَقَبْلَ أَنْ يَرْضَى عَنْهَا حُشِرَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْكُوسَةً مَعَ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ لَمْ تُوَافِقْهُ وَلَمْ تَصْبِرْ عَلَى مَا رَزَقَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَشَقَّتْ عَلَيْهِ وَحَمَلَتْهُ مَا لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ مِنْهَا حَسَنَةً تَتَّقِي بِهَا النَّارَ وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهَا مَا دَامَتْ كَذَلِكَ وَمَنْ أَكْرَمَ أَخَاهُ فَإِنَّمَا يُكْرِمُ اللهُ فَمَا ظَنُّكُمْ بِمَنْ يُكْرِمُ اللهُ أَنْ يُفْعَلَ بِهِ

اگر کسی کا مومن بھائی اُس کے پاس قرض کی حاجت لے کر آئے اور وہ اُسے قرض نہ دے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت میں جانا حرام کر دے گا۔ کہ جس دن کو نیکو کاروں کو جزا دے گا۔ جو شخص اپنی بیوی کی بداخلاقی پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے تو اُسے ہر دفعہ اتنا ثواب ملے گا جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب ملا تھا۔ اور ایسی عورت کو ہر شب و روز ریگستان میں موجود ریت کے ذروں کے برابر گناہ ملے گا۔ اور اگر وہ اپنے شوہر کی مدد کرنے اور اُس کے راضی ہونے سے پہلے مر جائے تو قیامت کے دن اُسے منافقوں کے ساتھ جہنم میں اُلٹا لٹکایا جائے گا۔ اگر کسی شخص کی بیوی اُس کا ساتھ نہ دے، خدا کے دیے ہوئے رزق پر قناعت نہ کرے، شوہر سے ناراض ہو اور اُس پر ہمت سے زیادہ بوجھ ڈالے۔ تو خدا اُس کی ایک بھی نیکی قبول نہیں کرے گا۔ جس سے وہ جہنم کی آگ سے بچ سکے۔ اور جب تک اُس کا رویہ ایسا ہوگا وہ خدا کے غیظ وغضب کی زد میں رہے گی۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرے تو اُس نے خدا کی قدردانی کی۔ ذرا سوچو کہ جو خدا کی قدردانی کرے، خدا اُسے کتنی بڑی جزا دے گا؟!

ذمہ داری میں غفلت کی سزا

وَمَنْ تَوَلَّى عِرَافَةَ قَوْمٍ وَلَمْ يُحْسِنْ فِيهِمْ حُبِسَ عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ بِكُلِّ يَوْمٍ أَلْفَ سَنَةٍ وَحُشِرَ وَيَدُهُ مَغْلُولَةٌ إِلَى عُنُقِهِ فَإِنْ كَانَ قَامَ فِيهِمْ بِأَمْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَطْلَقَهَا اللهُ وَإِنْ كَانَ ظَالِماً هُوِيَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ سَبْعِينَ خَرِيفاً

جو شخص کسی قوم کی نگرانی کی ذمہ داری لے مگر اُسے صحیح طریقے سے پورا نہ کرے تو اُسے ہر دن کے بدلے ایک ہزار سال تک جہنم کے کنارے پر قید کیا جائے گا اور اُس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے۔ اور اگر وہ اُن

کے درمیان حکم خدا نافذ کرے تو خدا اُسے عذاب نجات عطا کرے گا۔ اور اگر وہ اُن کے حق میں ظلم کرنے والا ثابت ہوا تو اُسے ستر سال جہنم میں رکھا جائے گا۔

حکم خدا سے سرتابی اور دورُخی کا انجام اور صلح کرانے کا ثواب اور جدائی ڈالنے کا گناہ

وَ مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ كَانَ كَمَنْ شَهِدَ شَهَادَةَ زُورٍ وَ يُقْذَفُ بِهِ فِي اَلنَّارِ وَ يُعَذَّبُ بِعَذَابِ شَاهِدِ اَلزُّورِ وَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ وَ لِسَانَيْنِ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ وَ لِسَانَيْنِ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ وَ مَنْ مَشَى فِي صُلْحٍ بَيْنِ اِثْنَيْنِ صَلَّى عَلَيْهِ مَلاَئِكَةُ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ وَ أُعْطِيَ أَجْرَ لَيْلَةِ اَلْقَدْرِ وَ مَنْ مَشَى فِي قَطِيعَةِ بَيْنِ اِثْنَيْنِ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ اَلْوِزْرِ بِقَدْرِ مَا لِمَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ اِثْنَيْنِ مِنَ اَلْأَجْرِ مَكْتُوبٌ عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ حَتَّى يَدْخُلَ جَهَنَّمَ فَيُضَاعَفَ لَهُ اَلْعَذَابُ

جو شخص خدا کے نازل کیے ہوئے فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔ تو وہ ایسے ہے کہ گویا اُس نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ اُسے اُٹھا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور جھوٹی گواہی دینے والے شخص جیسا عذاب دیا جائے گا۔ جو شخص دنیا میں دو چہرے اور دو زبانیں رکھتا ہو تو قیامت کے دن بھی اُس کے دو چہرے اور دو زبانیں ہوں گی۔ جو شخص دو ناراض افراد کے درمیان صلح کرانے کے لیے جائے تو واپس آنے تک خدا کے فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں۔ اور اُسے لیلۃ القدر جتنی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص دو افراد کو آپس میں لڑانے کے لیے گھر سے نکلے تو اُسے دو افراد کے درمیان صلح کرانے کے ثواب کے تناسب سے گناہ ملتا ہے اور اس پر خدا کی لعنت لکھی جاتی ہے۔ حتی کہ اُسے جہنم میں داخل کر کے اُس کے عذاب کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا۔

برادرِ مومن کی مدد میں جانے کا ثواب اور اُس کا عیب تلاش کرنے کی سزا

وَ مَنْ مَشَى فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَ مَنْفَعَتِهِ فَلَهُ ثَوَابُ اَلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَ مَنْ مَشَى فِي عَيْبِ أَخِيهِ فَكَشَفَ عَوْرَتَهُ كَانَتْ أَوَّلُ خُطْوَةٍ خَطَاهَا وَ وَضَعَهَا فِي جَهَنَّمَ وَ كَشَفَ اللهُ عَوْرَتَهُ عَلَى رُءُوسِ اَلْخَلاَئِقِ

جو شخص اپنے مومن بھائی کی مدد اور فائدے کے لیے گھر سے نکلے تو اُس کے لیے راہِ خدا میں جہاد کرنے والے شخص جتنا اجر و ثواب ہے۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کے عیب تلاش کرنے کے لیے نکلے اور اُس کا پردہ فاش کرے۔ تو یہ اُس کا پہلا قدم ہوگا جو اُس نے اُٹھا کر جہنم میں رکھا۔ اور خدا سب کے سامنے اُس کا پردہ فاش کرے گا۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کا عیب ڈھونڈنے کی کوشش کرے اور اُس کا عیب سب پہ ظاہر کر دے تو یہ اُس کا پہلا قدم ہے جو اُس نے اُٹھا کر جہنم میں رکھا ہے۔ اور خدا سب کے سامنے اُس کا عیب فاش کرے گا۔

رشتہ داروں کے اَحوال معلوم کرنے کا ثواب

وَ مَنْ مَشٰی اِلٰی ذِی قَرَابَۃٍ وَ ذِی رَحِمٍ یَسْأَلُ بِہٖ أَعْطَاہُ اللّٰہُ أَجْرَ مِائَۃِ شَہِیدٍ وَ اِنْ سَأَلَ بِہٖ وَ وَصَلَہٗ بِمَالِہٖ وَ نَفْسِہٖ جَمِیعاً کَانَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَۃٍ وَ رُفِعَ لَہٗ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَۃٍ وَ کَأَنَّمَا عَبَدَ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ مِائَۃَ سَنَۃٍ

اگر کوئی شخص اپنے قریبی اور خونی رشتہ کے پاس اُس کا حال پوچھنے جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب عطا کرے گا۔ اور اگر وہ اُس کا حال پوچھے اور اپنے مال و جان سے اُس کے ساتھ بھلائی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر ہر قدم پر دس لاکھ نیکیاں عطا کرے گا اور اُس کے دس لاکھ درجے بلند کرے گا۔ اور وہ ایسے ہے کہ گویا اُس نے سو سال اللہ کی عبادت کی ہو۔

دو رشتہ داروں کے بیچ میں فساد ڈالنے کی سزا اور مومنین کی شادی اور نکاح کے معاملات میں مدد کرنے کا ثواب

وَ مَنْ مَشٰی فِی فَسَادِ مَا بَیْنَہُمَا وَ قَطِیعَۃِ بَیْنِہِمَا غَضِبَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَیْہِ وَ لَعَنَہٗ فِی اَلدُّنْیَا وَ اَلْآخِرَۃِ وَ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ اَلْوِزْرِ کَعِدْلِ قَاطِعِ اَلرَّحِمِ وَ مَنْ عَمِلَ فِی تَزْوِیجِ بَیْنِ مُؤْمِنَیْنِ حَتّٰی یَجْمَعَ بَیْنَہُمَا زَوَّجَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ أَلْفِ اِمْرَأَۃٍ مِنَ اَلْحُورِ کُلِّ اِمْرَأَۃٍ فِی قَصْرٍ مِنْ دُرٍّ وَ یَاقُوتٍ وَ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ خَطَاہَا فِی ذٰلِکَ أَوْ بِکَلِمَۃٍ تَکَلَّمَ بِہَا فِی ذٰلِکَ عَمَلُ سَنَۃٍ قِیَامِ لَیْلُہَا وَ صِیَامِ نَہَارُہَا

لیکن جو شخص دو رشتہ داروں میں فساد ڈالنے اور قطع تعلقی کے لیے جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس پر غضب ناک ہوتا ہے، دنیا و آخرت میں اُس پر لعنت کرتا ہے اور اُس پر قطع رحمی کرنے والے شخص کے برابر عذاب ہوتا ہے۔ جو شخص مومنین کی شادی اور نکاح کے معاملات میں مدد کرے اور ایک جوڑے کا نکاح کرا دے۔ تو اللہ تعالیٰ ایک ہزار حوروں کے ساتھ اُس کا نکاح کرائے گا جن میں سے ہر ایک موتیوں اور یاقوت کے محل میں رہائش پذیر ہوگی۔ اور اِس سلسلے میں وہ جتنے بھی قدم چلے، یا جتنے بھی الفاظ کہے تو ہر ہر لفظ اور ہر ہر قدم کے بدلے اُسے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ جس کی راتیں قیام اور دن روزے میں گزرے ہوں۔

زوجین میں جدائی اور فساد ڈالنے والے کا انجام

وَ مَنْ عَمِلَ فِی فُرْقَۃِ بَیْنِ اِمْرَأَۃٍ وَ زَوْجِہَا کَانَ عَلَیْہِ غَضَبُ اللّٰہِ وَ لَعْنَتُہٗ فِی اَلدُّنْیَا وَ اَلْآخِرَۃِ وَ کَانَ حَقّاً عَلَی اللّٰہِ أَنْ یَرْضَخَہٗ بِأَلْفِ صَخْرَۃٍ مِنْ نَارٍ وَ مَنْ مَشٰی فِی فَسَادِ مَا بَیْنَہُمَا وَ لَمْ یُفَرِّقْ کَانَ فِی سَخَطِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَعَنَہٗ فِی اَلدُّنْیَا وَ اَلْآخِرَۃِ وَ حَرَّمَ اللّٰہُ اَلنَّظَرَ إِلٰی وَجْہِہٖ

جو شخص میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش کرے تو وہ دنیا و آخرت میں خدا کے غضب و لعنت کی زد میں ہوگا۔ اور خدا کو حق ہوگا کہ اُسے جہنم کے ایک ہزار پتھروں سے پیس دے۔ جو شخص میاں بیوی کے درمیان فساد

کی کوشش کرے مگر اُنہیں جدا نہ کر سکے تو وہ خدا کے غضب کا شکار ہوگا، دنیا و آخرت میں اُس پر خدا کی لعنت برسے گی اور روزِ قیامت اُسے اپنی رحمت کے دیدار سے محروم رکھے گا۔

معذور کی خدمت اور محتاج کے کام آنے کا ثواب

وَ مَنْ قَادَ ضَرِیراً إِلَی مَسْجِدِهِ أَوْ إِلَی مَنْزِلِهِ أَوْ لِحَاجَةٍ مِنْ حَوَائِجِهِ کَتَبَ اللهُ لَهُ بِکُلِّ قَدَمٍ رَفَعَهَا وَ وَضَعَهَا عِتْقَ رَقَبَةٍ وَ صَلَّتْ عَلَیْهِ اَلْمَلاَئِکَةُ حَتَّی یُفَارِقَهُ وَ مَنْ کَفَی ضَرِیراً حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِهِ فَمَشَی فِیهَا حَتَّی یَقْضِیَهَا أَعْطَاهُ اللهُ بَرَاءَتَیْنِ بَرَاءَةً مِنَ اَلنَّارِ وَ بَرَاءَةً مِنَ اَلنِّفَاقِ وَ قَضَی لَهُ سَبْعِینَ أَلْفَ حَاجَةٍ فِی عَاجِلِ اَلدُّنْیَا وَ لَمْ یَزَلْ یَخُوضُ فِی رَحْمَةِ اللهِ حَتَّی یَرْجِعَ

جو شخص کسی معذور و محتاج کو مسجد، یا اُس کے گھر، یا کسی کام تک پہنچائے تو وہ جتنے بھی قدم اُٹھائے اور رکھے، ہر قدم پر اُسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور وہ جب تک اُس معذور کے ساتھ رہے گا فرشتے اُس پر درود بھیجتے رہیں گے۔ جو شخص کسی محتاج کے کام میں نکلے اور اُسے انجام دے لے تو اللہ تعالیٰ اُسے دو قسم کی براتیں عطا کرے گا۔ ایک جہنم سے برات اور ایک نفاق سے برات۔ اور اُس کی دنیا کی ایک ہزار حاجتیں پوری کرے گا۔ اور وہ اُس کے کام سے واپس آنے تک خدا کی رحمت میں غوطہ زن رہے گا۔

مریض کی خاطر ایک دن بیدار رہنے اور گھر والوں کے کام انجام دینے کا ثواب

وَ مَنْ قَامَ عَلَی مَرِیضٍ یَوْماً وَ لَیْلَةً بَعَثَهُ اللهُ مَعَ إِبْرَاهِیمَ اَلْخَلِیلِ عَلَیْهِ السَّلاَمُ فَجَازَ عَلَی اَلصِّرَاطِ کَالْبَرْقِ اَللاَّمِعِ وَ مَنْ سَعَی لِمَرِیضٍ فِی حَاجَةٍ فَقَضَاهَا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ کَیَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ اَلْأَنْصَارِ یَا رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ فَإِنْ کَانَ اَلْمَرِیضُ مِنْ أَهْلِهِ - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهِ مِنْ أَعْظَمِ اَلنَّاسِ أَجْراً مَنْ سَعَی فِی حَاجَةِ أَهْلِهِ وَ مَنْ ضَیَّعَ أَهْلَهُ وَ قَطَعَ رَحِمَهُ حَرَمَهُ اللهُ حُسْنَ اَلْجَزَاءِ یَوْمَ یَجْزِی اَلْمُحْسِنِینَ وَ ضَیَّعَهُ وَ مَنْ ضَیَّعَهُ اللهُ فِی اَلْآخِرَةِ فَهُوَ یَرِدُ مَعَ اَلْهَالِکِینَ حَتَّی یَأْتِیَ بِالْمَخْرَجِ وَ لَمَّا یَأْتِ بِهِ

جو شخص کسی مریض کی خاطر ایک رات اور دن بیدار رہ کر گزارے۔ تو خدا اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اُٹھائے گا اور وہ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح پلِ صراط عبور کر لے گا۔ جو شخص مریض کے کسی کام کو انجام دے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جائے گا کہ گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر انصار میں سے ایک شخص عرض کرنے لگا: یا رسول اللہؐ! اگر وہ مریض اُس کے گھر کا ہی فرد ہو (تو اُس کے لیے بھی یہی اجر ہے؟) تو آپؐ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر والوں کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرے اُس کا اجر سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ مگر جو شخص اپنے گھر والوں کا خیال نہ رکھے اور رشتہ داروں سے تعلق توڑے خدا اُسے اُس دن جزائے خیر سے محروم کر دے گا کہ جس دن وہ نیکی

کرنے والوں کو جزا دے گا۔ اور ذلیل و رسوا کر دے گا۔ جسے خدا آخرت میں رسوا کرے وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہوگا۔ حتیٰ کہ اُس کے نکلنے کی کوئی راہ پیدا ہو، جو ہونے والی نہیں۔

پریشان حال مومن کی مدد، میاں بیوی میں صلح اور برادرِ مسلم کو قرض دینے کا ثواب

وَ مَنْ أَقْرَضَ مَلْهُوفاً فَأَحْسَنَ طَلِبَتَهُ اِسْتَأْنَفَ اَلْعَمَلَ وَ أَعْطَاهُ اللهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ أَلْفَ قِنْطَارٍ مِنَ اَلْجَنَّةِ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ اَلدُّنْيَا نَظَرَ اللهُ إِلَيْهِ بِرَحْمَتِهِ فَنَالَ بِهَا اَلْجَنَّةَ وَ فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً فِي اَلدُّنْيَا وَ اَلْآخِرَةِ وَ مَنْ مَشَى فِي إِصْلاَحِ بَيْنِ اِمْرَأَةٍ وَ زَوْجِهَا أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ أَلْفِ شَهِيدٍ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ حَقّاً وَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا وَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا فِي ذَلِكَ عِبَادَةُ سَنَةٍ قِيَامِ لَيْلِهَا وَ صِيَامِ نَهَارُهَا وَ مَنْ أَقْرَضَ أَخَاهُ اَلْمُسْلِمَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ أَقْرَضَهُ وَزْنَ جَبَلِ أُحُدٍ وَ جِبَالِ رَضْوَى وَ جِبَالِ طُورِ سَيْنَاءَ حَسَنَاتٍ فَإِنْ رَفَقَ بِهِ فِي طَلِبَتِهِ بَعْدَ أَجَلِهِ جَازَ عَلَى اَلصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ اَلْخَاطِفِ اَللاَّمِعِ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَ لاَ عَذَابٍ وَ مَنْ شَكَا إِلَيْهِ أَخُوهُ اَلْمُسْلِمُ فَلَمْ يُقْرِضْهُ حَرَّمَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِ اَلْجَنَّةَ يَوْمَ يَجْزِي اَلْمُحْسِنِينَ

جو شخص کسی پریشان حال مومن کو قرض دے اور اُس کی ضرورت پوری کر دے تو (اُس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور) وہ اپنا عمل نئے سرے سے انجام دے گا اور اُسے ہر درہم کے بدلے جنت میں ایک بڑا خزانہ دیا جائے گا۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کی کسی دنیوی پریشانی کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اُس پر نگاہِ رحمت کرے گا، وہ اِس عمل کی برکت سے جنت حاصل کرے گا اور اُس کی دنیا و آخرت کی پریشانیاں دور کرے گا۔ جو شخص میاں بیوی کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کرے تو خدا اُسے ایک ہزار شہیدوں کے برابر اجر عطا کرے گا کہ جو حق طور پر خدا کی راہ میں مارے گئے ہوں۔ اور اُسے اِس کام میں اُٹھائے ہوئے ہر قدم اور بولے ہوئے ہر لفظ کے بدلے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ جس کی راتیں قیام اور دن روزے میں گزرے ہوں۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو قرض دے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر درہم کے بدلے اُحد پہاڑ، رضوی پہاڑ اور طورِ سیناء پہاڑ کے برابر نیکیوں کے پہاڑ عطا کرے گا۔ اور اگر قرض کی میعاد گزرنے کے بعد وہ اُس کی واپسی میں بھی اُس کے ساتھ نرمی سے کام لے۔ تو وہ بغیر حساب و عذاب تیز بجلی کی رفتار میں پلِ صراط سے گزر جائے گا۔

قدرت کے باوجود مومن کی حاجت کو پورا نہ کرنے اور احسان جتانے کا عذاب

وَ مَنْ مَنَعَ طَالِباً حَاجَتَهُ وَ هُوَ قَادِرٌ عَلَى قَضَائِهَا فَعَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيئَةِ عَشَّارٍ فَقَامَ إِلَيْهِ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ فَقَالَ مَا يَبْلُغُ خَطِيئَةُ عَشَّارٍ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ قَالَ عَلَى اَلْعَشَّارِ كُلَّ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ - لَعْنَةُ اَللهِ وَ اَلْمَلاَئِكَةِ وَ اَلنَّاسِ أَجْمَعِينَ - وَ مَنْ يَلْعَنِ اَللهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيراً وَ مَنِ اِصْطَنَعَ إِلَى أَخِيهِ مَعْرُوفاً فَمَنَّ بِهِ عَلَيْهِ حَبِطَ عَمَلُهُ وَ خَابَ سَعْيُهُ ثُمَّ قَالَ أَلاَ وَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ حَرَّمَ عَلَى اَلْمَنَّانِ وَ اَلْمُخْتَالِ وَ اَلْفَتَّانِ وَ مُدْمِنِ اَلْخَمْرِ وَ اَلْحَرِيصِ وَ اَلْجَعْظَرِيِّ - وَ اَلْعُتُلِّ اَلزَّنِيمِ اَلْجَنَّةَ

اگر کسی سے اُس کا مسلمان بھائی اپنے حالات ذکر کرے اور وہ اُسے قرض نہ دے۔ تو خدا اُسے اُس دن جزائے خیر سے محروم کر دے گا کہ جس دن وہ نیکی کرنے والوں کو جزا دے رہا ہوگا۔ اگر انسان کسی کی حاجت کو پورا کر سکتا ہو، مگر اُس کے باوجود پورا نہ کرے تو اُس پر ٹیکس خور کے برابر گناہ ہوگا۔ یہ فرمان سن کر حضرت عوف بن مالک کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! ٹیکس کھانے والے کا گناہ کتنا بڑا ہوتا ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا: ٹیکس کھانے والے پر ہر دن اور رات خدا، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت و پھٹکار پڑتی ہے۔ اور جس پر خدا لعنت کر دے تو پھر تمہیں اُس کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ملے گا۔ جو شخص اپنے مومن بھائی کے ساتھ نیکی کر کے احسان جتائے تو اُس کا عمل ضائع ہوگا اور ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے احسان جتانے والے، تکبر و شیخی بگاڑنے والے، فتنہ و شر انگیزی کرنے والے، شراب کے عادی، حریص و لالچی، بدزبان و بداخلاق اور کمینے و بداَصل پر جنت حرام قرار دی ہے۔

صدقہ دینے اور مسجد تعمیر کرنے کا ثواب

وَ مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ عَلَى رَجُلٍ مِسْكِينٍ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ وَ لَوْ تَدَاوَلَهَا أَرْبَعُونَ أَلْفَ إِنْسَانٍ ثُمَّ وَصَلَتْ إِلَى الْمِسْكِينِ كَانَ لَهُمْ أَجْراً كَامِلاً - وَ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ وَ أَبْقَى لِلَّذِينَ اِتَّقَوْا وَ أَحْسَنُوا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ وَ مَنْ بَنَى مَسْجِداً فِي الدُّنْيَا أَعْطَاهُ اللهُ بِكُلِّ شِبْرٍ مِنْهُ أَوْ قَالَ بِكُلِّ ذِرَاعٍ مِنْهُ مَسِيرَةَ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ عَامٍ مَدِينَةً مِنْ ذَهَبٍ وَ فِضَّةٍ وَ دُرٍّ وَ يَاقُوتٍ وَ زُمُرُّدٍ وَ زَبَرْجَدٍ وَ لُؤْلُؤٍ فِي كُلِّ مَدِينَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ قَصْرٍ وَ فِي كُلِّ قَصْرٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ دَارٍ وَ فِي كُلِّ دَارٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ سَرِيرٍ عَلَى كُلِّ سَرِيرٍ زَوْجَةٌ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ فِي كُلِّ بَيْتٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ وَصِيفٍ وَ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ وَصِيفَةٍ وَ فِي كُلِّ بَيْتٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَائِدَةٍ وَ عَلَى كُلِّ مَائِدَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ قَصْعَةٍ وَ فِي كُلِّ قَصْعَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ لَوْنٍ مِنَ الطَّعَامِ وَ يُعْطِي اللهُ وَلِيَّهُ مِنَ الْقُوَّةِ مَا يَأْتِي عَلَى تِلْكَ الْأَزْوَاجِ وَ عَلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ وَ ذَلِكَ الشَّرَابِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ

جو شخص کسی مسکین پر صدقہ کرے تو اُس کا اجر اُس (مسکین کو برداشت کرنے والے) کے برابر ہوگا۔ اور اگر وہ صدقہ چالیس ہزار ہاتھوں سے ہو کر مسکین تک پہنچے تو سب کو پورا پورا اجر ملے گا۔ اور جو خدا کے پاس ہے وہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے اُن لوگوں کے لیے کہ جو تقوی رکھتے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔ جو شخص دنیا میں مسجد بنائے تو اللہ اُس کی ہر بالشت کے بدلے (یا فرمایا: اُس کے ہر ہاتھ کے بدلے) سونے، چاندی، در، یاقوت، زمرد، زبرجد اور موتیوں کا ایک شہر عطا کرے گا۔ جس کی لمبائی 4 کروڑ سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ ہر شہر میں چار کروڑ قصر ہوں گے۔ ہر قصر میں چار کروڑ گھر ہوں گے۔ ہر گھر میں چار کروڑ تخت ہوں گے۔ ہر تخت پر حورِ عین میں سے ایک اُس کی زوجہ بیٹھی ہوگی۔ ہر گھر میں 4 کروڑ خدمت گزار اور 4 کروڑ خادمائیں ہوں گی۔ اِسی

طرح ہر گھر میں 4 کروڑ دسترخوان ہوں گے، ہر دسترخوان پہ 4 کروڑ تھال اور ہر تھال میں 4 کروڑ انواع واقسام کے کھانے ہوں گے۔ خدا اپنے ولی کو اتنی قوت سے نوازے گا کہ وہ ایک دن میں اُن تمام چیزوں سے استفادہ کر لے گا۔

اَذان اور شہادتِ واحدانیت کا ثواب

وَ مَنْ تَوَلّٰی أَذَانَ مَسْجِدٍ مِنْ مَسَاجِدِ اللهِ فَأَذَّنَ فِيهِ وَ هُوَ يُرِيدُ وَجْهَ اللهِ أَعْطَاهُ اللهُ ثَوَابَ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ نَبِيٍّ وَ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ صِدِّيقٍ وَ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ شَهِيدٍ وَ أَدْخَلَ فِي شَفَاعَتِهِ أَرْبَعِينَ أَلْفَ أَلْفِ أُمَّةٍ وَ فِي كُلِّ أُمَّةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ رَجُلٍ وَ كَانَ لَهُ فِي كُلِّ جَنَّةٍ مِنَ الْجِنَانِ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَدِينَةٍ فِي كُلِّ مَدِينَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ قَصْرٍ فِي كُلِّ قَصْرٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ دَارٍ فِي كُلِّ دَارٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ بَيْتٍ وَ فِي كُلِّ بَيْتٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ سَرِيرٍ عَلَى كُلِّ سَرِيرٍ زَوْجَةٌ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَ فِي كُلِّ بَيْتٍ مِنْهَا مِثْلُ الدُّنْيَا أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَرَّةٍ بَيْنَ يَدَيْ كُلِّ زَوْجَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ وَصِيفٍ وَ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ وَصِيفَةٍ وَ فِي كُلِّ بَيْتٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَائِدَةٍ عَلَى كُلِّ مَائِدَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ قَصْعَةٍ فِي كُلِّ قَصْعَةٍ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ لَوْنٍ مِنَ الطَّعَامِ لَوْ نَزَلَ بِهِ الثَّقَلَانِ لَأَدْخَلَهُمْ فِي أَدْنَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِهَا مَا شَاءُوا مِنَ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ الطِّيبِ وَ اللِّبَاسِ وَ الثِّمَارِ وَ أَلْوَانِ التُّحَفِ وَ الطَّرَائِفِ مِنَ الْحُلِيِّ وَ الْحُلَلِ كُلُّ بَيْتٍ مِنْهَا يُكْتَفَى بِمَا فِيهِ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ عَمَّا فِي الْبَيْتِ الْآخَرِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ اِكْتَنَفَهُ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ وَ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَ كَانَ فِي ظِلِّ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ حَتَّى يَفْرُغَ وَ كَتَبَ لَهُ ثَوَابَهُ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَلَكٍ ثُمَّ صَعِدُوا بِهِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ

جو شخص خدا کی مسجدوں میں سے کسی مسجد میں اذان کہنے کی ذمہ داری لے۔ اور صرف خدا کی خوشنودی کے لیے اذان کہے تو اللہ تعالیٰ اُسے 4 کروڑ نبیوں، 4 کروڑ صدیقین اور 4 کروڑ شہداء کے برابر اَجر وثواب عطا فرمائے گا۔ اور اُس کی شفاعت سے 4 کروڑ جماعتوں کی بخشش ہوگی اور ہر جماعت میں 4 کروڑ افراد ہوں گے۔ ہر جنت میں اُس کے لیے 4 کروڑ شہر ہوں گے۔ جن میں سے ہر شہر میں 4 کروڑ محلات ہوں گے۔ ہر محل میں 4 کروڑ حویلیاں ہوں گی۔ ہر حویلی میں 4 کروڑ گھر ہوں گے۔ ہر گھر میں چار کروڑ تخت لگے ہوں گے۔ اور ہر تخت پر حورِ عین میں سے ایک اُس کی بیوی موجود ہوگی۔ اُس کے ہر گھر میں دنیا کے مقابلے میں 4 کروڑ گنا زیادہ ساز و سامان ہوگا۔ اُس کی ہر بیوی (حورِ عین) کے آگے 4 کروڑ خادم اور 4 کروڑ خادمائیں ہوں گی۔ ہر گھر میں 4 کروڑ دسترخوان لگے ہوں گے۔ ہر دسترخوان پہ 4 کروڑ تھال پڑے ہوں گے جن میں سے ہر تھال میں 4 کروڑ قسم کے کھانے موجود ہوں گے۔ اور اگر تمام جن و انس اُس کے پاس آئیں تو وہ اپنے چھوٹے سے چھوٹے گھر میں اُنہیں ٹھہرا سکے گا۔ اور اُس میں جس قدر وہ چاہیں گے کھانا، پانی، خوشبو، لباس، پھل، قسم قسم کے تحفے، قیمتی زیورات اور لباس موجود ہوں گے۔ ہر گھر میں یہ چیزیں اِس قدر وافر مقدار میں ہوں گی کہ دوسرے گھر میں موجود

چیزوں کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

جب مؤذن اذان دیتے ہوئے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتا ہے۔تو 4 کروڑ فرشتے اُسے گھیر لیتے ہیں۔ وہ سب اُس پر درود بھیجتے ہیں اور اُس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں۔اور جب تک وہ اذان ختم نہیں کرتا خدا کے سایہ رُحمت میں ہوتا ہے۔پھر 4 کروڑ فرشتے اُس کا ثواب لکھ کر خدا کے حضور میں پیش کر دیتے ہیں۔

مسجد کی طرف پیدل جانے اور جماعت میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہونے کا ثواب

وَمَنْ مَشٰی اِلٰی مَسْجِدٍ مِنْ مَسَاجِدِ اللہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَلَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ خَطَاھَا حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَنْزِلِہٖ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ یُمْحٰی عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَ رُفِعَ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَ مَنْ حَافَظَ عَلَی الْجَمَاعَۃِ أَیْنَ کَانَ وَ حَیْثُ مَا کَانَ مَرَّ عَلَی الصِّرَاطِ کَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ اللَّامِعِ فِی أَوَّلِ زُمْرَۃٍ مَعَ السَّابِقِینَ وَ وَجْھُہٗ أَضْوَأُ مِنَ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ یَوْمٍ وَ لَیْلَۃٍ یُحَافِظُ عَلَیْھَا ثَوَابُ شَھِیدٍ وَ مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَیُدْرِکُ التَّکْبِیرَۃَ الْأُولٰی وَ لَا یُؤْذِی فِیہِ مُؤْمِناً أَعْطَاہُ اللہُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَا لِلْمُؤَذِّنِ وَ أَعْطَاہُ اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ فِی الْجَنَّۃِ مِثْلَ ثَوَابِ الْمُؤَذِّنِ

جو شخص خدا کی مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف چل کر جائے۔تو واپس آنے تک ہر قدم پر اُسے دس نیکیاں ملیں گی، دس خطائیں معاف ہوں گی اور دس درجے بلند کیے جائیں گے۔جو شخص نماز با جماعت کا ہر جگہ اور ہر مقام پر لحاظ رکھے تو وہ پلِ صراط سے سابقین کے ساتھ پہلے زمرہ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تیزی سے گزر جائے گا۔ اُس کا چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ پرنور ہوگا۔اور اُسے نمازِ با جماعت کی پابندی کے ہر دن اور ہر رات کے حساب سے راہِ خدا میں شہادت حاصل کرنے والے برابر ثواب عطا ہوگا۔جو شخص ہمیشہ پہلی صف میں کھڑا ہو، تکبیر اولیٰ پر پہنچ جائے اور کسی مومن کو تکلیف نہ دے تو اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔جتنا ثواب اذان دینے والے شخص کو ملتا ہے۔اور خدا اُسے جنت میں وہ تمام نعمتیں عطا فرمائے گا جو موذن کو ملیں گی۔

مسافروں کے لیے پناہ گاہ بنانے اور برادرِ مومن کی سفارش کرنے کا ثواب

وَ مَنْ بَنٰی عَلٰی ظَھْرِ الطَّرِیقِ مَأْوًی لِعَابِرِ سَبِیلٍ بَعَثَہُ اللہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی نَجِیبٍ مِنْ دُرٍّ وَجْھُہٗ یُضِیءُ لِأَھْلِ الْجَمْعِ نُوراً حَتّٰی یُزَاحِمَ إِبْرَاھِیمَ خَلِیلَ الرَّحْمٰنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی قُبَّتِہٖ فَیَقُولُ أَھْلُ الْجَمْعِ ھٰذَا مَلَکٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ لَمْ یُرَ مِثْلُہٗ قَطُّ وَ دَخَلَ فِی شَفَاعَتِہٖ الْجَنَّۃَ أَرْبَعُونَ أَلْفَ أَلْفِ رَجُلٍ۔وَ مَنْ شَفَعَ لِأَخِیہِ شَفَاعَۃً طَلَبَھَا إِلَیْہِ نَظَرَ اللہُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلَیْہِ وَ کَانَ حَقّاً عَلَی اللہِ أَنْ لَا یُعَذِّبَہٗ أَبَداً فَإِنْ ھُوَ شَفَعَ لِأَخِیہِ مِنْ غَیْرِ أَنْ یَطْلُبَھَا کَانَ لَہٗ أَجْرُ سَبْعِینَ شَھِیداً

جو شخص پسِ راہ مسافروں کے لیے پناہ گاہ بنائے۔تو قیامت کے دن خدا اُسے ایسی سواری پر اُٹھا کر لائے گا کہ جو آبدار موتیوں سے بنی ہوگی۔تمام اہلِ محشر کے لیے اُس کے چہرے سے نور بلند ہو رہا ہوگا۔حتیٰ کہ وہ خلیلِ خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبہ میں جا کر اُن کے ساتھ ملاقات کرے گا اور اُس کی شفاعت سے چالیس لاکھ افراد جنت میں جائیں گے۔اگر کوئی شخص اپنے بھائی سے اپنے حق میں سفارش طلب کرے اور وہ اُس کی سفارش کرے تو

خدا اُس پر نظرِ رحمت کرے گا۔ اور اُس کا خدا پر حق ہوگا کہ اُسے کبھی مبتلائے عذاب نہ کرے۔ اور اگر وہ اپنے بھائی کی طلب کے بغیر اُس کی سفارش کرے تو اُسے ستر شہداء کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

ماہِ رمضان کا روزہ رکھنے اور پانی کا کنواں کھودنے کا ثواب

وَ مَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ فِي إِنْصَاتٍ وَ سُكُوتٍ وَ كَفَّ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ وَ لِسَانَهُ وَ فَرْجَهُ وَ جَوَارِحَهُ مِنَ ٱلْكَذِبِ وَ ٱلْحَرَامِ وَ ٱلْغِيبَةِ تَقَرُّباً إِلَى اللهِ تَعَالَى قَرَّبَهُ اللهُ حَتَّى يَمَسَّ رُكْبَتَيْ إِبْرَاهِيمَ ٱلْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَ مَنِ ٱحْتَفَرَ بِئْراً لِلْمَاءِ حَتَّى ٱسْتَنْبَطَ مَاءَهَا فَبَذَلَهَا لِلْمُسْلِمِينَ كَانَ لَهُ كَأَجْرِ مَنْ تَوَضَّأَ مِنْهَا وَ صَلَّى وَ كَانَ لَهُ بِعَدَدِ كُلِّ شَعْرَةٍ مِنْ شَعْرِ إِنْسَانٍ أَوْ بَهِيمَةٍ أَوْ سَبُعٍ أَوْ طَائِرٍ عِتْقُ أَلْفِ رَقَبَةٍ وَ دَخَلَ يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ فِي شَفَاعَتِهِ عَدَدُ ٱلنُّجُومِ حَوْضَ ٱلْقُدْسِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ مَا حَوْضُ ٱلْقُدْسِ قَالَ حَوْضِي ثَلاَثَ مَرَّاتٍ

جو شخص خاموشی و سکوت کے ساتھ ماہِ رمضان کا روزہ رکھے اور صرف خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے کان، آنکھ، زبان، شرمگاہ اور دوسرے اعضاء و جوارح کو جھوٹ، حرام اور غیبت سے بچائے رکھے۔ تو خدا اُسے اپنا اِس قدر زیادہ قرب عطا کرے گا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھٹنوں کو مس کر لے گا۔ جو شخص پانی کا کنواں کھودے اور اُسے پانی حاصل ہو جائے اور پھر وہ اُسے مسلمانوں کے استعمال میں دے دے۔ تو اُس کا اجر اُس شخص کی طرح ہے کہ جو اُس پانی سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔ اور مزید اُسے ہر انسان، یا چوپائے، یا شیر، یا پرندے کے بالوں کی تعداد کے برابر ایک ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اُس کی شفاعت سے قیامت کے روز ستاروں کی تعداد کے برابر حوضِ قدس پر آئیں گے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! حوضِ قدس کیا ہے؟ تو آپؐ نے تین دفعہ فرمایا: وہ میرا حوض ہے۔

مسلمان کی قبر کھودنے، غسل دینے اور نمازِ جنازہ میں شرکت کا ثواب

وَ مَنِ ٱحْتَفَرَ لِمُسْلِمٍ قَبْراً مُحْتَسِباً حَرَّمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَى ٱلنَّارِ وَ بَوَّأَهُ بَيْتاً فِي ٱلْجَنَّةِ وَ أَوْرَدَهُ حَوْضاً فِيهِ مِنَ ٱلْأَبَارِيقِ عَدَدُ ٱلنُّجُومِ عَرْضُهُ مَا بَيْنَ أَيْلَةَ وَ صَنْعَاءَ وَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتاً فَأَدَّى فِيهِ ٱلْأَمَانَةَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنْهُ عِتْقُ رَقَبَةٍ وَ رُفِعَ لَهُ بِهِ مِائَةُ دَرَجَةٍ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَ كَيْفَ يُؤَدِّي فِيهِ ٱلْأَمَانَةَ قَالَ يَسْتُرُ عَوْرَتَهُ وَ يَسْتُرُ شَيْنَهُ وَ إِنْ لَمْ يَسْتُرْ عَوْرَتَهُ وَ يَسْتُرْ شَيْنَهُ حَبِطَ أَجْرُهُ وَ كُشِفَتْ عَوْرَتُهُ فِي ٱلدُّنْيَا وَ ٱلْآخِرَةِ وَ مَنْ صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ صَلَّى عَلَيْهِ جَبْرَئِيلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ - وَ سَبْعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَلَكٍ وَ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ إِنْ قَامَ عَلَيْهِ حَتَّى يُدْفَنَ وَ حَثَّ عَلَيْهِ مِنَ ٱلتُّرَابِ ٱنْقَلَبَ مِنَ ٱلْجَنَازَةِ وَ لَهُ بِكُلِّ قَدَمٍ مِنْ حَيْثُ شَيَّعَهَا حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَنْزِلِهِ قِيرَاطٌ مِنَ ٱلْأَجْرِ وَ ٱلْقِيرَاطُ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ يَكُونُ فِي مِيزَانِهِ مِنَ ٱلْأَجْرِ

جو شخص خالصتاً خدا کی خوشنودی کے لیے کسی مسلمان کی قبر کھودے تو خدا اُس کا جسم جہنم پہ حرام کرے گا، اُس کا جنت میں گھر بنائے گا اور اُسے ایسے حوض پر پہنچا دے گا کہ جس کے پیالے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ اور وہ

حوض ایلہ اور صنعاء کے درمیانی فاصلے کے برابر چوڑا ہوگا۔ جو شخص کسی میت کو غسل دے اور اُس میں امانت کا لحاظ رکھے تو اُسے میت کے بدن پہ موجود ہر بال کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اُس کے ایک سو درجے بلند کیے جائیں گے۔

پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! غسلِ میت میں امانت کا لحاظ رکھنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: یعنی اُس کی شرمگاہ چھپائے اور اُس کے عیب پہ پردہ ڈالے۔ لیکن اگر وہ اُس کی شرمگاہ نہ چھپائے اور نہ ہی اُس کے عیب پر پردہ ڈالے تو اُس کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اور دنیا و آخرت میں اُس کی شرمگاہ سے پردہ اُٹھ جائے گا۔ جو شخص کسی مرنے کی نمازِ جنازہ پڑھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بمع ستر ہزار فرشتوں کے اُس پر درود بھیجتے ہیں اور اُس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ میت کی تدفین تک اُس کے پاس موجود رہے اور اُس پر مٹی ڈال کر جنازہ سے واپس آئے۔ تو تشییعِ جنازہ میں جانے اور واپسی کے ہر ہر قدم کے بدلے اُسے ایک قیراط اَجر ملے گا۔ جب اُس کے میزانِ عمل میں وہ ایک قیراط کا اَجر شامل کیا جائے گا۔ تو وہ اُحد پہاڑ جتنا وزنی ہو جائے گا۔

خوف خدا سے جاری ہونے والے آنسو کا اَجر

وَمَنْ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ قَطْرَةٍ مِنْ دُمُوعِهِ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ يَكُونُ فِي مِيزَانِهِ وَكَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ بِكُلِّ قَطْرَةٍ عَيْنٌ مِنَ الْجَنَّةِ عَلَى حَافَتَيْهَا مِنَ الْمَيَادِينِ وَالْقُصُورِ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ

جس شخص کی آنکھوں سے خوفِ خدا کی وجہ سے آنسو نکل آئیں تو ہر آنسو کے عوض اُس کے میزانِ عمل میں اُحد پہاڑ کے برابر نیکیاں شامل کی جائیں گی۔ اور آنسو کے ہر قطرے کے بدلے اُسے جنت میں ایک چشمہ عطا کیا جائے گا۔ جس کے دونوں کناروں پر ایسے ایسے میدان اور قصور ہوں گے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے ہوں گے، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال آیا ہوگا۔

مریض کی عیادت اور تشییعِ جنازہ کا ثواب

وَمَنْ عَادَ مَرِيضاً فَلَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ خَطَاهَا حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَنْزِلِهِ سَبْعُونَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمُحِيَ عَنْهُ سَبْعُونَ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَيُرْفَعُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَوُكِّلَ بِهِ سَبْعُونَ أَلْفَ أَلْفِ مَلَكٍ يَعُودُونَهُ فِي قَبْرِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ - وَمَنْ شَيَّعَ جَنَازَةً فَلَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ حَتَّى يَرْجِعَ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَيُمْحَى عَنْهُ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَيُرْفَعُ لَهُ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ دَرَجَةٍ فَإِنْ صَلَّى عَلَيْهَا صَلَّى عَلَى جَنَازَتِهِ أَلْفُ أَلْفِ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ فَإِنْ شَهِدَ دَفْنَهَا وَكَّلَ اللهُ بِهِ أَلْفَ أَلْفِ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ حَتَّى يُبْعَثَ مِنْ قَبْرِهِ

جو شخص کسی مریض کی عیادت کو جائے تو گھر واپس آنے تک ہر ہر قدم پر اُسے سات کروڑ نیکیاں ملے گی، سات کروڑ خطائیں معاف ہوں گی اور سات کروڑ درجے بلند ہوں گے۔ اور اُس پر سات کروڑ فرشتوں کو موکل کیا جائے گا۔ جو قبر میں اُس کی عیادت و احوال پرسی کے لیے آئیں گے اور قیامت تک اُس کے لیے طلبِ مغفرت کرتے رہیں گے۔ جو شخص کسی جنازہ کے پیچھے چلے تو واپس آنے تک ہر قدم پر اُسے دس لاکھ نیکیاں ملے گی، دس لاکھ برائیاں محو کی جائیں گی اور دس لاکھ درجے بلند کیے جائیں گے۔ اور اگر وہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھے تو دس لاکھ فرشتے اُس کا جنازہ پڑھیں گے اور سب کے سب اُس کے حق میں دعائے مغفرت کریں گے۔ اور اگر وہ میت کی تدفین کے موقع پر وہاں موجود رہے تو بھی خدا دس لاکھ فرشتوں کی ڈیوٹی لگاتا ہے جو سب کے سب اُس کے قبر سے اُٹھائے جانے تک اُس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

حج وعمرہ پہ جانے کا ثواب

وَمَنْ خَرَجَ حَاجّاً أَوْ مُعْتَمِراً فَلَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ حَتَّى يَرْجِعَ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَ يُمْحَى عَنْهُ مِائَةُ أَلْفِ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَيُرْفَعُ لَهُ أَلْفُ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ بِكُلِّ دِرْهَمٍ يُحْمِلُهَا فِي وَجْهِهِ ذَلِكَ أَلْفُ أَلْفِ دِرْهَمٍ حَتَّى يَرْجِعَ وَ كَانَ فِي ضَمَانِ اللهِ فَإِنْ تَوَفَّاهُ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَ إِنْ رَجَعَ رَجَعَ مَغْفُوراً لَهُ مُسْتَجَاباً لَهُ دُعَاؤُهُ فَاغْتَنِمُوا دَعْوَتَهُ إِذَا قَدِمَ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَ الذُّنُوبَ فَإِنَّ اللهُ لاَ يَرُدُّ دُعَاءَهُ فَإِنَّهُ يُشَفَّعُ فِي مِائَةِ أَلْفِ أَلْفِ رَجُلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ خَلَفَ حَاجّاً أَوْ مُعْتَمِراً فِي أَهْلِهِ بَعْدَهُ كَانَ لَهُ أَجْرٌ كَامِلٌ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ وَ مَنْ خَرَجَ مُرَابِطاً فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ مُجَاهِداً فَلَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعُمِائَةِ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَ يُمْحَى عَنْهُ سَبْعُمِائَةِ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَ يُرْفَعُ لَهُ سَبْعُمِائَةِ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَ كَانَ فِي ضَمَانِ اللهِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُ بِأَيِّ حَتْفٍ كَانَ كَانَ شَهِيداً وَإِنْ رَجَعَ رَجَعَ مَغْفُوراً لَهُ مُسْتَجَاباً لَهُ دُعَاؤُهُ

جو شخص حج یا عمرہ کے ارادے سے نکلے تو واپس آنے تک ہر ہر قدم پر اُسے دس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں، دس لاکھ گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور دس لاکھ درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ اور وہ اِس راہ میں واپس آنے تک جتنے بھی درہم لگاتا ہے، تو ہر درہم کے بدلے اُسے دس لاکھ درہم صرف کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ وہ اِس سفر میں خدا کی ضمانت میں ہوتا ہے۔ اگر اُسے موت آجائے تو خدا اُس کو جنت میں داخل کرتا ہے اور اگر وہ (بخیریت اپنے مقام پر) واپس آجاتا ہے تو اُس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور اُس کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ لہذا جب کوئی شخص حج وعمرہ کر کے واپس آئے تو قبل اِس کے کہ وہ گناہوں سے آلودہ ہو، تم اُس کی دعا کو غنیمت جانا کرو۔ بے شک خدا اُس کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ اور قیامت کے روز دس لاکھ لوگوں کے حق میں اُس کی سفارش وشفاعت قبول کی جائے گی۔ جو شخص حج، یا عمرہ پہ جاتے ہوئے کسی شخص کو اپنے گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپے تو اُسے بھی حج، یا عمرہ ادا

کرنے والے کے برابر اَجر ملے گا، اور خود اُس کے اجر سے بھی کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ جو شخص راہِ خدا میں پہرہ داری، یا جہاد کے لیے نکلے تو ہر قدم پر اُسے سات لاکھ نیکیاں ملے گی، سات لاکھ خطائیں معاف ہوں گی اور سات لاکھ درجے بلند کیے جائیں گے۔ اور وہ خدا کی ضمان میں ہوگا، حتی کہ اگر کسی بھی وجہ سے اُس کی وفات ہوجائے تو وہ شہید شمار کیا جائے گا اور اگر وہ زندہ واپس آجائے تو اُس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے اور اُس کی مانگی ہوئی ہر دعا پوری ہوگی۔

برادرِ ایمانی کی ملاقات اور قرآن کی تلاوت و تعلیم کا اجر

وَ مَنْ مَشٰی زَائِراً لِأَخِیهِ فَلَهُ بِکُلِّ خُطْوَةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ إِلٰی مَنْزِلِهِ عِتْقُ مِائَةِ أَلْفِ رَقَبَةٍ وَ یُرْفَعُ لَهُ مِائَةُ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَ یُمْحٰی عَنْهُ مِائَةُ أَلْفِ سَیِّئَةٍ وَ یُکْتَبُ لَهُ مِائَةُ أَلْفِ حَسَنَةٍ ... وَ مَنْ قَرَأَ اَلْقُرْآنَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ وَ تَفَقُّهاً فِی اَلدِّینِ کَانَ لَهُ مِنَ اَلثَّوَابِ مِثْلُ جَمِیعِ مَا یُعْطَی اَلْمَلاَئِکَةُ وَ اَلْأَنْبِیَاءُ وَ اَلْمُرْسَلِینَ وَ مَنْ تَعَلَّمَ اَلْقُرْآنَ یُرِیدُ بِهِ رِیَاءً وَ سُمْعَةً لِیُمَارِیَ بِهِ اَلسُّفَهَاءَ وَ یُبَاهِیَ بِهِ اَلْعُلَمَاءَ أَوْ یَطْلُبَ بِهِ اَلدُّنْیَا بَدَّدَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عِظَامَهُ یَوْمَ اَلْقِیَامَةِ وَ لَمْ یَکُنْ فِی اَلنَّارِ أَشَدُّ عَذَاباً مِنْهُ وَ لَیْسَ نَوْعٌ مِنْ أَنْوَاعِ اَلْعَذَابِ إِلاَّ وَ یُعَذَّبُ بِهِ مِنْ شِدَّةِ غَضَبِ اللهِ عَلَیْهِ وَ سَخَطِهِ وَ مَنْ تَعَلَّمَ اَلْقُرْآنَ وَ تَوَاضَعَ فِی اَلْعِلْمِ وَ عَلَّمَ عِبَادَ اللهِ وَ هُوَ یُرِیدُ بِهِ مَا عِنْدَ اللهِ لَمْ یَکُنْ فِی اَلْجَنَّةِ أَحَدٌ أَعْظَمُ ثَوَاباً مِنْهُ وَ لاَ أَعْظَمُ مَنْزِلَةً مِنْهُ وَ لَمْ یَکُنْ فِی اَلْجَنَّةِ مَنْزِلَةٌ وَ لاَ دَرَجَةٌ رَفِیعَةٌ وَ لاَ نَفِیسَةٌ إِلاَّ کَانَ لَهُ فِیهَا أَوْفَرُ اَلنَّصِیبِ وَ أَشْرَفُ اَلْمَنَازِلِ أَلاَ وَ إِنَّ اَلْعِلْمَ خَیْرٌ مِنَ اَلْعَمَلِ وَ مِلاَکُ اَلدِّینِ اَلْوَرَعُ أَلاَ وَ إِنَّ اَلْعَالِمَ مَنْ یَعْمَلُ بِالْعِلْمِ وَ إِنْ کَانَ قَلِیلَ اَلْعَمَلِ۔

جو شخص اپنے بھائی کی ملاقات کو جائے تو گھر واپس آنے تک ہر قدم پر اُسے ایک لاکھ غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اُس کے ایک لاکھ درجے بلند کیے جائیں گے، ایک لاکھ لغزشیں معاف ہوں گی اور ایک لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔۔ جو شخص خدا کی رضا اور دین کی سمجھ کے ارادے سے قرآن کی تلاوت کرے تو اُسے تمام فرشتوں، نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے برابر ثواب عطا ہوگا۔ مگر جو شخص دکھانے سنانے کی نیت سے قرآن پڑھے تاکہ نادانوں کے ساتھ بحث و نزاع کرے اور علماء کی محفل میں اپنا تکبر ظاہر کرے، یا اُس کا مقصد طلبِ دنیا ہو۔ تو خدا قیامت کے دن اُس کی ہڈیاں چور چور کر کے رکھ دے گا، اُس سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی نوع باقی نہ رہے گی کہ جس سے اُسے عذاب نہ کیا جائے۔ یہ اُس پر خدا کے غیظ و غضب کی وجہ سے ہوگا۔ جو شخص قرآن کی تعلیم حاصل کرے، اپنے علم میں متواضع ہو اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دے۔ جب اُس کی نیت خالصتاً خدا کا اَجر و ثواب حاصل کرنا ہو۔ تو جنت میں اُس سے بڑھ کر نہ کسی کا ثواب ہوگا اور نہ ہی اُس کے مقابلے میں کسی کو بلند مقام و مرتبہ حاصل ہوگا۔ اِس کے علاوہ جنت میں جو بھی مقام، بلند درجہ اور اُس کی کوئی نفاست ہوگی تو اُس کا حصہ باقیوں سے زیادہ اور مقام

باقیوں کی نسبت بلند ہوگا۔ یادرکھو کہ بے شک علم، عمل سے افضل ہے اور دین کا معیار تقوی وخشیتِ الٰہی ہے۔ سن لو کہ حقیقت میں عالم وہی ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے، اگر چہ تھوڑا ہی ہو۔

گناہ کو کم تر نہیں سمجھنا چاہیے

أَلاَ وَ لاَ تُحَقِّرَنَّ مِنَ اَلذُّنُوبِ شَيْئاً وَ إِنْ صَغُرَ فِي أَعْيُنِكُمْ فَإِنَّهُ لاَ صَغِيرَةَ بِصَغِيرَةٍ مَعَ اَلْإِصْرَارِ وَ لاَ كَبِيرَةَ بِكَبِيرَةٍ مَعَ اَلاِسْتِغْفَارِ أَلاَ وَ إِنَّ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ سَائِلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ حَتَّى عَنْ مَسِّ أَحَدِكُمْ ثَوْبَ أَخِيهِ بِإِصْبَعِهِ

خبردار! اپنے کسی گناہ کو معمولی نہ سمجھنا۔ اگر چہ وہ تمہاری نظر میں چھوٹا ہو۔ کیونکہ جب کسی چھوٹے گناہ پر اصرار کیا جائے تو وہ چھوٹا نہیں رہتا اور اگر کسی کبیرہ گناہ کے بعد استغفار کیا جائے تو وہ کبیرہ نہیں رہتا۔ یادرہے کہ خدا تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ حتی کہ اگر تم میں سے کسی نے اپنی انگلی اپنے بھائی کے کپڑوں کو لگائی ہو۔ تو وہ اُس کے بارے میں بھی تمہارا محاسبہ کرے گا۔

اُصل کامیابی اور ناکامی

فَاعْلَمُوا عِبَادَ اللهِ أَنَّ اَلْعَبْدَ يُبْعَثُ يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ عَلَى مَا مَاتَ وَ قَدْ خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ اَلْجَنَّةَ وَ اَلنَّارَ فَمَنِ اِخْتَارَ اَلنَّارَ عَلَى اَلْجَنَّةِ اِنْقَلَبَ بِالْخَيْبَةِ وَ مَنِ اِخْتَارَ اَلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ اِنْقَلَبَ بِالْفَوْزِ لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ اَلنَّارِ وَ أُدْخِلَ اَلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ أَلاَ وَ إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُقَاتِلَ اَلنَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا - لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ فَإِذَا قَالُوهَا اِعْتَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ

اے خدا کے بندو! جان لو کہ روزِ قیامت انسان کو اُسی عقیدے پر اٹھایا جائے گا۔ جس پر اُس کی موت واقع ہوگی۔ خدا نے جنت وجہنم خلق فرمادی ہیں۔ لہذا جو شخص جنت کو چھوڑ کر جہنم کا انتخاب کرے وہ نقصان اُٹھائے گا۔ اور جو جنت کا انتخاب کرے تو وہ کامیاب ہوگا اور کامرانی کی طرف چلا جائے۔ جیسا کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے: جو شخص جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرا۔ یادرکھو کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اُس وقت تک لوگوں سے جہاد کروں۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ جب اُنہوں نے اِس کلمہ کا اقرار کرلیا تو اِس کلمہ کے صدقے اُس کے جان ومال محفوظ ہوگئے اور اب اُن کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

خدا نے جائز وناجائز سب کھول کر بیان فرمادیا ہے

أَلاَ وَ إِنَّ اللهُ جَلَّ اِسْمُهُ لَمْ يَدَعْ شَيْئاً مِمَّا يُحِبُّهُ إِلاَّ وَ قَدْ بَيَّنَهُ لِعِبَادِهِ وَ لَمْ يَدَعْ شَيْئاً يَكْرَهُهُ إِلاَّ وَ قَدْ بَيَّنَهُ لِعِبَادِهِ وَ نَهَاهُمْ عَنْهُ - لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی کہ جو اُسے پسند ہو، مگر یہ کہ اُسے اپنے بندوں کے لیے صاف

صاف بیان کر دیا۔ اِسی طرح ایسی بھی کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ جو اُسے پسند نہ ہو، مگر اُسے بھی واضح طور پر بندوں سے بیان کر دیا۔ اور اُنہیں اُس سے منع فرما دیا۔ تا کہ جو ہلاکت میں پڑے وہ واضح دلیل کے ہوتے ہوئے اور جو زندگی پائے وہ بھی صاف و روشن دلیل کے ساتھ۔

خدا ظلم کو پسند نہیں کرتا

أَلاَ وَ إِنَّ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لاَ يَظْلِمُ وَ لاَ يُجَاوِزُهُ ظُلْمٌ وَ هُوَ بِالْمِرْصَادِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاؤُا بِمَا عَمِلُوا وَ يَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى مَنْ أَحْسَنَ فَلِنَفْسِهِ وَ مَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَ مَا رَبُّكَ بِظَلاَّمٍ لِلْعَبِيدِ

سب لوگ سن لو کہ خدا ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ظلم اُس کے پاس سے گزر سکتا ہے۔ وہ پوری طرح تاک میں ہے تا کہ برائی کرنے والوں کو اُن کے اعمال کا صلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نیکی کے ساتھ جزائے خیر دے۔ جو شخص نیکی کرے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو شخص برائی کرے تو وہ بھی اپنے حق میں ہی برائی کرتا ہے۔ اور تمہارا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

خبر ارتحال شریف اور حاضرین کا اظہارِ عقیدت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ قَدْ كَبِرَ سِنِّي وَ دَقَّ عَظْمِي وَ انْهَدَمَ جِسْمِي وَ نُعِيَتْ إِلَيَّ نَفْسِي وَ اقْتَرَبَ أَجَلِي وَ اشْتَدَّ مِنِّي الشَّوْقُ إِلَى لِقَاءِ رَبِّي وَ لاَ أَظُنُّ إِلاَّ وَ إِنَّ هَذَا آخِرُ الْعَهْدِ مِنِّي وَ مِنْكُمْ فَمَا دُمْتُ حَيّاً فَقَدْ تَرَوْنِي فَإِذَا مِتُّ فَاللَّهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ وَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ فَابْتَدَرَ إِلَيْهِ رَهْطٌ مِنَ الْأَنْصَارِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ الْمِنْبَرِ وَ كُلُّهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَ نَحْنُ جَعَلَنَا اللهُ فِدَاكَ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي وَ نَفْسِي لَكَ الْفِدَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ مَنْ يَقُومُ لِهَذِهِ الشَّدَائِدِ وَ كَيْفَ الْعَيْشُ بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ

اے لوگو! میری عمر زیادہ ہوگئی، میری ہڈیوں میں طاقت نہیں رہی، میرا جسم لاغر ہو چکا ہے، میرا نفس اپنے آخری مراحل سے گزر رہا ہے۔ میری وفات کا وقت قریب آ گیا اور میرا اپنے پروردگار کے ساتھ ملاقات کا اشتیاق بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں آخری بار تم سے خطاب کر رہا ہوں۔ جب تک زندہ ہوں تم مجھے دیکھتے رہو گے۔ اور جب میں اِس دنیا کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو ہر مومن و مومنہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تم سب پر سلامتی اور خدا کی رحمت و برکتیں ہوں۔

یہ (آخری) کلمات سن کر انصار کے کچھ افراد آگے آئے۔ ابھی آپؐ منبر سے نیچے نہیں آئے تھے۔ اُن سب نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! خدا آپؐ کی جگہ ہمیں موت دے دے، ہمارے ماں، باپ آپؐ پر نثار! یا رسول اللہؐ! ان مشکل مراحل کا کون سامنا کر سکتا ہے؟ آج کے بعد ہم زندگی کیسے گزاریں گے؟!

توبہ کی مہلت

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ أَنْتُمْ فِدًا كُمْ أَبِي وَ أُمِّي إِنِّي قَدْ نَازَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَ جَلَّ فِي أُمَّتِي - فَقَالَ لِي بَابُ اَلتَّوْبَةِ مَفْتُوحٌ حَتَّى يُنْفَخَ فِي اَلصُّورِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ فَقَالَ إِنَّهُ مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ إِنَّ اَلسَّنَةَ لَكَثِيرَةٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِشَهْرٍ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ شَهْرٌ كَثِيرٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِجُمُعَةٍ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ جُمُعَةٌ كَثِيرَةٌ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِيَوْمٍ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ يَوْمٌ كَثِيرٌ مَنْ تَابَ اللهُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِسَاعَةٍ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ إِنَّ اَلسَّاعَةَ لَكَثِيرَةٌ مَنْ تَابَ وَ قَدْ بَلَغَتْ نَفْسُهُ هَذِهِ وَ أَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى حَلْقِهِ تَابَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ نَزَلَ فَكَانَتْ آخِرَ خُطْبَةٍ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ عَزَّ وَ جَلَّ.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بڑی محبت کے ساتھ اُن کی باتیں سنیں، پھر) فرمایا: تم لوگوں پر میرے ماں باپ قربان جائیں! میں نے خدا سے اپنی امت کے بارے میں عرض کی تو خدا نے مجھ سے فرمایا: صور پھونکے جانے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ پھر آپؐ ہم سب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

جو شخص اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کر لے۔ تو خدا اُس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ پھر فرمایا کہ ایک سال تو زیادہ ہے۔ جو شخص موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے خدا اُس کی توبہ قبول کرے گا۔ پھر فرمایا: ایک مہینہ بھی کافی عرصہ ہے۔ جو اپنی موت سے ایک جمعہ پہلے توبہ کر لے تو خدا اُس کی توبہ قبول کرے گا۔ پھر فرمایا کہ جمعہ بھی خاصا وقت ہے جو شخص موت سے ایک دن پہلے توبہ کر لے خدا اُس کی بھی توبہ قبول کر لے گا۔ پھر فرمایا: ایک دن بھی بہت ہے۔ جو شخص مرنے سے ایک ساعت (گھنٹہ، یا لمحہ) پہلے توبہ کر لے تو خدا اُس کی بھی توبہ قبول کر لے گا۔ پھر فرمایا: یہ بھی بہت ہے۔ اگر کسی کی روح حلق تک پہنچ جائے اور وہ اُس وقت بھی توبہ کر لے تو خدا اُس کی توبہ قبول کرے گا۔

اِس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ یہ آپؐ کا آخری خطبہ تھا۔ اِس کے بعد خدائے ذوالجلال کے جوارِ رحمت میں چلے گئے۔

الحمدللہ! اِس خطبہ کا ترجمہ آج ۱۴ صفر ۱۴۴۵ھ بمطابق ۲ ستمبر ۲۰۲۳ بروز ہفتہ رات گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر مکمل ہوا۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وآلِ مُحَمَّدٍ وعَجِّلْ فَرَجَھُمْ

***

مرکز معارف اسلامی

www.maarefislami.com

051-235-3335

maarefislami.contact@gmail.com

@maarefislamiofficial

www.maarefislami.com